اردو کا کلاسیکی ادب

مقالاتِ

سرسیّد

حصّہ پانزدہم

متفرق مضامین

مرتبہ

مولانا محمد اسماعیل پانی پتی

مجلس ترقی ادب ○ لاہور

طبع اول : دسمبر ، ۱۹۶۳ء

تعداد : ۲۰۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج (ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ۔ لاہور

مہتمم : محمد ذوالفقار خان

قیمت : پانچ روپے

بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۴۴

اردو کا کلاسیکی ادب

مقالاتِ سرسید

مرتبہ

مولانا محمد اسماعیل پانی پتی

ناشر

مجلسِ ترقی ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرس

حِصّہ پانزدہم

متفرق مضامین

نو روز یعنی شروع سال نبوی

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۲۹۸ھ صفحہ ۱ تا ۴)

شوال کا مہینہ اور عید کا دن تیرہ سو گیارھویں سالگرہ ظہور مذہب اسلام کی ہے - تمام مسلمان عید کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں ، عیدگاہ میں دوگانے پڑھتے ہیں ، خیر خیرات کرتے ہیں ، فطرہ دیتے ہیں ، دودھ سویاں کھاتے ہیں ، ایک دوسرے کو تحفہ بھیجتے ہیں ، لڑکوں کو چھٹی ملتی ہے ، عیدیاں لے کر خوش ہوتے ہیں ، مگر اس مختلف گروہ کے مختلف خیالات ہیں - بزرگ اور خدا پرست زاھد و عابد الوداع کے دن ماہ مبارک کی مفارقت میں گریہ و زاری کر چکتے ہیں پھر عید کے دن فرض کے ادا کرنے اور بہشت میں اعلیٰ درجات ملنے کا استحقاق حاصل کرنے کے خیال سے خوشیاں مناتے ہیں - جوان کہتے ہیں کہ خدا خدا کرکے رمضان تشریف لے گئے - مر مر کے روزے پورے کیے - اب خدا نے عید کا دن دکھلایا - برس بھر کو نجات ملی - بڈھے سیدھی سادی طبیعت کے آدمی شکر کرتے ہیں کہ اب کے سال تو خدا نے روزے رکھوا دیے - عید کا دن دکھلا دیا دیکھیے اگلے سال بھی ہم ہوں گے یا نہیں ؎

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز یہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

لڑکے چھٹی کی دھن میں ، کھیل کود کی امنگ میں عیدیاں لے لے کر خوش ہوتے ہیں کہ دو دن کے لیے تو پڑھنے کی مصیبت ، استاد کی دھشت سے نجات ملی ، ہماری عمر کا جو مقتضیٰ ہے اس

کے برتنے کا موقع ہاتھ آیا - مگر جو پکے مسلمان ہیں اور ٹھیٹ مذہب اسلام کے پیرو ہیں وہ کہتے ہیں کہ عید، عید کا دن تو ہے، مگر عید کے کچھ سامان بھی ہیں، جب کچھ سامان نہیں پاتے تو گو خوشیاں منانی چاہتے ہیں مگر کچھ منا نہیں سکتے - ہلال عید اُن کی آنکھوں میں ہلال تو نظر نہیں آتا بلکہ ہلال آخر ماہ دکھائی دیتا ہے جو بدر ہو کر گھٹتے ہلال ہو گیا ہے -

تمام قوموں نے اپنے لیے مختلف نشان اختیار کیے تھے مگر مسلمانوں نے ہلال کا نشان اختیار کیا تھا جو ظہور مذہب اسلام کی نشانی اور ہونہار بدر کی نیک شگونی تھی مگر وہ یہ نہ سمجھے تھے کہ بدر کو پھر ہلال ہونا اور کمال کو پھر زوال آنا ہے - وہ تو بدر کی چاندنی دیکھ کر خوش خوش سدھارے - اب ہم محاق کی اندھیری میں ٹکراتے ہیں - اس وقت دنیا کے پردہ پر جہاں جہاں مسلمان ہیں ایک سی ابتر حالت میں ہیں، تعصب کو دینداری سمجھتے ہیں، تعصب نے ان کو ایسا غلیظ القلب کر دیا ہے کہ کسی طرح پسیجتا ہی نہیں - خدا تو اپنے حبیب کو فرماتا ہے "ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک" مگر اس حکم کو انھوں نے چھوڑا ہے اور تعصب کو پکڑا ہے، مفلسی نے مسلمانوں کا ہی گھر پسند کیا ہے - بے دولت کا اطلاق اگر ہو سکتا ہے تو مسلمانوں ہی پر ہو سکتا ہے - چند آدمی اگر با دولت ہیں تو قوم کی بھلائی کی کچھ پروا نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ

مرا ہست بط راز طوفاں چہ باک

قوم کی قوم بے علم و بے ہنر ہوتی جاتی ہے، انھوں نے اپنے سلف کی اُس ناموری کو جو علوم و فنون میں انھوں نے

حاصل کی تھی بالکل ڈبو دیا ہے ــــــــ دنیاوی علوم و فنون کو جانے دو ، اگر دینی ہی علوم میں انھوں نے ترقی کی ہوتی تو بھی صبر آتا کہ خیر دنیا گئی تو دین ہاتھ آیا ، علمائے دین کی زبان حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ "کبرنی موت الکبراء" اجتہاد و استنباط کو جانے دو ، روایت کشی جو ادنٰی ترین درجہ علماء ہے وہ بھی باقی نہیں رہی ہے ۔ واقعہ سے روایت کا اور روایت سے واقعہ کا تطبیق دنیا نہایت ہی کم پایا جاتا ہے ۔ اُس کے ماخذ و استنباط تک پہنچنا تو دوسری بات ہے ۔

ہم اس علم پر بھی خاک ڈالتے ہیں اور اخلاق پر نظر کرتے ہیں تو بھی بجز افسوس کے کچھ نہیں پاتے ، اتقیاء کو دیکھتے ہیں کہ دن رات اس خیال میں مبتلا ہیں کہ مسواک کتنی لمبی اور ازار کتنی اونچی رکھنی چاہیے ، نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے ہوں یا چھاتی کے اوپر ، آمین آہستہ سے کہی جاوے یا ایسے پکار کر جس سے مسجد گونج جاوے جب اس سے بھی فارغ ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی تکفیر کے فتوے لکھنے پر مصروف ہوتے ہیں ، جب اس کا بھی محل نہیں پاتے تو اُن کی نسبت جن کو وہ اپنا ساتھی نہیں سمجھتے افترا پردازی اور بہتان بندی کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں ۔ غرض کہ بلبلوں کی طرح اسی طرح بولتے رہتے ہیں ، دل کی نیکی اور اندرونی حالت کی درستی پر مطلق خیال بھی نہیں جاتا ، تمام احکام شرعیہ کا مقصد جو روح کا پاک کرنا ، دل کو درست کرنا ، اخلاق کا پیدا کرنا ، محبت کا ترقی دینا ، قومی ہمدردی کو جوش میں لانا اور قوم کے ساتھ ہمدردی کرنا ہے اُس کا ذرہ برابر اثر بھی دل میں پیدا نہیں ہوتا ۔ "مولوی صاحب" سننے کی خوشی ، پیش امام بننے کا فخر ، منبر پر چڑھ کر خوش الحانی سے عید کے خطبہ پڑھنے کا افتخار ، لوگوں کے

قدم چومنے ، ہاتھ چومنے کی خوشی دل کو ایسا پھلا دیتی ہے جس کی انتہا نہیں - یہی سبب ہے کہ اندرونی حالت عالم و جاہل سب کی یکساں ہے - جو کچھ ہے باہر کی ٹیپ ٹاپ ہے -

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

جو لوگ شبلی و جنید کی ہمسری کا دعویٰ کرتے ہیں کیا کچھ افتخار ہے جو اُن کو اپنی بوریا نشینی پر نہیں ہے - سجادہ نشینی دین و دنیا دونوں پر فتح یابی ہے - جو کچھ چاہو سو کرو مگر صورت و حالت ایسی بناتے جاؤ جس سے لوگ کھنچتے جاویں ، بناتے جانے کی حاجت نہیں وہ خود ہی بنتی جاتی ہے - بوریے پر بیٹھنا جب اُن کو تخت و طاؤس پر بیٹھنے سے زیادہ لطف دکھاتا ہے تو وہی لطف دوسرے دن اُن کو زمین پر بٹھا کر عرش پر بیٹھنے کا مزا چکھاتا ہے - مگر جو چیز کہ اسلام کی انسان میں پیدا ہونی چاہیے تھی اس کا نشان نہیں ملتا - ہاں مگر ان میں مثل پہلوؤں کے مردم آزادی نہیں ہے - جب قوم کا یہ حال ہے تو ہلال عید کیا خوشی دے سکتا ہے ، بلکہ محرم کے ہلال سے زیادہ دل فگار ہے ، ایسے ہلال سے کیا خوشی ہو سکتی ہے جو محلق میں آنے والا ہو ، ہاں اگر ہر سال قوم کی روحانی ، ایمانی ، اخلاقی ، تمدنی ترقی ہوتی رہے تو پھر عید کا چاند تو عید کا چاند ہے ، مگر افسوس ہے کہ اس کی توقع نہیں - بالفعل تو قوم تمام قوموں کی مورد نفرین بن رہی ہے اور قوم اُس پر فخر کرتی ہے اور کچھ نہیں سمجھتی اور کیوں کر سمجھے کہ جو کچھ ہوا ہے اور ہوتا ہے خود اس نے کیا ہے اور کرتی ہے -

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

پس جب ہماری قوم کا یہ حال ہے جس کے لیے ہلال عید ہے تو پھر عید کیسی ، مگر ہاں اس زمانہ میں ان پکے مسلمانوں اور ٹھیٹ اسلام پر چلنے والوں کی بدولت (جن کو اس زمانہ کے مقدس لوگوں نے جو تیرھویں صدی کے مقدس لوگ گنے جاتے ہیں اسی خیال سے نیچری کا خطاب دیا ہے جس خیال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو ناصری کا خطاب دیا تھا اور انھوں نے اس خطاب کو اسی خوشی سے منظور کیا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ نے نہایت خوشی سے ناصری کے خطاب کو منظور کیا تھا) ہماری قوم میں کچھ ترقی کا خیال پیدا ہوا ہے اور نئی روشنی اور پرانی روشنی والے دونوں کہتے ہیں کہ قوم کو تنزل ہے قومی ترقی ہونی چاہیے - بہت سے دلوں میں گو قدیم اقوال سے لغزش آئی ہو مگر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر آن کے دل کو پختہ یقین ہو گیا ہے - اس وقت یہاں تک تو ہوا ہے آئندہ دیکھیے کیا ہوتا ہے - و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم -

مبارک باد عید

(تہذیب الاخلاق جلد ۷ نمبر ۱ بابت یکم شوال ۱۲۹۳ھ صفحہ ۴ تا ۸)

السلام علیکم!

وعلیکم السلام۔

حضرت مبارکا باشد، مل تو لیجیے۔ معانقہ تو فرمائیے، آئیے آئیے تشریف رکھیے۔

دل ملے ہوئے ہوں تو معانقہ کی کیا ضرورت ہے۔

کیا آپ معانقہ عید کو جائز نہیں سمجھتے؟

جناب میں کوئی مولوی ملاں، مفتی تو ہوں نہیں کہ جائز ناجائز سے بحث کروں۔ اس جھگڑے کو جانے دیجیے۔ بیٹھیے مزے مزے کی دل خوش کن باتیں کیجیے۔

نہیں صاحب پہلے اسی بات کا تصفیہ کر لیجیے کہ عید کا معانقہ جائز و مستحب ہے یا نہیں۔

حضرت میری رائے جب آپ سنیں گے تو چوکیں گے اور متعجب ہوں گے اور فرماویں گے کہ یہ تو سب سے انوکھی بات ہے، خیال کیجیے کہ جائز و ناجائز۔ مستحب و غیر مستحب یہ سب قسمیں افعال مذہبی کی ہیں۔ عید کا معانقہ کوئی مذہبی افعال میں سے نہیں ہے جس پر جائز یا ناجائز کا اطلاق ہو سکے، یہ بات صرف باہم معاشرت کی ہے۔ اگر اس پر بحث ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ آیا یہ طرز معاشرت قابل پسند اور مہذب ہے یا نہیں، اس کا حال یہ ہے کہ جب تک قوم کے خیالات

نہیں بدلتے اور تعصب دور نہیں ہوتا اُس وقت تک جو رسمیں اُس قوم کی ہیں گو وہ کیسی ہی نا مہذب ہوں مہذب ہی معلوم ہوتی ہیں ، اُس کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے اُس رسم کا مہذب یا نا مہذب ہونا ناپ لیا جاوے ۔ اگر کوئی پیمانہ اس کے لیے ہو سکتا ہے تو صرف ترقی علوم و فنون سے ہو سکتا ہے گو یہ مثل مشہور ہے کہ ''لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید'' ہر ایک شخص اپنے معشوق کو سب سے زیادہ خوب صورت سمجھتا ہے مگر خوب صورتی بھی در حقیقت کوئی شے ہے جو فی الواقع حسن ہے ۔ اُس کے تصفیہ کا پیمانہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علم مصوری میں کمال بہم پہنچایا ہے اور انسان کے اعضاء اور چہرہ کی مناسبتوں پر کامل غور کی ہے اُس کے لیے اصول اور مقداریں قائم کی ہیں اور اُس کی ساخت و خط و خال کے قواعد مقرر کیے ہیں ۔ وہ جس نقشہ کو خوب صورت بتاویں وہ خوب صورت ہے جس کو بد صورت بتائیں وہ بد صورت ہے گو کہ حبشی اپنے کالے چمکول رنگ اور ناند کے کناروں سے موٹے ہونٹ اور پستہ کی سی چھوٹی زرد آنکھوں کو خوب صورت سمجھا کریں ، اسی طرح حسن معاشرت نتیجہ ہے تمام دنیا کے علوم و فنون کے نتائج کے مجموعہ کا ، پس اگر حسن معاشرت کے اچھے یا برے ہونے کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے تو اُسی قوم کی معاشرت سے ہو سکتا ہے جن میں ہر قسم کے علوم و فنون اعلیٰ درجہ کی ترقی پر ہوں ۔

یہ پیمانہ کچھ آج کا بنایا ہوا نہیں ہے ۔ ہمیشہ سے حسن معاشرت کا یہی پیمانہ رہا ہے ۔ ایک زمانہ میں یہ پیمانہ مصریوں کے گھر میں تھا پھر یونانیوں اور ہندوؤں کے گھر میں آیا ۔ چند روز مسلمانوں کے گھر میں رہا اب اُن لوگوں کے گھر

میں ہے جو ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کیے ہوئے ہیں۔ اگر آپ میرے اس اصول کو صحیح تصور فرماتے ہوں تو خود ہی اس طرز معاشرت کے حسن و قبح کا فیصلہ فرما لیویں۔ کسی طرز معاشرت پر عیب نکالنا (مثلاً معانقہ ہی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ تو دو سانپوں کا سا گتھنا یا دو کھڑے نیولوں کا آپس میں لڑنا سا ہے) میں پسند نہیں کرتا کیوں کہ ہر ایک طرز کی حسن معاشرت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے مگر جب ہمارے پاس بجز اُس پیمانہ کے جو مذکور ہوا اور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے تو ہم کو اُسی طرز معاشرت کے اچھا کہنے میں مجبوری ہے جو اُس پیمانہ کے مطابق ہے۔

یہ بات کہ ہر ایک ملک کے لیے حسن معاشرت جدا گانہ ہے میری سمجھ میں ایک محض غلط خیال ہے۔ معاشرت بشرطیکہ اُس کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرو تو ایک امر حقیقی ہے امر نسبتی نہیں ہے۔ پس وہ کسی ملک میں مختلف نہیں ہو سکتا گو کہ اُس کے حصول کے ذریعے مختلف ہوں اسی غلط فہمی کے سبب لوگوں کے خیال میں ہے کہ یہ رسم فلاں ملک کی ہے ہمارے ملک کی نہیں۔ اگر یہ اصول تسلیم نہ کیا جاوے تو ایک ہی شے کا ایک ہی حیثیت سے ایک جگہ اچھا اور ایک جگہ برا ہونا لازم آتا ہے۔ دیکھیے دیکھیے معاشرت کے معنی سمجھنے میں کچھ غلطی نہ کیجیے گا۔ پہلے اُس کے معنی خوب سمجھ لیجیے پھر اگر کچھ کہنا ہو تو کہیے۔

بہت اچھا آپ معانقہ نہ کیجیے مصافحہ تو کیجیے یہ تو سنت ہے۔ دیکھیے پھر آپ نے دوبھاسی بات کہی۔ اگر لفظ سنت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب اور احباب سے مصافحہ فرمایا ہے۔ اور اس لیے

یہ سنت عادی یا رسم ملک عرب کی ہے تو میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور اگر آپ نے اس کو کسی مذہبی خیال سے سنت فرمایا ہے تو میں مصافحہ کو داخل مذہب نہیں سمجھتا بلکہ اس کو حسن معاشرت میں داخل سمجھتا ہوں مگر آپ مذہبی خیال سے عید کا مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے میں ہاتھ نہیں بڑھاتا آپ مہربانی سے معاف فرماویں -

خیر صاحب اس کو جانے دیجیے - آپ تو جھاڑ ہو کر الجھ گئے - یہ تو فرمائیے کہ آپ نے عید کی نماز کہاں پڑھی ؟

مسکرائے ! اور کہا کہ حضرت میں تو کہیں نہیں گیا - دلی میں جب تھا جب بھی کچھ التزام نہ تھا - کبھی عیدگاہ اور کبھی جناب مولانا مولوی محمد مخصوص اللہ مرحوم کے سبب سے قاضی واڑہ کی مسجد میں چلا جاتا تھا - غدر کے بعد سے بلکہ برس دو برس پہلے سے مجھے یاد نہیں آتا کہ عید کی نماز کو کہیں گیا ہوں آپ کہاں تشریف لے گئے تھے ؟

جناب میں تو عیدگاہ میں گیا تھا - جب تک میں نہ جاتا نماز کیسے ہوتی - امام کو گیارہ روپیہ اور دوشالہ - متولی کو سات روپیہ اور پگڑی - مؤذن کو پانچ روپیہ اور دوپٹہ کون دیتا - میں تو گیارہ ہی بجے چلا گیا تھا - اگر میں شام تک نہ جاتا تو نماز نہ ہوتی - آپ کو نہیں معلوم کہ اس قصبے کا میں ہی رئیس گنا جاتا ہوں - جب میں امام کو پگڑی باندھ لیتا ہوں - تب اور ہمہ شما پگڑیاں باندھتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں - امام کو، متولی کو ، مؤذن کو خدا کے فضل سے بہت کچھ مل جاتا ہے -

افسوس اگر ہم بھی امام ہوتے تو آج خوب کماتے !

بھلا صاحب - وہاں اور کیا کیا ہوا - حضرت بڑا اژدھام خلائق کا تھا - تل رکھنے کو جگہ نہ تھی - مجھ کو جانے میں ذرا

دیر ہوگئی تھی - دھوپ میں ذرا تیزی آگئی تھی - عیدگاہ میں پورا فرش تو ہے نہیں - لوگوں کو اتنا مقدور نہیں کہ مصلے خریدیں - ہزاروں آدمی زمین پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے - دھوپ میں بھی بلا کی تیزی تھی - گرد بھی اڑنی شروع ہوگئی تھی - اس وقت میرا پہنچنا لوگوں کو غنیمت ہو گیا - معلوم نہیں اتنے آدمی کہاں سے آمنڈ آئے تھے -

حضرت ان میں ہندو بھی تو بہت ہوں گے -

واہ کیا آپ کا بھی ذہن رسا ہے - ما شاء اللہ عید کی نماز میں اور کہتے ہیں کہ ہندو بھی ہوں گے - اے جناب سب مسلمان تھے اور مسلمانوں ہی کی یہ کثرت تھی ہاں دو چار نوجوان ہندو بھی نہایت عمدہ گھوڑوں پر سنہری روپہلی ساز لگائے ہوئے کارچوبی غاشیہ گھوڑوں پر ڈالے ہوئے نہایت عمدہ و نفیس کپڑے پہنے زمرد و یاقوت اور موتیوں کی مالائیں اور کنٹھے گلے میں ڈالے ہوئے نہایت نفیس سرخ رنگ اور طلائی تلّہ کا چیرہ باندھے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے - دو چار ینگ بنگالی بھی نظر پڑتے تھے - سیاہ نفیس دو اشرفی کا ولایت کا بنا ہوا بوٹ - سفید پتلون اور کالا کوٹ اور دفلیا ٹوپی - ہاتھ میں خوب صورت پتلی سی پھوندنا پڑی چھڑی لیے انگریزی میں غٹ پٹ کرتے لوگوں کو دیکھ کر مسکراتے پڑے پھرتے تھے -

جناب حقیقت میں بڑا بھاری میلہ تھا - آپ نے خوب سیر کی - ثواب کا ثواب کمایا اور تماشے کا تماشا دیکھا - آپ کا دل بہت خوش ہوا ہوگا -

آہ - ایک ٹھنڈی لمبی سانس بھری اور کہا کہ ہاں صاحب ثواب تو ہوا خدا تیسوں روزے اور دونوں دوگانیں اور فطرہ کے گیہوں اور آنے جانے کی ڈگیں سب قبول کرے مگر دل تو خوش نہیں ہوا -

کیوں خیر باشد - کیا امام نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھائی - خطبہ اچھا نہیں پڑھا - نہیں صاحب یہ تو کچھ بات نہیں - امام کم بخت تو ہمیشہ کا بد آواز ہے - جاہل الحمد بھی تو صحیح نہیں پڑھتا نماز پڑھانے میں ادھر آدھر کن آنکھوں سے دیکھتا جاتا ہے کہ کتنے آدمی پگڑیاں لائے ہیں میرے خدمت گار کو تکتا جاتا ہے کہ دوشالہ بھی آ گیا یا نہیں - خطبہ وہ نہیں پڑھتا متولی صاحب پڑھتے ہیں - وہ تو عالم آدمی ہیں اور نہایت خوش آواز ہیں - دور تک آواز جاتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں - کبھی اونچی کبھی نیچی - کبھی موٹی اور کبھی پتلی آواز تو آتی تھی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا - توبہ توبہ خدا معاف کرے کبھی راگ رس خان آلاپتے تھے جس میں صرف آواز ہی آواز ہوتی تھی ویسا ہی سماں معلوم ہوتا تھا -

ارے میاں توبہ کرو توبہ کرو - خطبہ میں تو خدا کے اوصاف نماز روزہ کے احکام - علم و اخلاق کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں - یہ تم نے کیا کہا -

جناب خدا کسوں کچھ جو سمجھ میں آتا ہو لوگ کہتے تھے خطبہ پڑھا جاتا ہے - خطبہ پڑھا جاتا ہے عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے - عربی میں پڑھنا ثواب بتاتے تھے - میں نے کہا کہ ثواب کیا خاک پتھر ہے سمجھ میں تو ایک حرف بھی نہیں آتا لوگوں نے کہا چپ چپ گناہ ہوتا ہے - میں چپ ہو رہا اور متعجب ہوا کہ کہوں سچی بات اور ہووے گناہ - ایسے گناہ سے بھی خدا کی پناہ - مگر جناب مسئلے کی بات میں کون دم مارے - جو بولے وہی کافر ہو -

پھر آپ کا دل کیوں خوش نہیں ہوا ؟ ارے میاں وہاں ہزاروں مسلمان تھے مگر ایک سے ایک بدتر حالت میں - آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں عید کا دن بڑی خوشی کا ہے -

ہر ایک مسلمان اپنے مقدور بھر اچھے سے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ پسنہاری بھی دو دو کوڑی جمع کر کر عید کے لیے اپنے بچے کو نیا جوڑا بنا دیتی ہے لیکن اگر تم جاتے اور مسلمانوں کے غول کو دیکھتے تو اُن کی تباہی کا حال جانتے۔ میاں میں نے ہزاروں پر نظر ڈالی۔ کسی کے گلے میں بجز گزی اور ادھوتر کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ کپڑے تو سب کے دھوئے اور اُجلے تھے مگر ہزاروں آدمیوں کے انگرکھے میں پیوند لگے ہوئے تھے اگر کسی کے گلے میں گزی کا نیا انگا تھا تو یقین جانیے کہ پرانا پاجامہ تھا جس میں چھلنی کے سے چھید تھے۔ جوتے تو کسی کے پاؤں میں ثابوت نہ تھے۔ بہتوں نے رسّی یا چیتھڑے سے باندھ لیے تھے کیوں کہ پاؤں سے نکل نکل جاتے تھے۔ بھلا بڑے بوڑھوں کا کچھ ذکر نہیں بچوں کو عید کے دن اچھے اچھے کپڑے پہننے کا، کھلونوں کے لینے کا بڑا شوق ہوتا ہے کسی بچے کا یکساں لباس نہ تھا۔ اگر سر پر جھوٹے گوٹے کی ٹوپی ہے تو پاؤں میں جوتہ نہیں۔ پاجامہ نیا ہے تو انگا پرانا ہے۔ لنگ لاٹ کا پاجامہ اور دھوتر کا انگرکھا نینوں کا انگا اور گزی کا پاجامہ ہر ایک پر ایسے مبارک اور خوشی کے دن میں بھی نہایت افلاس اور مصیبت برستی تھی۔ کسی کا دل اندر سے خوش نہ تھا۔ ہر ایک غم گین، روتی صورت، بسورتی شکل، تیوری چڑھی ہوئی، ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی، پیادہ پا چلنے سے پسینے میں شور بور، نہایت پریشان و متفکر نظر آتے تھے۔ چند قصائی جو چمڑا چربی بیچتے ہیں اور چند مُلانے جو وعظ کہہ کہہ کر لوگوں کا مال مارتے ہیں اور دو ایک ڈپٹی کلکٹر اور صدرالصدور اور وکیل جو انگریزوں کے صدقے سے روٹی کماتے ہیں آسودہ حال دکھائی دیتے تھے۔ ہاں تین چار مسلمان جو

گھوڑوں کے آگے دوڑتے جاتے تھے وہ بھی آسودہ حال معلوم ہوتے تھے - جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو معلوم ہوا کہ لالہ چھنا مل کے بیٹے سیر کو آئے ہیں اُن کے سائیس ہیں - اُنھوں نے عید سے پہلے کہا تھا کہ مہاراج ہمارا تہوار ہے اگر تنخواہ پیشگی مل جاوے تو بڑی پرورش ہوگی - مہاراج نے روکڑئے کو کہا تھا کہ یہ مُسلا تہوار تہوار پکار رہا ہے آنہ روپیہ بیاج کاٹ کر اس مُسلے کو پیشگی تنخواہ دے دو - سن بے اگر تو دوسرے ظلمی تہوار[1] کو کچھ مانگنے آیا تو ناک کاٹ لوں گا - میں نے سنا ہے کہ دلی کے ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خستہ حالی پر بڑی مہربانی کی ہے اور یہ ٹھہرایا ہے کہ گھوڑوں پر تمام مسلمان سائیس رکھے جاویں -

عیدگاہ کے باہر جو میں نکلا تو ایک غول بھیک منگوں کا نظر پڑا جو دو دو کوڑی مانگتے تھے اور پیچھا نہیں چھوڑتے تھے- بیسیوں مسلمان سڑک پر کپڑا بچھائے بیٹھے تھے اور پکار رہے تھے کچھ خیرات دیتے جاؤ تیسوں روزے قبول - ایک طرف سینکڑوں عورتوں کا غول تھا اور اُن میں بیسیوں برقعہ اوڑھے ہوئے چّلا رہی تھیں کہ اے بیٹا ہم سیدانی ہیں فاطمہ بی‌بی کا دانہ کھانے والی ہیں - اشراف گھرانے کی ہیں، ہم پر مصیبت پڑی ہے - اپنے بال بچوں کا صدقہ - خاتونِ جنت[2] کا صدقہ کچھ دیتا جا - جب تمام قوم کا یہ حال تھا تو مجھ کو عید اور عید میں جانے کی کیا خوشی ہوتی -

---

۱- ظلمی تہوار کا مطلب بقر عید ہے یعنی ہندوؤں کے نزدیک اُس روز بڑا ظلم ہوتا ہے کہ بکرے اور گائیں ناحق ذبح ہوتی ہیں - (اسماعیل)

۲- ''خاتون جنت'' حضرت فاطمہ رضی‌اللہ عنہا کا لقب ہے - (اسماعیل)

بھائی اُس وقت تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُس کافر مرتد سید احمد کی جو علی گڈھ میں آن کر بیٹھا ہے بات یاد آ گئی - بھائی خدا مارے یا چھوڑے - وہ مسلمان ہو یا کرسٹان - مگر کہتا سب سچ ہے - میرے دل میں تو اُس کی سب باتیں بیٹھتی جاتی ہیں - میرا تو کئی دفعہ دل چاھا کہ اُس کے پاس جاؤں اور اُس کے کاموں کی جو مسلمانوں کی قومی ترقی کے لیے کر رہا ہے مدد کروں - مگر جناب مولوی محمد یعقوب آٹھویں خاتم النبیّین پاس حضرت جبرائیل خدا کے پاس سے وحی لائے ہیں کہ وہ تو دجّال ہے - میرے دل سے پوچھو تو ایسے نبیوں سے تو دجّال ہی بہتر ہے -

اجی یہ آٹھویں خاتم النبیّین کیسے ؟ آپ نے نہیں سنا کہ ولوی یعقوب صاحب اور اُن کے ساتھی سات خاتم النبیّین تو زمین کے اوپر اور اندر بتلاتے ہیں اور اب اُن پر وحی آنی شروع ہوئی ہے پھر آٹھویں ہوئے کہ نہیں -

حضرت آپ اتنے کیوں رنجیدہ ہوئے - آپ نے اپنے مسلمان بزرگوں کی اور واعظ مولویوں کی نصیحتیں نہیں سنیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اسی لیے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں بھگتیں - آپ نے سنا ہے کہ دنیا مسلمانوں کے لیے دوزخ ہے اور کافروں کے لیے بہشت - پس جس قدر مسلمان مفلس محتاج تباہ ہوتے جاویں اُتنی ہی خوشی کی بات ہے کہ اب پورے مسلمان ہوئے -

یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور درشتی سے بولے کہ میاں یہ کون کہتا ہے ؟ حضرت مولوی - خفا ہو کر بولے کہ جھوٹے ہیں - تمام دھنے جولاھوں قصابوں سے نذریں لے لے کر مال مارتے ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں - چار چار جورویں کرتے ہیں -

اُن کے لیے گہنے پر گہنا بناتے ہیں مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ دن رات پلاؤ قورمہ خیرات کی روٹیاں کھاتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے دنیا دوزخ ہے۔ جھوٹے مکار یقولون ما لا تفعلون۔ مگر یہ تو بتلائیے کہ آپ نماز کو تو گئے نہیں مگر عید کے دن آپ نے اپنا مکان تو خوب سجایا ہے جناب یہ تو خدا کی عنایت سے ہمیشہ یوں ہی رہتا ہے۔ یہاں تو دن عید و رات شب برات رہتی ہے۔

کیا آپ کے نزدیک عید کے دن کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہے؟ جناب کیوں نہیں مگر جس طرح آپ سمجھتے ہیں اُس طرح نہیں۔

یہ اور ہوئی ہے۔ ہم کس طرح سمجھتے ہیں؟ حضرت آپ تو عید کو یہی سمجھتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان تشریف لے گئے خدا خدا کر کر تیسوں روزے پورے ہوئے۔ دن کو نہ حقہ پی سکتے تھے نہ پان کھا سکتے تھے۔ سستی سے جان تنگ تھی۔ کچھ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جمائیوں پر جمائیاں آتی تھیں۔ ہاتھ پاؤں میں غوث و ابدال کا مرتبہ تھا۔ خدا خدا کر کر وہ دن کٹے لو اب عید کرو۔

جو حضرات مقدس اور خدا پرست ہیں اُنھوں نے ماہ مبارک کو غنیمت سمجھا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے تھے رات کو تراویح پڑھتے تھے۔ شب قدر کی تلاش میں راتوں جاگتے تھے ملے یا نہ ملے۔ دوگانہ پر دوگانہ پڑھ کر ایک ایک کے ستّر ستّر گنتے تھے۔ ثواب کی گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھتے جاتے تھے جیسے کہ تجارت کے موسم میں سوداگر اپنا مال بیچ کر دوگنے چوگنے کما لیتا ہے۔ جب خوب مال یا ثواب جمع ہو لیا تو اب برس بھر کو نچنت ہو لیے اور عید منائی۔ سارے دن کہیں فطرہ گیہوں بٹ رہے ہیں

کہیں اُس کے عوض نقد بھیجا جاتا ہے ، کہیں سویاں بٹ رہی ہیں - پیروں کو - مولویوں کو - واعظوں کو نذریں دی جاتی ہیں - یہ تو آپ کی عید ہے - ایام جاہلیت میں بھی رمضان آتا تھا - اسی مہینہ میں تیس روزے رکھے جاتے تھے - اسی طرح چاند دیکھ روزوں کے ختم ہونے کی خوشی ہوتی تھی - پس آپ کی عید میں اور زمانہ جاہلیت کی عید میں تقصیر معاف ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا -

بھلا صاحب آپ کی عید کس طرح کی ہوتی ہے ؟

طرح کیا میاں سورج نکلا یکم شوال آئی عید ہوئی -

بھلا اپنا خیال تو بتلائیے کہ عید کیا ہے ؟

میاں یکم شوال کا نام عید ہے -

اجی حضرت آپ نے کہا تھا کہ عید خوشی کا دن ہے وہ کیسی خوشی ہے ؟

ہاں آپ یہ پوچھتے ہیں جناب رمضان کے روزوں کا حکم ہے جس نے روزے رکھے اُس نے خدا کے حکم کی اطاعت کی - رمضان کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہوا اس خیال سے تو عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں - ہاں اگر ہم کو یہ خیال ہو کہ برس میں کا یہ وہ پہلا دن ہے جس میں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں - تمام دنیا کے لیے خدا نے میرے پاس رحمت بھیجی ہے - مجھ پر وحی نازل کی ہے اور قرآن اُتارا ہے - ایک خدا کو مانو اور اُسی پر ایمان لاؤ - خدا کے سوا کسی کو مت پوجو تو بلاشبہ یہ اُس اصلی دن کی یادگاری کا جو سنہ ایک نبوی میں آیا تھا دن ہے - اُس کی یادگاری میں ہم کو خدا کا شکر کرنا اور اپنا نیاز بذریعہ دوگانہ نماز کے اُس کی جناب میں ادا کرنا لازم ہے - مگر ابھی تک خوشی کی کوئی بات نہیں ہوئی کیوں کہ یہاں تک

جو خیال میں نے بتایا وہ تو صرف شکر کا تھا نہ خوشی کا۔
اب ہم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس پچھلے برس میں اُس گروہ
کا جس نے اُس پیغمبر رحمۃ للعالمین کی بات کو مانا تھا کیا
حال رہا ۔ اُس کی امانت کو اُنھوں نے کس طرح برتا ۔ اُس کے
مقاصد کو کس طرح پورا کیا ۔ رحمت اور شفقت اور محبت ، سچائی
نیکی ، خدا ترسی ، ہمدردی ، قومی ہمدردی ، رحم ، کرم ،
صبر ، تحمل نے کس طرح اُن کے دلوں میں ترقی کی ۔ تہذیب و
شائستگی میں کس طرح اُنھوں نے قدم بڑھایا ۔ علوم و فنون میں
جو سب سے اعلیٰ ذریعہ قدرت کاملہ صانع حقیقی پر یقین کرنے کا
ہے کیا ترقی کی ۔ اُنھوں نے اپنی حالت ، اپنی عادت ، اپنی عبادت
سے کس طرح دنیا میں اسلام کی صورت کی تصویر بنا کر دکھائی ۔
اگر اس طرح پر گزشتہ سال کا ریویو کرنے سے قوم کی حالت اچھی
معلوم ہو تو عید کا دن خوشی کا دن ہے ورنہ محرم سے بدتر ہے ۔

ظاہری حالت قوم کی جو تھی وہ تو خود آپ نے ہی بتا دی ۔
اگر باطنی حالت قوم کی پوچھو گے تو شیطان بھی پناہ مانگے گا ۔
کینہ و نخوت اپنے تقدس و بزرگی و خدا پرست ہونے کا گھمنڈ
مقدس لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا پائیے گا ۔ اگر دنیا میں شیطان
کو ڈھونڈتے پھرو تو بجز مقدسین کے جبہ و دستار مبارک کے
اور کہیں پتہ نہیں ملے گا ۔ اُن سے اُتر کر جو لوگ ہیں اگرچہ اُن کے
پاس شیطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سب کو کذب وافترا ۔
دغا و نفاق میں بھرا پائیے گا ۔ ہم بچارے دنیا کے کتوں ، کافر ،
مرتد ، دجالوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ۔ پس جب کہ یہ
حالت ہے تو عید کے دن خوشی کیسی ۔ ہر ایک کو جو خدا
اور اُس کے رسول کو اور اُس کی اُمت کو دوست رکھتا ہے اپنے

اپنے گھر میں بیٹھ کر رونا چاہیے - خوشی منانا کیسی -

یہ سن کر میرے خیالی دوست آنسو بھر لائے اور کہا کہ میاں تم کہتے تو سچ ہو پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے - والسلام

اُمید کی خوشی

(تہذیب الاخلاق بابت یکم جمادی الثانی ۱۲۹۰ھ)

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک ، اے آسمان کے تارو ، تمھاری خوشنما چمک ، اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھندلی چوٹیو ! اے پہاڑ کے عالی شان درختو ! اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دل کش بیل بوٹو ! تم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سرسبز کھیتوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو ؟ اس لیے کہ ہم سے بہت دور ہو ۔ اس دوری ہی نے تم کو یہ خوب صورتی بخشی ہے ۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھوں کو بھایا ہے تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے ۔

وہ چیز کیا ہے ؟ کیا عقل ہے ؟ جس کو سب لوگ سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں ۔ کیا وہ ہم کو آئندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں ! اس کا میدان تو نہایت تنگ ہے ۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نیچر تک اس کی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ۔

اور نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوب صورت بیٹی ۔ اُمید ! یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے ۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے ۔ تو ہی ہمارے آڑے وقتوں میں

ہماری مدد کرتی ہے - تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی پاس نظر آتی ہیں - تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں - تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں - تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے لیے نام آوری ، نام آوری کے لیے بہادری - بہادری کے لیے فیاضی ، فیاضی کے لیے محبت ، محبت کے لیے نیکی ، نیکی کے لیے تیار ہے - انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں -

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُس کو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُس کے ساتھ رہی - تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید ہونے نہیں دیا - تو ہی نے اُس موت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا - تو ہی نے اُس کو اُس ذلت سے نکالا اور پھر اُس کو اسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُس کو سجدہ کیا تھا -

اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ھاتھ سے مصیبت اٹھائی اور مار پیٹ سہی - تیرا ہی خوب صورت چہرہ تسلی دینے والا تھا - وہ پہلا ناخدا جب کہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو ُتو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی - تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے - زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی ، جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے -

اے آسمانوں کی روشنی اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید!

تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے - تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے - تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے - عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ھوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے - وھاں کی ٹھنڈی ھوا ، خوش الحان جانوروں کے راگ ، بہتی نہروں کی لہریں اس کے دل کو راحت دیتی ھیں - اس کے مرے ھوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ھیں - تمام فکریں دل سے دور ھوتی ھیں اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ھوتی ھیں -

دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ھوئی ہے اور اس گہوارہ کی ڈوری بھی ھلاتی جاتی ہے - ھاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے - سو رہ میرے بچے سو رہ ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سو رہ - اے میرے دل کی کونپل سو رہ ، بڑھ اور پھل پھول ، تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے ، تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے ، کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آوے ، کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے ، سو رہ میرے بچے سو رہ - میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سو رہ ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ھوگا ، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ھوگی ، تیری شہرت ، تیری لیاقت ، تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا آخرکار ھمارے دل کو تسلی دی گی - تیری ھنسی ھمارے اندھیرے گھر کا اوجالا ھوگی - تیری پیاری پیاری باتیں ھمارے غم کو دور کریں گی - تیری آواز ھمارے لیے خوش آیند راگنیاں ھوں گی ، سو رہ میرے بچے سو رہ - اے ھماری امیدوں کے

پودے سو رہ - بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے - تم ہماری بے جان لاش پاس کھڑے ہو گے - تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولیں گے - تم روؤ گے اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے - اے میرے پیارے رونے والے - تم ہمارے ڈھیر پر آ کر ہماری روح کو خوش کرو گے آہ ہم نہ ہوں گے اور تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے - اپنی ماں کا محبت بھرا چہرہ اپنے باپ کی نورانی صورت یاد کرو گے - آہ ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہو گے - سو رہ میرے بچے سو رہ - سو رہ میرے بالے سو رہ -

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں جب کہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا - مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا اُس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی - آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا - پھر مکتب سے اُس کو سر و کار پڑا - رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑا ہوا سبق غم زدہ دل سے سنانے لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر ہاتھ مونہ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہو گئیں - اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں اور ہماری پیاری اُمید تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے -

دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے - اُس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں سے غائب ہو گیا ہے -

وہ اُس کو ڈھونڈھتا ہے پر وہ نہیں ملتا - مایوس ہے پر اُمید نہیں ٹوٹی - لہو بھرا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے نا اُمید نہیں - فاقوں سے خشک ہے - غم سے زار نزار ہے - روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں - کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک اُمید ہے جس نے اُس کو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے -

دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہہ خانوں میں بند ہے - اُس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے - بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ھاتھ میں قید ہے بڈھے باپ کا غم اُس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے - عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل کو غمگین رکھتی ہے - قید خانے کی مصیبت ، اُس کی تنہائی ، اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بے گناھی کا خیال اُس کو نہایت ھی رنجیدہ رکھتا ہے - اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے - مگر اے ھمیشہ زندہ رھنے والی اُمید - تجھ ھی میں اُس کی خوشی ہے -

وہ دلاور سپاھی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے ، کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے ، ھزاروں خطرے درپیش ھیں مگر سب میں تقویت تجھ ھی سے ہے - لڑائی کے میدان میں جب کہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ھوتی ھیں اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ھوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ھوئی جرأت ھوتی ہے - اور جب کہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاھی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ھو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے - اور جب کہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُس کی نظر کے سامنے ھوتی ھیں اور بادل

کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے - اور جب کہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوت بازو - اور اے بہادری کی ماں - تیرے ہی سبب سے فتح مندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے - اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نغمے کی آواز سنتا ہے -

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے - دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے - اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے یگانوں بے گانوں سے ملتا ہے - ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈھتا ہے - مشکل کے وقت ایک بڑی مایوسی سے مدد مانگتا ہے - جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنھیں کو دشمن پاتا ہے - شہری وحشی بتاتے ہیں - دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں - عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں - بھائی بند عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں :

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں
بھائی سیّد تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں ہاں کر کر محنت اور دل سوزی سے دور رہ کر - بہت سی ہم دردی کرتے ہیں - پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر کر - دل ہر وقت بے قرار ہے - کسی کو اپنا سا نہیں پاتا - کسی پر دل نہیں ٹھہرتا - مگر اے بے قرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت - تو ہی ہر دم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے - تیرے ہی سبب گوہر

مراد کو پاویں گے او ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے مہدی کی پیاری ''آمید'' تو ہمیشہ ہمارے دل کی تسلی رہ -

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی آمید - جب کہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ھے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ھے - ھاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی - رنگ فق ھو جاتا ھے - منہ پر مردنی چھاتی ھے - ھوا ھوا میں ، پانی پانی میں ، مٹی مٹی میں ملنے کو ھوتی ھے تو تیرے ھی سہارے سے وہ کٹھن گھڑی آسان ھوتی ھے -

اس وقت اس زرد چہرے اور آھستہ ہلتے ھوئے ھونٹوں اور بے خیال بند ھوتی ھوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ھوئے دل کو تیری یادگاری ھوتی ھے - تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ھے - تیری صدا کان میں آتی ھے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ھوتی ھے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ھمیشہ رہنے والی خوشی ھوگی ، آمید ھوتی ھے -

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ھو جاتا ھے اس لازوال خوشی کی آمید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ھے - اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ھے - گو کہ موت ھر دم جتاتی ھے کہ مرنا بہت خوف ناک چیز ھے -

او ہماری آنکھوں سے چھپی ھوئی دوسری دنیا جس میں ھم کو ھمیشہ رہنا ھے - جہاں سورج کی کرن اور زمانے کی لہر بھی نہیں پہنچی - تیری راہ تین چیزوں سے طے ھوتی ھے : (۱) ایمان کے توشے - (۲) امید کے ھادی اور (۳) موت کی سواری سے مگر ان سب میں جس کو سب سے زیادہ قوت ھے وہ ایمان کی خوب صورت بیٹی ھے جس کا پیارا نام ''آمید'' ھے -

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے - وہ اپنے آس بے تکلف آنے والے زمانے کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانے کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے سے

بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن ، رفتن ، استادن ، نشستن ، خفتن و مردن

دنیا بامید قائم ہے

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۵ شوال ۱۲۸۹ء)

موجودہ حالت گو وہ کیسی ہی اچھی یا بری ہو ۔ انسان کے دل کے مشغلہ کو کافی نہیں ہوتی ۔ موجودہ رنج و خوشی ، محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں ۔ اس لیے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے پتلے کو اپنے ہاتھ سے اور اپنی ہی مانند بنایا ۔ اُس میں چند اور قوتیں دی ہیں جن کے سبب سے دل کے لیے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ اور ہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیا اور موجود رہتا ہے ۔ اُن ہی قوتوں کے ذریعہ گزری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آئندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے ۔

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد رکھتے ہیں ۔ ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے ۔ جب کوئی موجودہ چیز ہم کو شغل کے لیے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بلا لاتی ہے اور اُسی کے ذکر یا خیال سے ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھانس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکتا ہے تو ایک کونے میں بیٹھ کر پھر اُسی کو پیٹ میں سے نکال کر چبائے جاتے ہیں ۔

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے مشغلہ کو بلا لاتی ہے اسی طرح ایک اور قوت ہے جو آیندہ ہونے

والی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و بیم یا خوف و رجا ہے ۔ انھی دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آئندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونے والی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتی ہیں کہ ابھی ہو رہی ہیں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یہ رنج اُٹھانے لگتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب نہ کی زمین ہوگی نہ آسمان ۔ اور ہر چہار طرف سے لمن الملک الیوم یا آواز آتی ہوگی ابھی خیال کر لیتے ہیں ۔ پھر کون کہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے ۔

میرا ارادہ ہے کہ میں اس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں ۔ ہماری خوشیاں اس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عمدہ اور دل خوش کن چیزوں کا اُن کے ہونے سے پہلے مزہ اُٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بد مزہ ہوتی ۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ ”ہم کو تمام عمدہ چیزوں کے حاصل ہونے کی اُمید رکھنی چاہیے کیوں کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا ہم کو دے نہ سکے ۔“

فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ ”تمنا را عیبے نیست“ ایک ظریف نے کہا کہ دنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیوں کہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے ۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا تم کو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اُس نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مروں کیوں کہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہ ہو اور مجھ

کو اُمید ہے کہ شاید وہ شخص میں ہی ہوں - یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا - مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج ہم سے مٹاتی ہے - اگر ہم کو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بد تر حالت کسی کی نہ ہوتی - زندگی ایک بے جان چیز کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی - اُمید اُس میں حرکت پیدا کرتی ہے - اُمید ہی کے سبب سے انسان میں سنجیدگی اور بردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے - گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے - ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے - محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے - اُمید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے اور اُسی میں محو نہیں ہو جاتے - سیزر نے جب اپنا تمام مال اسباب اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لیے کیا رکھا - اُس نے کہا کہ اُمید - اُس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اُس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا -

اگلے زمانے کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی برا سمجھتے تھے - نقل ہے کہ خدا نے انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا - جب اُس کو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں - اُمید بھی اُسی صندوقچہ میں تھی وہ نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچہ ہی میں بند ہو گئی تا کہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے - پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصاً جب کہ اُمید ایک

عمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو اور ایسی چیز کی ہو جو آمید کرنے والے کو حقیقت میں خوش کر سکتی ہو۔ اس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوش حال آدمی کے لیے بھی زمانہ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عمدہ عمدہ چیزوں کی بہت سی آمیدیں ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہم کو پورا پورا خوش کر سکتی ہیں۔ دینی چیزوں کی آمیدیں دنیوی چیزوں کی آمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیوں کہ اُن میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی بھی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اس قسم کی امیدوں کا خیال ہی ہم کو پورا پورا خوش رکھتا ہے۔ بلاشبہ آمید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اس پر صبر تو ضرور آ جاتا ہے۔ مگر مذہبی آمیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں۔ تکلیف کی حالت میں دل کو سنبھال لیتی ہیں بلکہ اُس کو اس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس آمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی آمید گویا مردہ کو زندہ کر دیتی ہے اور اُس کے دل کو غایت درجہ کی خوشی بخشتی ہے۔ انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور روح اُس بری چیز کے لپک لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے۔ اور آخرکار اس امید کی خوشی میں اس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اُس سے مل جاوے گی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اس مضمون کا گیت گایا تھا۔

”میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں۔ وہ میری

دائیں طرف ہے اِسی لیے میں گھبراتا نہیں - میرا دل خوش ہے - میرا گوشت بھی اسی امید میں رہے گا کہ میری روح کو جہنم میں نہ ڈالے - تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھنے گا - تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلائے گا - تیرے ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے - تیرے ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے - آمین

عیسائیوں اور مسلمانوں میں
باھمی مودّت اور اتحاد

مسلمانوں اور عیسائیوں میں گو اختلاف مذهب هے مگر اگلے زمانے میں باهمی عداوت کا هونا تاریخ سے ثابت نہیں هوتا - قرآن مجید میں تو خود یه آیت موجود هے - " ولتجدن اقربهم مودة للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منهم قسیسین و رهبانا و انهم لا یستکبرون -" یعنی اے پیغمبر تو مسلمانوں کے ساتھ محبت کرنے میں اُن کو سب سے زیادہ قریب پاوے گا جو کہتے هیں که هم نصاریٰ هیں - اس لیے که اُن میں عالم اور درویش هیں وہ تکبر نہیں کرتے - (مائده - ۸۵) -

سرولیم میور اپنی کتاب میں جو خلفائے راشدین کے حال میں لکھی هے - لکھتے هیں که خود رسول خدا صلی الله علیه وسلم نے مسیحی قبائل سے عهد نامے کیے تھے - جن میں آپ نے عیسائیوں کی حفاظت کا اور ان کو ان کے مذهب میں آزاد رهنے کا اور پادریوں کے پرانے حقوق اور اختیارات کے بحال رهنے کا وعدہ فرمایا تھا - علاوہ اس کے عیسائی بھی مسلمانوں کے ساتھ هر طرح سے معاشرت اور معاونت میں شریک رهتے تھے -

۱۳ هجری میں جب جسر کے مقام پر لڑائی هوئی - جس میں مسلمانوں کا سپه سالار مثنیٰ بن حارثه تھا - اس لڑائی میں مسلمانوں

کو کچھ دقت پیش آئی ۔ تو اس وقت قبیلہ بنی طے کا ایک عیسائی سردار مسلمان سپہ سالار کے پاس آیا اور دریا کے پل کی حفاظت کی ۔ تا کہ عرب بسہولت اس پل سے اُتر جائیں ۔ اور جب کہ دوبارہ فوج کشی ہوئی ۔ تو بنی نمر کے قبیلے کا ایک عیسائی سردار جو رومیوں کی حد میں رہتا تھا ۔ کمک کے طور پر لشکر اسلام میں آ کر شامل ھوا اور اسی سن میں جب یوھب کی لڑائی ہوئی ۔ تو اسی قبیلہ بنی نمر کا عیسائی سردار دشمنوں پر دھاوا کرنے میں مسلمانوں کا شریک ھوا اور مسلمانوں کے سردار اور اُس عیسائی سردار نے شامل ہو کر دھاوا کیا اور اسلام کی فتح ہوئی ۔ میور صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھتے ھیں ۔ کہ اس معرکہ میں جو شجاعت کے کام ہوئے ۔ ان سب میں بڑھ کر ایک مسیحی نوجوان کا کام تھا ۔ جو اپنی بدوؤں کی ایک قلیل جماعت لے کر اسلام کے لشکر میں اس وقت داخل ہوا ۔ جب کہ خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ۔ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مخالفوں سے لڑا اور اپنے گھوڑے کو دوڑا کر دشمنوں میں گھس گیا اور مخالف لشکر کے سردار کو قتل کیا ۔ اور پھر اپنے گھوڑے کو دوڑا کر مسلمانوں کے لشکر میں پکارتا ھوا داخل ہوا کہ بنی تغلب میں سے ہوں اور میں وہ ہوں ، جس نے دشمن کے سردار کو قتل کیا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کی نسبت جو عیسائی تھے حکم دیا کہ اُن پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے اور وہ اپنے مذھب کی پیروی میں بالکل آزاد رھیں ۔ جزیہ جو عیسائیوں سے لیا جاتا تھا بنی تغلب اس کا ادا کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے ۔ اس لیے اُنھوں نے درخواست کی کہ اُن سے بھی اس طرح پر محصول لیا جاوے ۔ جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ھے

اور حضرت عمرؓ نے اُن کی درخواست منظور کر لی ۔

سر ہنری لیرڈ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ گر کے قریب جو بحیرۂ لوط کے مشرق میں ہے ۔ ان کا گزر ایک خیمہ گاہ میں ہوا جو عیسائی عربوں کا تھا اور یہ عیسائی عرب لباس اور آداب معاشرت میں مسلمان عربوں سے کسی بات کا فرق نہ رکھتے تھے ۔ مسٹر برخارت جو ایک نہایت نامی عیسائی سیاح ہیں لکھتے ہیں ۔ کہ پلاٹرا کے قریب بارہ سو آدمی رہتے ہیں ۔ جن میں سے نصف عیسائی ہیں ۔ جو اپنے مسلمان ہمسایوں کے ساتھ نہایت درجہ کے ملاپ سے رہتے ہیں اور مسلمان بدوؤں کا لباس پہنتے ہیں ۔ کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں کوئی ظاہرا تمیز نہیں ہو سکتی ۔ بنو غسّان جو عیسائی ہیں ۔ وہ اب تک اپنی عبادات میں عربی زبان کا استعمال کرتے ہیں ۔

ہرقل کی جب شکست ہوئی اور اس کی فوج شہر حمص کے قریب آئی ۔ تو شہر والوں نے جو عیسائی تھے ۔ فصیل کے دروازے بند کر لیے ۔ اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمھاری حکومت اور تمھارے انصاف کو یونانیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں ۔

یہ تو اگلے زمانے کا حال ہے ۔ مگر ہم اس زمانے میں دیکھتے ہیں کہ جو عیسائی مسلمان سلطنتوں میں رہتے ہیں ۔ ان کے اور ان کے ہمسایہ مسلمانوں میں کسی قسم کی مذہبی عداوت نہیں ہے ۔ آپس میں سوشل برتاؤ نہایت خوبی سے ہے ۔

عیسائیوں اور مسلمانوں میں مذہبی عداوت ہو ہی نہیں سکتی ۔ کیوں کہ مذہب کی رو سے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ ہر قسم کی معاشرت کی کھانے پینے میں ہو یا شادی بیاہ میں سوائے چند جزئی اور خفیف باتوں کے عام طور پر اجازت ہے ۔ مسلمانوں کی

تاریخ میں سوائے چند متعصب اور ناعاقبت اندیش بادشاہوں مثل متوکل باللہ وغیرہ کے ایسے بادشاہوں کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں - جنھوں نے عیسائیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا - اُن کے مذہبی رسوم اور مذہبی حقوق میں دخل اندازی نہیں کی اور ٹھیک اُسی طرح برتاؤ کیا - جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا تھا -

مذہب اسلام نہایت وسیع مذہب ہے - جس میں تحمل اور ادب کا حکم ہے - تمام پیغمبر خواہ ان کو یہودی مانتے ہوں یا عیسائی ، اُن سب کو تسلیم کرتا ہے اور اُن کی تعظیم کرتا ہے اور اُن مذہب کے لوگوں کے ساتھ ٹالریشن کا حکم دیتا ہے - بلکہ جب وہ بلند آواز سے پکارتا ہے کہ کوئی ملک اور قوم ایسی نہیں ہے - جس میں خدا کے کسی پیغمبر نے اُس کی حجت کو پورا نہ کیا ہو - تو کون شخص شبہ کر سکتا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ کسی موقع پر بھی مسلمانوں کو سختی کرنے کا صراحةً یا اشارتاً حکم دیا گیا ہے اور کون شخص ہے جو بعض ظالم مسلمان حکمرانوں کی بے جا متعصبانہ سختیوں کے لیے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں سے جواز کا فتویٰ نکال سکتا ہے - بلکہ میں پھر کہتا ہوں کہ مذہب اسلام خاص کر عیسائیوں کے ساتھ اور عیسائیوں کے پیغمبر اور بزرگوں کے ساتھ تحمل اور ادب و تعظیم کی تعلیم دیتا ہے -

سوائے مذہب اسلام کے دنیا میں اور کون سا مذہب ہے - جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور اُن کی ہدایات کا ایسا ادب کیا ہو - اور ایسی عزت کی ہو - جیسی کہ مسلمان کرتے تھے اور کرتے ہیں - اور ان کو نبی برحق اور رسول خدا کا مانتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ ہم میں اور عیسائی مذہب میں جو

کلمۃ الحق ہے وہ ایک ہی ہے - اور اس میں کچھ فرق نہیں - کہ خود خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے - ”یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکما لا تعبد الا اللہ -“ یعنی اے عیسائیو ایک بات پر آ جاؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنے کے - پس دنیا میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے - جو حضرت عیسیٰؑ کو رسول برحق اور مرسل من اللہ مانتا ہو - مسلمانوں نے مذہب کی بنا پر جو کچھ عیسائیوں سے چاہا ہے - وہ صرف یہی بات ہے - کہ ہم اور تم دونوں مل کر ایک خدا کی عبادت کریں -

خود عیسائی مذہب میں مختلف فرقے ہیں - جو مسئلہ تثلیث اور اقانیم ثلاثہ کی نسبت اس امر میں مختلف الرائے والاعتقاد ہیں - کہ ان اقنوموں کا ظہور کس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مبارک میں ہوا تھا - مسلمان بھی یقین کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں - خود قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے - ”انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ' القاھا الی مریم و روح منہ -“ یعنی حضرت عیسیٰ خدا کا کلمہ ہے - جو مریم میں ڈالا گیا اور اس کی روح ہے - بایں ہمہ مسلمان مثل یونیٹرین کے جو ایک فرقہ عیسائیوں کا ہے - لا الہ الا اللہ پر یقین کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو بندہ اور خدا کا رسول جانتے ہیں - پس جو اختلاف کہ مسلمانوں کی مذہب کی راہ سے ہے - وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود عیسائی فرقے اس میں مختلف ہیں -

نہایت نالائق ہیں - وہ عیسائی جو مذہب اسلام اور بانی اسلام کی نسبت نعوذ باللہ کلمات توہین استعمال کرتے ہیں اور نہایت نا لائق ہیں وہ مسلمان جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یا آن کے اصلی

مذہب کی نسبت ایسے ہی کلمات استعمال میں لاتے ہیں۔

مذہب کی رو سے اور اس برتاؤ سے جو اس وقت بھی مسلمان عیسائیوں سے کرتے ہیں۔ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کوئی مذہبی عداوت نہیں ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ عیسائی مسلمانوں کے ساتھ یا مسلمان ازروے مذہب کے عیسائیوں کے ساتھ مذہبی عداوت رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک محض غلط اور سر تا پا ناواجب ہے۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان اور عیسائیوں میں لڑائیاں ہوئیں اور مخالفتیں بھی پیدا ہوئیں اور عداوتیں بھی ہوئیں۔ مگر ان کی بناء پولٹیکل امور پر مبنی تھی۔ پولٹیکل امور پر لڑائی جھگڑوں، فسادوں اور عداوتوں کا ہونا کچھ غیر مذہب یا غیر قوم پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ پولٹیکل امور ایسے ہوتے ہیں۔ کہ آپس میں ایک قوم اور ایک مذہب کے لوگوں میں لڑائیاں اور عداوتیں ظہور میں آتی ہیں۔ سینکڑوں لڑائیاں آپس میں مسلمانوں کی انھیں پولٹیکل امور کے سبب سے ہوتی ہیں۔ اسی طرح باہم عیسائیوں کے اور آپس میں ایک ہی قوم کے انھیں پولٹیکل امور کے سبب سے بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر جب یہ لڑائیاں ایسے لوگوں میں واقع ہوتی ہیں۔ جن کا مذہب بھی مختلف ہوتا ہے۔ تو ان میں مذہبی جوش کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں نے جنگ صلیبی میں جو ایک پولٹیکل یا قومی لڑائی تھی۔ مذہب عیسوی کے جوش کو بھی شامل کر لیا تھا۔ جو صلیبی جہاد کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی جب دوسرے مذہب والوں سے لڑائی کی تو مذہبی جوش کو اس میں شامل کر لیا۔

۱۸۵۶ء میں ترکوں اور روسیوں سے لڑائی ہوئی۔ تو انگریز اور فرانس سلطان ترکی کے طرف دار ہوئے اور برابر نہایت بہادری

اور عمدگی سے سلطان ترکی کے طرف دار ہو کر روسیوں سے لڑے - پس یہ تمام کارروائی بجز پولٹیکل امور کے کسی دوسرے امر پر مبنی تصور نہیں ہو سکتی -

۱۸۷۶ء میں جب دوبارہ ترکوں اور روسیوں سے لڑائی ہوئی - اس وقت فرانس کو وہ شان و شوکت جو زمانہ بادشاہت میں تھی نہیں رہی تھی - اور ری پبلک کو قائم ہوئے بہت تھوڑا زمانہ گزرا تھا - اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ روسیوں کے مقابلے میں ترکوں کی مدد کرے - انگریزوں نے بھی کسی مصلحت ملکی سے تنہا بلا شمول کسی دوسری سلطنت کے ترکوں کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ شامل ہوکر روسیوں سے لڑنا مناسب نہیں سمجھا اور صرف ترک روسیوں سے لڑتے رہے - آخیر کو انگریز اور اور سلطنتیں بیچ بچاؤ کرنے کو پڑیں - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ملک سلطان کے قبضے سے نکل گئے - مگر یہ تمام کارروائی پولٹیکل امور پر مبنی تھی نہ مذہبی عداوت پر -

حال کے زمانے میں جو آرمینیا والوں نے بغاوت اور شرارت کی اور یونانیوں نے سر اٹھایا - جس کی سزا وہ پا رہے ھیں اور خدا نے چاھا تو اپنے کیے کی اور سزا پاویں گے - اس فساد کو مذھبی عداوت پر مبنی کرنا محض غلطی اور سراپا دھوکا ھے - بلکہ در حقیقت یہ بھی پولٹیکل امور پر مبنی ھے - جس کے سبب سے آرمینیا والوں نے بغاوت کی اور یونانی جنگ پر آمادہ ھوئے - ھاں ان فسادات کے ساتھ جیسا کہ ھم نے اوپر بیان کیا - آرمینیا والوں اور اُن کے مغویوں نے اور یونانی اور اُن کے طرف داروں نے مذھبی جوش کو بھی شامل کر لیا - جو محض ایک جھوٹا بہانہ ھے - اگر ھم تسلیم کر لیں کہ سلطان کی عمل داری میں انتظام نہایت خراب ھے اور آرمینیا والوں نے

اس خراب انتظام کے سبب سے بغاوت کی ہے تب بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی ۔ کہ یہ فساد مذہبی عداوت کے سبب سے نہیں ہوا بلکہ بد انتظامی کے سبب سے ہوا اور یہ کہنا کہ سلطان کی عمل داری میں عیسائیوں پر ظلم ہوتا ہے ۔ ایسا جھوٹ ہے جس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا ۔ عیسائی ، سلطان ترکی کی عمل داری میں نہایت مذہبی آزادی سے رہتے ہیں اور جتنی رعایتیں اُن کے ساتھ کی جاتی ہیں ، مذہبی آزادی جو ترکوں کی عمل داری میں عیسائیوں کو حاصل ہے کسی عمل داری میں عیسائیوں کو حاصل نہیں ۔ سلطان ان کے مذہبی مراسم میں مطلق دست اندازی نہیں کرتا بلکہ ان کی خواهش پر ان کے لیے بشپ یعنی سردار مذهب مقرر کرتا ہے اور جو اعزاز کے درجے سلطنت ترکی میں ہیں ۔ وہ سب اُن کو عطا فرماتا ہے ۔ خود عیسائی سلطنتوں میں اُن عیسائیوں کو جو اس چرچ کے نہیں ہیں ، جس چرچ کی سلطنتیں ہیں ، ایسی مذہبی آزادی نہیں ہے جیسی کہ سلطان کی عمل داری میں تمام عیسائیوں کو خواہ کسی چرچ کے ہوں ، حاصل ہے اس وقت جو لڑائی یونان اور ترکی میں ہو رہی ہے ، تمام عیسائی سلطنتیں خاموش ہیں اور کسی سلطنت نے یونان کی مدد نہیں کی ہے اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ آخر کو عیسائی سلطنتوں کو جو ترکی کے اردگرد ہیں بیچ بچاؤ کرنے اور صلح کے ہو جانے میں بالاتفاق دست اندازی کرنی پڑے اور معلوم نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہو ۔ ترکی کے مفید یا یونانیوں کے مفید ۔ مگر اس سب کی بنا پولٹیکل امور پر مبنی ہوگی نہ مذہبی امور پر ۔ پس نہایت افسوس ہے کہ مسلمان یا عیسائی ان ملکی فسادوں کو مذہبی لباس پہنا کر لوگوں کو مشتعل اور برانگیختہ کریں ۔ جس سے سراسر ان لوگوں کا نقصان ہے جو ایسی باتوں سے مشتعل ہوں اور ملکی امور کو

مذھبی لباس پہنا کر مذھب مذھب پکاریں اور ایسا کرنے سے بجز اس کے کہ اُن کی حماقت ثابت ھو اور ھونا کیا ھے؟ بجز اس کے کہ اُن کی حماقت سے انھیں کے اھل مذھب کا کچھ نہ کچھ نقصان ھو اور کچھ نتیجہ نہیں - اس میں کچھ شک نہیں کہ ترکی ایک مسلمانی سلطنت ھے اگر اس کو واجبی خواہ ناواجبی کچھ نقصان پہنچے تو یہ ایک قدرتی امر ھے کہ ھم مسلمانوں کو نہایت دلی رنج ھوگا اور یہ بات ترکی پر ھی موقوف نہیں ھے اگر ایران کی سلطنت کو ، مراکو کی سلطنت کو افغانوں کی سلطنت انھیں کی نادانی اور حماقت اور بد نظمی سے کچھ نقصان پہنچے تو بھی ھم مسلمانوں کو قدرتی رنج ھوگا اور یہی حال تمام قوموں کا ھے کہ اپنی اپنی قومی سلطنت کے زوال یا نقصان سے رنج ھوتا ھے - پس ان سے زیادہ ان واقعات کو وقعت دینا اور مذھبی لباس پہنانا محض بیجا اور ناواجب ھے - مسلمانوں میں ایک مدت دراز سے بلحاظ نسل اور ملک کے ایک قوم ھونے کا اطلاق بہت کم ھو گیا ھے - بلکہ صرف مسلمان ھونا قومیت کی علامت ھو گیا ھے اور ”کل مومن اخ“ کا خیال تمام ملک کے مسلمانوں کو ایک قوم بناتا ھے - اس لیے وہ ھر ایک ملک کے مسلمانوں کو اپنی قوم سمجھتے ھیں اور اس کی خوشی سے خوش اور اس کے رنج سے رنجیدہ ھوتے ھیں اور اس لیے ھم کو ، اگر خدا نخواستہ ترکوں کو نقصان پہنچے تو مثل قومی نقصان کے رنج ھوگا گو وہ نقصان کسی پولٹیکل سبب سے ھی ھو -

ہندو اور مسلمانوں میں ارتباط

جس قدر سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و ارتباط ہندو اور مسلمانوں میں ترقی پکڑتا جاوے۔ ہم کو نہایت خوش گوار معلوم ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی آریہ قومیں بھی خاص ہندوستان کی رہنے والی نہیں ہیں۔ دوسرے ملکوں سے آ کر ہندوستان میں فتح مندی کے ساتھ آباد ہوئی ہیں۔ ان کے ہندوستان میں آباد ہونے کو زمانہ کثیر گذر گیا جس کے سبب وہ ہندوستان کے متوطن اور ہندوستان کے رہنے والے ہندو کہلائے۔ مسلمانوں کو بھی ہندوستان میں آئے ہوئے کچھ کم زمانہ نہیں ہوا۔ اُن کی بھی متعدد پشتیں ہندوستان ہی کی زمین پر گذری ہیں۔ بہت سے ایسے مسلمان ہیں جن میں آریاؤں کے خون کا میل ہے بہت سے ایسے ہیں جو خالص آریہ کہلائے جا سکتے ہیں۔ صدیاں گذر گئیں کہ ہم دونوں ایک ہی زمین پر رہتے ہیں۔ ایک ہی زمین کی پیداوار کھاتے ہیں۔ ایک ہی زمین کا یا دریا کا پانی پیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی ہوا کھا کر جیتے ہیں۔ پس مسلمانوں اور ہندوؤں میں کچھ مغائرت نہیں ہے جس طرح آریہ قوم کے لوگ ہندو کہلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جا سکتے ہیں۔ ہم نے متعدد دفعہ کہا ہے کہ ہندوستان ایک خوب صورت دلہن ہے اور ہندو اور مسلمان اُس کی دو آنکھیں ہیں۔ اُس کی خوب صورتی اس میں ہے کہ اُس کی دونوں آنکھیں سلامت و برابر رہیں۔ اگر اُن میں سے ایک برابر نہ رہی تو وہ

خوب صورت دلھن بھینگی ھو جاوے گی اور اگر ایک آنکھ جاتی رھی تو کانی ھو جاوے گی - ھم دونوں کی سوشل حالت قریب قریب ایک ھی سی ھے - بلکہ بہت سی عادتیں اور رسمیں ھم مسلمانوں میں ھندوؤں کی آ گئی ھیں - پس جس قدر ان دونوں قوموں میں زیادہ تر محبت ، زیادہ تر اخلاص ، زیادہ تر ایک دوسرے کی امداد بڑھتی جاوے اور ایک دوسرے کو مثل بھائی کے سمجھیں - کیوں کہ ھم وطن بھائی ھونے میں تو کچھ شبہ نہیں - اسی قدر ھم کو خوشی ھوتی ھے -

اس زمانہ میں تین باتوں سے محبت و اخلاص کا علانیہ ثبوت دیا گیا ھے -

سب سے اول یہ بات ھے کہ ان دنوں میں سلطان (روم) کی یونان پر فتح ھونے کی اکثر جگہ مسلمانوں نے خوشی کی اور مجلسیں آراستہ کیں شہر میں چراغاں روشن کیے - سلطان کو مبارک باد کے تار بھیجے - ھم نے سنا ھے کہ دکن کے ھندوؤں نے بھی اسی طرح خوشی منائی اور سلطان کو مبارک باد کے تار بھیجے - جو کافی ثبوت دونوں قوموں میں اخوت کا ھے - دوسری بات یہ ھے - کہ ھم نے سنا ھے کہ بریلی میں ھندو مسلمانوں نے نہایت خوبی سے ایک دوسرے کی محبت کا ثبوت دیا ھے - یعنی بقر عید کے روز مسلمانوں نے گائے کی قربانی نہیں کی - بلکہ ھندوؤں کی خاطر سے بکرے اور بھیڑوں کی قربانی کی اور ھندوؤں نے بھی اس بات کا خیال اٹھا لیا کہ کوئی مسلمان گائے کی قربانی کا خیال کرتا ھے - یا بکرے بھیڑی کی - اور ھندوؤں نے محرم کے زمانہ ھیں سبیلیں لگانے اور مسلمانوں کے ساتھ غم میں شریک ھونے کا اقرار کیا ھے ھماری بھی مدت سے یہی رائے ھے - کہ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے سے آپس میں ھندو اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت قائم ھو-

تو گائے کی قربانی نہ کرنا اس کے کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے - تیسری بات یہ ہے - کہ سول ڈویژن مانک پور گنج ضلع ڈھاکہ میں ایک مسجد بنانے کی ضرورت ہے اور اُس مسجد کی تعمیر کے لیے روپیہ جمع کرنا چاہیے اس کے لیے ہندو اور مسلمان دونوں نے شامل ہو کر کمیٹی بنائی اور ہندو و مسلمان مل کر اس کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مسلمان زیادہ غریب اور زیادہ ذلیل ہیں - اس لیے ہندو اُس مسجد کی تعمیر کے لیے زیادہ کوشش کر رہے ہیں - ہم اس محبت اور ہمدردی اور باہمی بھیا چارہ پر جو ہندوؤں نے ظاہر کی ہے - دونوں قوموں کو مبارک باد دیتے ہیں - ہماری رائے میں جس طرح کہ اختلاف مذہب جیسا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں ہے - سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و اخلاص اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں ہو سکتا - اسی طرح پولٹیکل امور کا اختلاف بھی سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و اخلاص اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں ہے - اس زمانہ میں ہندو اور مسلمان دونوں گورنمنٹ انگلشیہ کی رعایا ہیں اور اُس کے سایہ عاطفت میں ہر قسم کی خوشی اور امن و آزادی سے بسر کرتے ہیں - لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں - کہ دونوں قوموں کے باہم پولٹیکل امور میں اختلاف رائے ہے - ہندو اُس پولٹیکل پالیسی کے طرف دار ہیں - جو کانگرس کے اعلیٰ ممبروں یا اُس کے حامیوں اور طرف داروں کی ہے اور جس کا ہر سال مختلف مقامات میں کانگرس کے نام سے اعلان کیا جاتا ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے - مسلمان اس پالیسی کے برخلاف ہیں - لوگ اُن پر اتہام لگاتے ہیں - کہ گورنمنٹ کے خوشامدی ہیں - لیکن یہ اتہام غلط ہے - بلکہ مسلمانوں کے نزدیک ملک کے انتظام اور امن میں اُس پالیسی سے

خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اور کسی طرح وہ پالیسی ہندوستان کی حالت کے مناسب نہیں ہے - پس اس اتحاد و یک جہتی سے جو اُس وقت ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ ظاہر کی ہے - اگر یہ مقصود ہو کہ مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ کانگرس میں اور اُن کی پالیسی میں شریک ہو جائیں گے - تو ہمارے نزدیک اس مقصد کا حاصل ہونا محالات سے ہے اور ملک کے انتظام اور امن میں نہایت خلل ڈالنے والا ہے - گو بعض ناعاقبت اندیش اور امور مملکت سے ناواقف اور ناشدنی باتوں پر یقین کرنے والے مسلمان ہندوؤں کی پالیسی میں شریک اور کانگرس کے جلسوں میں شامل ہو جاویں - مگر عموماً مسلمان اُس میں شریک نہیں ہو سکتے - بلاشبہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم اختلاف مذہب سے قطع نظر کر کے ہندو مسلمانوں میں دوستی و محبت و یگانگت اور آپس میں ہمدردی کا برتاؤ چاہتے ہیں - اسی پولٹیکل اختلاف رائے سے بھی قطع نظر کر کے سوشل امور میں باہم دوستی و محبت و ہمدردی و بھائی بندی کا برتاؤ چاہتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں - کہ اس زمانہ میں جو غیر معمولی طریقہ پر ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ بھائی بندی و ہمدردی کا اظہار کیا ہے - وہ ایک دھوکا مسلمانوں کو کانگرس میں شامل کرنے کا نہیں ہے - بلکہ سچی بھائی بندی - سچی ہمدردی اور سچی ہم وطنی کا سبب ہے اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں - کہ ایسا ہی ہو اور ہم دونوں قوموں میں نہایت محبت و اخلاص سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایۂ عاطفت میں اپنی زندگی نہایت وفاداری سے بسر کریں اور ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصر انڈیا کی سلامتی اور درازی سلطنت کی دعا کرتے رہیں - جس کی بے نظیر سلطنت کے ساٹھویں سال کا جلوس عنقریب جشن ہونے والا ہے -

---

"ہمارے بعد ہمارا نام رہے گا"

یہ ایک نہایت لغو اور بے ہودہ خیال ہے جس کا کچھ نتیجہ سمجھ میں نہیں آیا ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت لوگ اس لغو خیال میں مبتلا ہیں ۔ کوئی اولاد چاہتا ہے کہ (اُس کے ذریعہ) اُس کا نام چلے ۔ کوئی محل بناتا ہے کہ اُس کے بعد اُس کا نام قائم رہے ۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اس سے فائدہ کیا ہے ؟ اگر اُس کے بعد لوگوں نے کہا کہ یہ قلعہ اکبر کا بنایا ہوا ہے اور وہ قلعہ شاہ جہاں کا ۔ تو اس سے مرنے والے کو کیا فائدہ ؟ مرنے والا تو مر گیا ۔ اپنی کرنی اپنی بھرنی اپنے ساتھ لے گیا ۔ اب لوگ کچھ ہی کہا کریں ۔ جو ہونی تھی وہ ہوگئی ۔ سعدی فرماتے ہیں ؎

زندہ ست نام فرخ نوشیرواں بہ عدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

اس شعر کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ نوشیرواں کے بعد لوگ کہا کرتے تھے کہ نوشیرواں بہت عادل تھا ۔ مگر یہ نہ کھلا کہ اس سے نوشیرواں کو کیا فائدہ ہوا ؟ پس لوگوں کو جو یہ تمنا ہوتی ہے کہ ہمارے بعد ہمارا نام قائم رہے ۔ یہ کیوں ہوتی ہے ؟ اور اس سے اُن کو کیا فائدہ ہوتا ہے ؟ ہمارے نزدیک تو یہ محض خیال خام ہے اور انسان کے بودے پن کی دلیل ہے ۔ انسان کو یہ خیال رہنا چاہیے کہ میں کوئی ایسا کام کر جاؤں جس سے انسانوں کو (اور) قوم کو فائدہ پہنچتا رہے ۔ مثلاً کسی

علم کا ایجاد کرنا ، کسی ہنر کا پیدا کرنا یا کوئی ایسی بات ایجاد کرنا جو لوگوں کو فائدہ مند ہو ۔ یہ خیال بہت صحیح ھے ۔ کیوں کہ اپنی ذات کے واسطے نہیں ھے ۔ خصوصاً جب کہ وہ ذات بھی فنا ھو جائے ۔ بلکہ زندہ لوگوں کے لیے ھے اور ایسوں کے لیے ھے جن کا سلسلہ برابر قیامت تک جاری رھے گا ۔ پس ھمارے خیال میں اس سے زیادہ انسان کے لیے کوئی بے وقوفی نہیں ھے جو یہ خیال کرے کہ میں ایسا کام کر جاؤں جس سے میرے بعد میرا نام جاری رھے ؎

گزشتم از سرے مطلب تمام شد مطلب
حجاب چہرۂ مقصود بود مطلبہا

خیر دائم

(تہذیب الاخلاق جلد اول نمبر ۵ بابت ۲۰ ذی قعدہ ۱۲۸۷ھ)

غالباً تمام دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی بلا شبہ نیک ہے اور اس لیے اس بات کا ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ نیکی ہو۔

انسانوں میں نیک وہی ہوگا جس نے بہت سی نیکیاں کی ہوں گی۔ مگر سب سے زیادہ نیک وہی ہوگا جس نے ایسی نیکیاں کی ہوں جو سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ ہوں۔

مسلمانوں کے عقائد کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام نیک ترین بندگان خدا ہیں اور اس لیے ضرور ہے کہ وہ ایسی نیکیوں کے منبع یا مخزن ہوں جو تمام نیکیوں سے اعلیٰ اور افضل ہوں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ اس لیے ہر ایک انسان کو ایسی نیکی کی جو ہمیشہ رہنے والی ہے تلاش اور تجسس لازم ہے۔

بعضوں نے پل اور مسجد، چاہ و مہمان سرائے چندہ روزہ رہنے والی چیزوں کو خیر دائم سمجھا اور بہت بڑی غلطی کی۔ کیوں کہ یہ تمام چیزیں ادنیٰ حوادث سے فنا اور معدوم ہونے والی ہیں۔ اب کہاں ہے وہ چاہ یوسف[۴] اور کہاں ہے وہ مسجد اقصیٰ۔ سب معدوم ہو گئیں اور اسی طرح ہزاروں بنیں گی اور معدوم ہوں گی۔

نہایت فہمیدہ اور دقیقہ رس لوگوں نے خیر و خیرات میں زھد و

تقویٰ اور عبادت کو خیر دائم خیال کیا ـ مگر اس کی صحت بھی مشتبہ ہے ـ تمام اعمال حسنہ آنکہ موندی اور منقطع ہوئے ـ جب کہ انسان موت کی خواب راحت میں استراحت فرماتا ہے تو تمام اعمال حسنہ کا انقطاع ہو جاتا ہے ـ زاھد کی تسبیح ھمہ تن دانہ اشک بن کر روتی ہے کہ وہ کیا ھوا جو مجھ کو شمار وظائف سے زندہ رکھتا تھا ـ مصلّی محراب مسجد میں چت پڑا ھائے ھائے کرتا ہے کہ وہ کہاں ہے جو اپنی پیشانی سے مجھ کو جان تازہ بخشتا تھا ـ منبر فراق واعظ سے دل شکستہ ہے کہ میرا واعظ کہاں ہے ـ ملائکہ مقربین جو اُس کے ذکر و شغل کی مجلس کی خیر و برکت لینے کو آتے تھے اُس کی تلاش میں سرگردان ھیں اور یہ یک مشت خاک ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے پڑے ھیں نہ اپنی کچھ کہتے ھیں اور نہ کسی کی سنتے ھیں صرف زبان حال اُن میں باقی ہے سو وہ یہ کہتی ہے کہ جو ھونا تھا سو ھو لیا اور جو کرنا تھا سو کر لیا ـ

غرض کہ ھر ایک قسم کی نیکی کو جب خیال کرو گے تو وہ اُسی شخص کی ذات پر منحصر ھوگی اور اُس کی فنا کے ساتھ ھی منقطع ھوگی اس لیے زھد و تقویٰ، عبادت و سخاوت خیر دائم نہیں ھو سکتی ـ

اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک ٹھیک سمجھا جاوے تو بجز رفاہ عام اور انسان کی بھلائی چاھنے کے اور کوئی نیکی خیر دائم نہیں ہے انسان کی بھلائی نہ نیکی کرنے والے کی موت سے ختم ھوتی ہے اور نہ اُس زمانے کے انسانوں کے فنا ھونے سے فنا ھوتی ہے بلکہ نسل در نسل اور پشت در پشت آیندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیام دنیا تک قائم رھتی ہے اور اس لیے صرف وھی ایک نیکی ہے جس کو خیر دائم کہہ سکتے ھیں ـ

یہی نکتہ تھا جس کے سبب خدا تعالیٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیأ علیہم الصلواۃ و السلام کو دی تاکہ برترین بندگان خدا نیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن ہوں اور خیر دائم اُن سے باقی رہے پس انسان کی بھلائی میں سعی کرنا انبیا کا ورثہ لینا ہے اور تمام نیکیوں میں سے افضل اور اعلیٰ نیکی کا اختیار کرنا۔ پس فلاح عام کے کاموں کو عبادات دینی میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل ہی کو عبادت سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

• یہ خیر دائم جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اور بھی زیادہ نیک تو اُس وقت ہو جاتی ہے جب کہ اُس کی ضرورت ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں اور بالتخصیص مسلمانوں کے لیے اس کی بہت ضرورت ہے اور اس لیے میری خواہش مسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و تقویٰ ہی پر تکیہ نہ فرماویں اور صرف ادائے زکواۃ و نماز ہی پر قناعت نہ کریں بلکہ تھوڑا سا وقت اور دو چار درم رفاہ و فلاح حال مسلمانان کے لیے بھی نکالیں اور خیر دائم کی نیکی کو بھی حاصل کریں کہ صرف یہی ایک نیکی ہے جو ہمیشہ رہے گی۔

زاهد اور فلاسفر کی کہانی

اور

دو سلطنتوں کا مقابلہ

(تہذیب الاخلاق (دور سوم) جلد اول نمبر ۱ بابت یکم شوال

۱۳۱۱ھ صفحہ ۸، ۹)

شہر اور آبادی سے دور جنگل اور میدان سے پرے ایک نہایت خوشنما پہاڑ تھا - چوٹی سے نیچے تک جا بجا قدرتی پھول کھلے ہوئے - بلندی پر دن کو بھی پھول آسمان کے تاروں کا لطف دکھاتے اور پستی کے پھول گلستان یاد دلاتے تھے - چوٹی برف سے سفید تھی ، سرچیوں پانی کی لئیں بہتی تھیں - جن سے قیاس ہوتا تھا کہ یہ نہایت پیرانہ سال مقدس پہاڑ ہے -

اس کے ایک ٹیلہ کی اندھیری کھوہ میں ایک زاہد آنکھیں بند کیے خدا کو ڈھونڈ رہا تھا اور تسبیح و تہلیل میں مسروف تھا - نماز اور مراقبہ کے سوا دنیا اور ما فیہا سے کچھ خبر نہ تھی -

ایک فلاسفر دوسرے ٹیلے کی چوٹی پر بیٹھا ہوا خدا کی صنعتوں کو دیکھ رہا تھا اور اُن سے واحدہ لا شریک ، قادر و صانع خالق کی صفات اور اُس کی حکمت کو دیکھ کر اُس پر ایسا یقین رکھا تھا کہ لو کشفت الغطاء لما ازددت یقیناً -

اتفاقاً دونوں آپس میں ملے کہ چلو ملکوں کی کچھ سیر کریں -

پھرتے پھراتے ایک ملک میں پہنچے - وھاں ایک بادشاہ کی سلطنت تھی جو شان و شوکت ، رعب و دبدہ اور فیاضی میں مشہور تھا - اس کے تخت کے اردگرد امیر وزیر ، ھالی موالی سب دست بستہ کھڑے تھے اور جو حکم دیتا تھا اُس کو بجا لاتے تھے -

اُس کے مصاحبوں میں بعض لوگ ایسے تھے کہ جو چاھتے تھے بادشاہ سے حکم لے آتے تھے اور بادشاہ کے جس حکم کو چاھتے تھے بدلوا دیتے تھے - جو نہ ھونی تھی بادشاہ اُس کو کر بیٹھتا تھا اور جو ھونی تھی اُس کو ان ھونی کر دیتا تھا -

ملک خوش حال تھا ، لوگ آسودہ تھے ، جو مقرب بارگاہ تھے وہ اس خیال میں خوش تھے کہ سلطنت کی کنجی گویا اُنھی کے ھاتھ میں ہے - جو اُن مصاحبوں کے متوسل تھے اور اُن کی خوشامد میں رھتے تھے وہ یوں خوش تھے کہ ھماری تمام حاجتیں اُن کی سفارشوں سے نکل جاویں گی -

بادشاہ کی بادشاھت میں کوئی قانون نہیں تھا - جس کو چاھتا تھا نوازتا تھا - جس کو چاھتا تھا بگاڑتا تھا - جو چاھتا حکم دیتا اور جس حکم کو چاھتا بدل دیتا - گاھے بسلامے میرنجندو گاھے بد شنامے خلعت می بخشید - اُس کی تمام رعیت خوف و رجا ، امید و بیم میں بسر کرتی تھی - نہ خدمت کرنے والوں کو توقع تھی کہ ضرور بادشاہ ھماری خدمت کی قدر کرے گا اور نہ شریر اور شورہ پشتوں کو یہ خیال تھا کہ ضرور بادشاہ ھم کو سزا دے گا - کیا عجب ہے کہ خدمتیوں کی خدمت قبول نہ کرے اور اُن سے خفا ھو جاوے اور کیا عجب ہے کہ ھماری شرارت سے در گزرے اور ھم کو نواز دے - بادشاہ کے وعدوں کے پورا ھونے پر کسی کو یقین نہ تھا - نہ کوئی وعدوں کی وقعت کرتا تھا - زاھد نے کہا کہ بادشاہ ایسا ھی ھونا چاھیے - کیوں کہ ھمارا خدا بھی ایسا ھی ہے -

پھر وہ اُس ملک سے دوسرے ملک میں پہنچے - وہاں ایک بادشاہ تھا - باوجود مہذب ہونے کے نہایت شاندار ، تمام ملک آراستہ ، تمام عہدیدار مہذب ، اپنے درجے اور قرینے سے کھڑے - ہر ایک کے لیے وزیر سے ، امیر سے ، غریب تک قانون مقرر - سب کی نسبت بادشاہ کا یہ حکم کہ میرے قانون کی اطاعت کرو اور اُسی پر چلو اور طمانیت سے زندگی بسر کرو -

اُس کا قانون گویا خدائی قانون تھا جو کبھی تبدیل ہونے والا نہ تھا - اُس کے وعدے ایسے مستحکم تھے کہ کبھی اُن میں تخلف نہیں ہوتا تھا - ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ ہمارا فرض ہے اور فرض کے ادا کرنے پر جو انعام کا وعدہ بادشاہ نے کیا ہے وہ ضرور ہم کو دے گا - اگر ہم اُس کے حکم کی تعمیل نہ کریں گے اور شرارت اور شورہ پشتی کریں گے تو وہ اپنے قانون اور وعدہ کے موافق ضرور ہم کو سزا دے گا - اگر باوجود کوشش کے ہم سے اس کی پوری خدمت ادا ہونے میں قصور ہو تو اُس کی معافی کا اُس نے وعدہ کیا ہے - وہ ضرور ہم کو معاف کرے گا - کیوں کہ تخلف وعدہ اُس سے ہونا محالات سے ہے ، جو ہم کمائیں گے اُس کا نتیجہ پائیں گے - ہاں اگر ہم کوشش میں قصور کریں اور بقدر اپنی طاقت کے اُس کے حکم بجا نہ لائیں تو قصور وار ٹھیریں گے -

وہاں کوئی ایسے مصاحب بھی نہ تھے کہ جو چاہیں بادشاہ سے حکم لے آویں - یا بادشاہ کے جس حکم کو چاہیں بدلوا دیں - جو ہونی تھی وہ ضرور ہوتی تھی ، اَن ہونی کبھی نہ ہوتی تھی -

ملک آباد اور خوش حال تھا - سب طمانیت سے رہتے تھے - نہ کسی کی سفارش کی خواہش نہ کسی کی چغل خوری کا ڈر - سب کو بجز اس خیال کے کہ بادشاہ کے قانون کی اطاعت کریں اور کچھ خیال نہ تھا - وہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ قادر مطلق اور

خود مختار ہے - جو قانون کہ اُس نے اپنی مرضی اور اپنے اختیار کامل سے بنایا ہے - اُسی کامل قدرت اور اختیار سے اُس کو قائم بھی رکھتا ہے - یہی نشان اُس کے کمال قدرت اور پورے اختیار کا ہے - اگر وہ اُس میں تغیر ڈالے تو اُس کے قانون کی قدر و منزلت باقی نہ رہے اور اُس کا متلون المزاج ہونا ثابت ہو اور پھر کسی کو اُس کے قانون اور اُس کے وعدوں پر طمانیت نہ رہے -

زاھد نے کہا کہ اس بادشاہ نے تو اپنے تئیں قانون میں جکڑ دیا ہے اور وعدوں سے تخلف نہ کرنے سے اپنے اختیار کو اور اپنی قدرت کو ساقط کر لیا ہے - کسی کی کاربراری کا بجز قانون کے کوئی راستہ ھی نہیں رھا - ایسا بادشاہ تو ایک کاٹھ کی مورت ہے - میں تو ایسے بادشاہ کو بادشاہ نہیں مانتا -

فلاسفر نے کہا کہ جو کچھ اُس نے کیا ہے اپنے اختیار اور قدرت سے کیا ہے اور ایسا کرنا ھی اُس کے بادشاہ ذی اقتدار اور حکیم علی الاطلاق ھونے کی دلیل ہے اور اپنی قدرت کاملہ سے اُس قانون کو لا زوال کر دیا ہے - اگر تو اُسے پسند نہیں کرتا تو جا اپنے اُس متلون المزاج خدا کو اندھیری کھوہ میں آنکھیں بند کرکے ڈھونڈ - مگر وہ نہ کبھی تجھ کو ملا ہے نہ ملے گا -

مشرقی علوم و فنون

ہم کو نہایت ہوشیاری سے دیکھنا چاہیے کہ جو کچھ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہماری اور ہمارے ملک کی بہبودی اور ترقی کے لیے ایسا نہ ہو کہ صرف دھوکا ہو ہم کو اس وقت پچھلے زمانے کے قصے اور کہانیوں کو یاد دلانا اور کہنا کہ ایشیا میں ایشیائی سلطنت کے زمانے میں علوم و فنون کیا تھے اور اُن کے وقت میں اُن کو کیسی ترقی اور کیسی سرسبزی تھی محض بے فائدہ ہے - ہم کو اپنے زمانے کے حالات پر جو گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت کا زمانہ ہے غور کرنا اور اس کو ہندوستان ہی کی حدود میں محدود رکھنا ہمارے لیے زیادہ تر مفید اور زیادہ تر بکار آمد ہے -

جب سے ایک روشن ضمیر و تربیت یافتہ گورنمنٹ یعنی گورنمنٹ انگلشیہ کے ہاتھ میں ہماری قسمتیں سپرد ہوئی ہیں اُس وقت سے ہماری تعلیم نے مختلف طرح سے پلٹے کھائے ہیں - آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت جب ہندوستان میں ہوئی تو ایک مدت تک اُس نے اس بات کو نہیں جانا کہ ہندوستان کے لوگوں کی نسبت اس معاملے میں اُس کا کیا فرض ہے - مگر جب اُس نے اس فرض کو جانا تو یہ مشکل پیش آئی کہ وہ اُن کی تعلیم کا کون سا طریقہ اختیار کرے - جنوری ۱۸۶۳ء کے ایڈنبرا ریویو میں ایک نہایت لائق اور مدبر مصنف نے اپنے آرٹیکل میں اس مشکل کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں میں علمیت اور انسانیت بہ نسبت انگریزوں کے زیادہ قدیم تر تھی -

وہ ایک ایسی علمیت تھی جس کی بنیاد اُس زبان پر (یعنی سنسکرت و عربی پر) تھی جو یورپ کی تمام زبانوں کا (اور میں کہتا ہوں کہ یورپ کے بڑے بڑے علوم کا) مآخذ تھی - اس لیے یہ مشکل سوال حل طلب تھا کہ وہ کون سی تعلیم ہے جو ہندوستانیوں کو دی جاوے - کیا اُن کو انگریزی کی تعلیم دی جاوے جو انگریزوں کے مذہب سے مخلوط ہے ؟ یا اُنھیں کی قدیم زبانوں اور قدیم فنون اور مذہبی علوم میں تعلیم دی جاوے -

اُس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کچھ قوی نہ تھی - اُس پر بہ نسبت اس کے کہ وہ دلیری سے وہی کام کرے جو در حقیقت کرنا چاہیے ، خوف زیادہ غالب تھا - اُس کو ہندوستان کے لوگوں کے تاریک تعصبات کا ایسا خوف تھا کہ وہ سچے کام کرنے میں بھی خوف کرتے تھے اس لیے اس کی یہ رائے تھی کہ کوئی ایسی تعلیم جو ہندوستانیوں کی آنکھوں یا کانوں تک بھی ان باتوں کو پہنچاوے جو ان کے قدیم علوم یا مذہبی روایات کے برخلاف ہو اختیار کرنی نہ چاہیے - اس ناواجب اور نااستوار اور خوف زدہ اصول پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں مشرقی قدیم علوم اور قدیم حکمت کے تر و تازہ کرنے میں کوشش نہ کی -

اہل ہند کی بد نصیبی کا یہ دورہ ۱۸۳۵ء تک نہایت استحکام سے قائم رہا - آخرکار ایک نیک اور سچا مدبر یعنی لارڈ میکالے ہندوستان میں پیدا ہوا جو اُس زمانے میں ہندوستان کی تعلیم کے بورڈ کا میر مجلس تھا - اُس نے دھوکا دینے والے طریقہ تعلیم کو علانیہ ناپسند کیا اور کہا کہ اگر گورنمنٹ کی رائے بندوبست موجودہ کے تبدیل کرنے کی نہ ہو تو اس میر مجلسی سے میرا استعفیٰ منظور ہو کیوں کہ میں اُس میں کچھ کام نہیں

آ سکتا ۔ مجھ کو اُس کام میں تقویت دینی ہوتی ہے جس کی نسبت مجھ کو خوب یقین ہے کہ وہ صرف دھوکا ہے ۔ مجھے کامل یقین ہے کہ موجودہ بندوبست سچ کے ترقی کرنے کی طرف نہیں بلکہ معدوم ہونے والی طبعی غلطیوں کی طبعی موت کے توقف کرنے پر رجوع کرتا ہے ۔

لوگوں کا خیال ہے کہ لارڈ میکالے ایک مذہبی شخص تھا ۔ وہ ایشیا کی تواریخ کو، ایشیا کی الٰہیات کو ، ایشیا کی طبابت کو ، ایشیا کے مذہب کو ، نامعقول سمجھتا تھا اور اس لیے مذہبی خیال سے اُس قدیم طریقہ تعلیم کا تبدیل ہونا چاہتا تھا ۔ فرض کیا جاوے کہ وہ ایسا ہی تھا مگر جو عزت کہ اُس کو اپنی سچی رائے ظاہر کرنے سے اور جس کو وہ دھوکا سمجھتا تھا اس کو دلیری سے دھوکا کہہ دینے سے حاصل ہوئی ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گی ۔

جس زمانے میں کہ لارڈ میکالے نے اپنی یہ سچی رائے ظاہر کی اُس وقت لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر جنرل تھے ۔ لارڈ میکالے کی اس دلیرانہ و فصیح و بلیغ تقریر نے کافی اثر کیا اور ہندوستان کی تعلیم کے آفتاب کا جو بالکل گہن میں تھا کچھ کچھ گہن چھوٹنے لگا اور گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستانیوں میں یورپ کے علوم اور یورپ کی حکمت کو ترقی دینا گورنمنٹ کا مقصد ہونا چاہیے۔ در حقیقت انگریزی عہد سلطنت میں ہندوستانیوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان جو کچھ درکار تھا وہ یہی تھا کہ وہ اُس علم و حکمت سے واقف ہوں جو اُس قوی اور فتح مند قوم کی جان تھی جو اُن پر حکومت کرتی تھی اور اُس کی تمام دانائی ، تمام قوت ، تمام خوبیوں کو بتلانے والی تھی اور میں کہتا ہوں کہ اب بھی سو برس کے قریب گورنمنٹ انگریزی کی

حکومت کو گزر گئے جو کچھ ہندوستانیوں کو درکار ہے وہ یہی ہے -

انھی تحریروں اور تحریکوں کے بعد گورنمنٹ نے ہندوستان میں تین یونی ورسٹیوں کا مقرر کرنا اور بڑے بڑے شہروں میں انگریزی زبان کے ذریعے سے اعلیٰ درجے کی تعلیم علوم کے کالجوں کا مقرر کرنا جن میں یورپ کے علم و حکمت و تاریخ کی تعلیم ہو منظور کیا اور علم تعلیم کے لیے دیسی زبانوں کو ذریعہ ٹھہرایا جس کی بنا جناب ٹامسن صاحب کے وقت میں پڑی اور جناب سر ولیم میور صاحب نے اس کو ہمارے ملک میں اعلیٰ درجے کی ترقی پر پہنچا دیا -

اس انتظام سے کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستانیوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا - ان میں جس قدر نقص رہا وہ یہی تھا کہ جو کام خود ان کو اپنی قومی قوت سے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے، اپنی قوم کے بچوں کے لیے کرنا تھا اُس کی نسبت چاہا کہ گورنمنٹ ہی کرے جس کو فی الواقع گورنمنٹ نہیں کر سکتی تھی - ہم کو توقع تھی کہ ہم روز بروز زیادہ روشنی میں آتے جاویں گے اور ہماری تعلیم کے آفتاب کا گہن جو چھوٹا تھا وہ ایک دن نصف النہار پر پہنچے گا مگر ہم نہایت افسوس سے دیکھتے ہیں کہ وہ پھر گہن میں آیا ہی نہیں چاہتا بلکہ نصف النہار تک پہنچنے سے پہلے ڈوبنا چاہتا ہے -

چند روز ہوئے کہ ہم نے حضور عالی جناب لارڈ لٹن کی اسپیچوں کو جو پنجاب کے بعض مقامات پر انھوں نے کی تھیں اور جن میں علوم مشرقی کی ترغیب دلانے کی بو آتی تھی نہایت افسوس سے پڑھا تھا اور حال میں ان ایڈریسوں کو جو پنجاب میں حضور ایکسیلینسی مارکوئیس آف رپن کے حضور میں پیش کی گئی ہیں اور اُن کے جوابوں سے نہایت افسوس ہوا ہے -

یونی ورسٹی کالج لاہور کی بنیاد مردہ علوم مشرقی کو پھر زندہ کرنے کے مقصد سے قائم ہوئی تھی جن کا زندہ کرنا بقول ایک بڑے مدبر کے ماسٹروں کے پھر زندہ کرنے کے قصد کے برابر ہے - جو ایڈریس سینٹ نے پیش کیا ہے اور جس کے جلو میں ایسے بڑے بڑے نامی ہندوستانی سردار تھے جو شاید ہی کسی اور ایڈریس کے ساتھ ہوں گے اُس میں لکھا ہے کہ ” ساڑھے تین لاکھ روپیہ جو عطیہ یونی ورسٹی کالج ہے والیان ریاست ہائے و دیگر رؤسائے پنجاب نے دراصل زبان ہائے دیسی کی تکمیل سے تعلیم کو رواج دینے کی غرض سے عطا کیا تھا - سینٹ کو اس بارے میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ علم کو زبان ہائے دیسی کے توسل سے ترقی دینا تعلیم کی ضروریات کو ملک کے حسب حال بنانے کا بہترین طریقہ ہے اور سینٹ و گورنمنٹ ہند کا بھی یہی مقصد ہے -“

ہز ایکسیلینسی وائسرائے نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ ” ترقی و اشاعت زبان ہائے مشرق و علوم مشرق نہایت ہی کار احسن ہے - میرا اس میں اُن لوگوں سے اتفاق کامل ہے کہ یہ مقصد بطور خود قابل تعریف ہے اور جہاں تک میری محدود واقفیت معاملات ہندوستان میں ہے ، میں اُن خیالات سے اتفاق رکھتا ہوں جو میرے یقین میں آپ لوگ رکھتے ہیں کہ اس ملک میں صرف زبان ہائے دیسی کے توسل سے علوم و فنون کی ترقی و اشاعت بہترین سہولیت سے ہو سکتی ہے -“

ہم صاحبان کورٹ آف ڈائریکٹرز کے اُس مشہور مراسلے سے جو ۱۸۵۴ء میں جاری ہوا ، دل سے اتفاق کرتے ہیں کہ عام تعلیم کی اشاعت کا ذریعہ دیسی زبان کو قرار دینا نہایت عمدہ ہے - مگر وہ طریقہ صرف دیہاتی مکاتب اور تحصیلی اسکولوں میں محدود رہ سکتا ہے نہ اعلیٰ تعلیم میں اور اُس تعلیم میں جو یونی ورسٹی کی تعلیم کہلاوے

اور ایسی تعلیم میں جو بی اے یا بالغ العلوم اور ایم اے یا مالک العلوم کا لقب حاصل کرنے کی مستحق ہو ۔ اگر یونی ورسٹی پنجاب کا مقصد اس پچھلے طریقے میں مشرقی علوم کو ترقی دینا ہے یا علوم مشرقی کا رواج دینا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ بعوض اس کے کہ ہم کچھ روشنی میں آویں تاریکی میں پڑنے والے ہیں اور بعوض اس کے کہ ہم کچھ ترقی کریں ایسے پیچھے ہٹنے والے ہیں کہ ہم کو پھر ایک لارڈ میکالے کی ضرورت ہوگی جو ہم کو اس تاریکی سے نکالے اور آگے بڑھاوے ۔ ہم صاف کہتے ہیں جیسا کہ لارڈ میکالے نے کہا کہ ایسا کرنا دھوکا ہے ۔

علوم مشرقی کی ترقی کا غل پنجاب میں ہر ایک کی زبان پر ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ علوم مشرقی سے کون سے علوم مراد ہیں ۔ دینیات تو یقینی اس میں شامل نہ ہوں گے کیوں کہ وہ اس بحث سے خارج ہیں ۔ پس اب ان لوگوں سے جو ”علوم مشرقی کی ترقی“ ، ”علوم مشرقی کی ترقی“ پکارتے ہیں ، پوچھتے ہیں کہ وہ کون سے علوم ہیں ؟ سنسکرت یا عربی و فارسی ۔ اگر ان کو بلحاظ عمدہ زبان ہونے کے خیال کیا جائے تو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر صرف زبان پر علم کا اطلاق نہیں ہو سکتا ۔ ہاں جب اس کو بحیثیت لٹریچر یعنی علم ادب کے دیکھا جائے تو بلاشبہ اس پر علم کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔

اب ہم علم ادب عربی و فارسی کی ترقی پر غور کرتے ہیں اور سنسکرت کو چھوڑ دیتے ہیں کہ ہم اس کو نہیں جانتے ۔ عربی و فارسی کی لٹریچر تمام تر یا ہزلیات یا عاشقانہ مضامین یا ناپاک قصص و حکایات یا سلاطین و امراء کی جھوٹی تعریف یا ایسے الفاظ اور فقرات کی قافیہ بندی سے جس کے الفاظ عمدہ اور مطلب کچھ نہیں بھری پڑی ہے ۔ وہ انسان کے دل پر ، انسان کے

اخلاق پر کوئی نیک اثر پیدا نہیں کر سکتی - وہ انسان کی کسی فطرتی قوت کو تحریک میں نہیں لا سکتی - اُس کا پڑھنے والا شروع ھی سے جانتا ھے کہ یہ سب جھوٹ اور مبالغہ اور شاعرانہ اور منشیانہ ھے اور اسی لیے اُس کے دل پر کوئی لفظ بھی اثر نہیں کرتا - وہ لٹریچر ایسے مبالغہ آمیز جھوٹ سے مخلوط ھے کہ پڑھنے والا یہ بھی تو نہیں جان سکتا کہ اصل واقعہ اس میں کیا ھے - سینکڑوں کتابیں عربی و فارسی لٹریچر کی اس وقت موجود ھیں جن میں سلاطین کا ، مصنفوں کا ، شاعروں کا حال مندرج ھے - اصلی اشخاص عاشق و معشوق کی حکایات مندرج ھیں - اُن کی حسن و خوبی کی تعریفیں لکھی گئی ھیں - پھر کوئی اُن کو پڑھ کر یہ تو بتلا دے کہ واقعی اُن سلاطین و مصنفوں یا شاعروں کی کیا حالت اور کیا طبیعت تھی یا وہ معشوقہ درحقیقت کیسی صورت ، کیسی سیرت ، کیسا ناز اور کیسا انداز رکھتی تھی - کوئی فطرتی بات اور نیچرل خوبی اور اُن کا بیان جو انسان کے دل میں اثر کرتا ھے ، اُن میں نہ ملے گا - پس ایسے لٹریچر کو ترقی دینا ھمارے ساتھ کچھ نیکی کرنا نہیں ھے بلکہ ھم کو اُسی اندھیرے میں لے جانا ھے جس میں ھم سینکڑوں برس سے پڑے ھوئے تھے -

زبان صرف ذریعہ ھے انسان کے خیالات کے ظاھر کرنے کا اور جب انسان کے خیالات درست ھوتے ھیں اُس کی اندرونی طینت تعلیم یافتہ ھو جاتی ھے اور اُس کو ھر قسم کی معلومات علوم کی اور واقعات کی اور انسانی طبیعت کی حاصل ھوتی ھے - تب اُس کے خیالات علمی پیرایہ حاصل کرتے ھیں اور جب وہ کسی زبان میں ادا کیے جاتے ھیں تو وہ اس زبان کا علم ادب کہلاتا ھے - اُسی کی ترقی سے انسان کی ترقی ھوتی ھے - مگر جب مشرقی لٹریچر ان سب امور سے خالی ھے تو اُس کی ترقی

دینے کا مفہوم ہماری سمجھ ہی میں نہیں آسکتا - بجز اس کے کہ ہم دھوکہ میں رہیں اور حقیقت تک نہ پہنچیں -

اگر یوں تعبیر کیا جائے کہ ہندوستانیوں کے خیالات دوسری طرح پر درست و مہذب کیے جائیں اور پھر وہ ان مہذب خیالات کو مشرقی زبانوں میں ادا کریں جس سے مشرقی لٹریچر کو ترقی ہوگی تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کیا دوسرا طریقہ ہے جس سے ان کے خیالات شائستہ و مہذب کیے جائیں گے - آیا ہومیاپیتھی قاعدے سے یا ایلوپیتھی قاعدے سے - یعنی اسی مشرقی لٹریچر سے یا مغربی لٹریچر سے - اول سے تو محال ہے اور جب دوسرے سے مہذب کیے جاویں تو پھر مشرقی علوم و لٹریچر کی ترقی محض بے معنی لفظ رہ جاتے ہیں -

اب ہم لٹریچر کا ذکر اس خوف سے چھوڑ دیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص گلستان و بوستان سعدی میں سے قریب ایک نصف یا ایک تہائی کے خارج کر کے اور ان کی کلیات میں سے تمام ہزلیات کو دریا میں بہا کر چند ورق ہمارے سامنے پیش کر دے کہ یہ مشرقی لٹریچر ہے اور علوم مشرقی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقدم مشرقی علوم فلسفہ ، منطق ، علم ہیئت ، علم کیمیا ، علم معدنیات ، علم نباتات ، علم حیوانات ، علم جرثقیل ، علم حساب و جبر مقابلہ ، علم تاریخ ہیں اور وہ بھی وہ علوم ہیں جن سے انسان کے خیالات کو ، اس کی معلومات کو ، اس کی عقل کو ترقی ہوتی ہے - فلسفہ و منطق نے یورپ میں ایسی ترقی کی ہے اور ایسے پھل پھول و پتے شاخیں نکالی ہیں کہ کیا ہم صرف قدیم مشرقی فلسفہ و منطق کو پڑھ کر اپنے تئیں مفید بنا سکتے ہیں ؟ جو لوگ مشرقی علوم کی ترقی کو پکارتے ہیں اور خود پنجاب یونیورسٹی کالج کے ممبران سینیٹ جو یوروپین اور عالم ہیں کیا وہ

یقین کرتے ہیں کہ مشرقی علم ہیئت مشرقی علم طب کے اصول صحیح ہیں ۔ اگر وہ ان کو صحیح نہیں سمجھتے اور یقیناً صحیح نہیں سمجھتے تو کیوں ایسی راہ پر ہم کو چلانا چاہتے ہیں جو در حقیقت بقول لارڈ میکالے کے صرف دھوکہ ہے ۔ کیا ہماری ترقی کے لیے وہ علم کیمیا جو مشرق میں تھا اور جس کو ہندوستان میں رسان کہتے تھے، کافی ہے ؟ علم نباتات میں ، علم حیوانات میں ہم کیا پڑھیں ؟ کیا عجائب المخلوقات پڑھنی ہماری ترقی کے لیے کافی ہے ؟ علوم مشرقی کی کتابوں میں علم جرثقیل میں ایک مختصر رسالہ اصول پنجگانہ کے سوا ہم نے نہیں دیکھا ۔ کیا ہمارے لیے علم حرکت و سکون پڑھنا اور اس کی ترقیات کو جو اس زمانہ میں عجیب حد تک پہنچ گئے ہیں سیکھنا محض بے فائدہ ہے ۔ کیا حساب و جبر و مقابلہ جو خلاصۃالحساب میں ہے ، وہی کافی ہے اور ہم کو بنیے سے اپنے کھانے کی روٹی دال کا حساب کر لینے کو ۔ پٹواری سے حساب سمجھ لینے کو بس ہے ؟ اور کیا ہم کو کرنا ہے ۔ ہمارے علوم مشرقی کی ترقی ہی ہم کو نہایت مفید ہے ۔ علم تاریخ تو جیسا صحیح ہمارے ہندوستان میں ہے تمام دنیا اُس کی مقر ہے اُسی علم تاریخ کی ترقی ہماری رفاہ و فلاح کو بس ہے ۔ ہم صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ ہم کو علوم مشرقی کی ترقی کے پھندے میں پھنسانا ہندوستانیوں کے ساتھ نیکی کرنا نہیں ہے بلکہ دھوکے میں ڈالنا ہے ۔ ہم لارڈ میکالے کو دعا دیتے ہیں کہ خدا اُس کو بہشت نصیب کرے کہ اُس نے اس دھوکہ کی ٹٹی کو اُٹھا دیا تھا ۔ کیا وہ ٹٹی ہماری آنکھوں کے سامنے پھر لگائی جاتی ہے ؟

ایڈریس کے ساتھ بڑے بڑے ہندوستانی سرداروں کا ہونا اور بہت بڑی فیاضی سے بڑے بڑے چندوں کا دے دینا مثل ایسی ہی فیاضی کے ہے جو ہمیشہ وہ اصلی مقصد سے ناواقف رہ کر دیگر

اسباب سے کیا کرتے ہیں - اُن کی شان و شوکت ایسے امر کی جو فی الحقیقت کچھ وقعت نہیں رکھتا ، وقعت نہیں بڑھا سکتی - چند ناقبت اندیش ہندوستانی شاید ان باتوں سے خوش ہوتے ہوں گے اور گورنمنٹ کا احسان مانتے ہوں گے مگر دور اندیش آدمی ان تمام باتوں سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں اور نہایت افسوس و مایوسی سے گورنمنٹ کی اور اُن یوروپین اعلیٰ درجہ کے حکّام کی کارروائی کو جو اس میں شریک ہیں دیکھتے ہیں -

ہم نہایب سچائی سے اور گورنمنٹ کی دلی خیر خواہی سے بتانا چاهتے ہیں کہ سمجھ دار اور دور اندیش ہندوستانی اُن تمام کارروائیوں سے گورنمنٹ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں - نہایت بد خیال اُن کے دل میں پیدا ہوتا ہے - چند سال گذرے کہ اُن کو یقین کامل تھا کہ گورنمنٹ کو در حقیقت ہم کو واقعی تعلیم دینا منظور نہیں ہے اور وہ ہم کو اُسی قدر تعلیم دینا چاہتی ہے جس قدر کی اُس کو ضرورت ہے - ہم کو وہ ایسا مرکب سواری بنانا چاہتی ہے کہ اسباب لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دے - اس کو انتظام ملک اور انتظام دفتر کے لیے چند ایسی پتلیوں کی درکار ہے جو انگریزی لکھ سکتی ہوں مگر سمجھ نہ سکتی ہوں - جیسے کہ مانچسٹر میں سوت کاتنے کے لیے پتلیوں کی ضرورت ہے - جو کچھ کہ وہ ہندوستان میں تعلیم کی نسبت کرتے تھے کوئی اُس کا شکر گزار نہ تھا اس لیے کہ اُس کو خود غرضی پر محمول کیا جاتا تھا نہ رعایا پروری پر -

کچھ بہت عرصہ نہیں گزرا کہ ہندوستانیوں میں سے یہ بد خیال دور ہوا تھا اور ہندوستانی یہ یقین کرتے تھے کہ گورنمنٹ نے اپنی پالیسی بدل دی ہے اور در حقیقت گورنمنٹ کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینا اور ہندوستانیوں کو انھی کے فائدہ کے لیے تعلیم دینا

مقصود ہے مگر ہندوستانی خوب جانتے ہیں کہ تھوڑے دنوں سے بعض مدبران سلطنت کی پالیسی بدلی ہے اور ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجے کی حقیقی تعلیم دینا وہ مناسب نہیں سمجھتی ۔ اُن کو اب تک یقین نہیں ہے کہ یہ پالیسی در حقیقت مستحکم ہو گئی ہے اور اُس پر عمل کرنا فی الواقع قرار پا چکا ہے ۔ مگر ایسے واقعات جو پیش آتے جاتے ہیں جیسے کہ حضور عالی لارڈلٹن کے وقت میں انڈین سول سروس کے قواعد قرار پائے اور جیسے کہ جناب ممدوح نے بعض اسپیچوں میں علوم مشرقی کی ترقی کی ترغیب دی یا جیسے کہ یہ حال میں واقعہ پنجاب یونیورسٹی کالج کو کامل یونیورسٹی بنانے کی درخواست کے وقت پیش آیا دور اندیش ہندوستانیوں کو نہایت تردد میں ڈالتا ہے اور وہ خوف زدہ ہو کر خیال کرتے ہیں کہ شاید وہ پالیسی مستحکم ہو گئی ہے اور وہی دھوکہ کی ٹٹی پھر ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑی کی جاتی ہے جس کو مرحوم ہمارے محسن لارڈ میکالے نے اپنی نہایت سچی تحریروں اور زبردست ہاتھوں سے اٹھایا تھا ۔ ہم نے کوئی مجلس لائق ہندوستانیوں کی ایسی نہیں پائی جو اُس میں ان خیالات کی روز بروز ترقی نہ ہوتی ہو ۔ ہمارا دلی مقصد ہے کہ ہم اصلی حال اُن ہندوستانیوں کی فیلنگ (احساسات) کا جن کی فیلنگ در حقیقت قدر و غور کے لائق ہے ، گورنمنٹ سے مخفی نہ رکھیں اور اس میں کوشش کریں کہ گورنمنٹ ایسی جماعت کی باتوں سے جن کے ظاہری بدن زر و جواہر سے جگمگاتے ہیں اور جن کے تمام کام در حقیقت دیگر اسباب پر مبنی ہیں نہ واقعی واقعات پر دھوکہ میں نہ آوے ۔

کیا ہندوستان کی ترقی علوم مشرقی کی ترقی سے ہو سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ کیا دور اندیش ہندوستانی علوم مشرقی کے ترقی دینے

سے گورنمنٹ کے احسان مند ہوں گے ؟ ہرگز نہیں - کیا ہندوستانی ایسے نادان و بے وقوف ہیں جو اپنے انجام کو نہیں سمجھتے ؟ ہرگز نہیں - سخت سے سخت متعصب مسلمان جو انگریزی زبان اور انگریزی علوم پڑھنے کو کفر و الحاد جانتا ہے وہ بھی یقین کرتا ہے کہ ہماری ترقی صرف مغربی علوم میں اعلی درجے کی تعلیم پانے میں منحصر ہے - مگر وہ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ ہم کو اپنی ترقی سے اپنا مذہب پیارا ہے - اس خیال سے اگر وہ اپنی ترقی سے دست بردار ہو تو گورنمنٹ کی شکایت کا اس کو موقعہ نہیں ہے مگر برخلاف اس کے جب کہ گورنمنٹ ایسی کارروائی کرے جو ہندوستانیوں کی اصلی ترقی کی معاون نہیں ہے تو پھر صورت معاملہ کی منقلب ہو جاتی ہے -

بذریعہ ترجموں کے علوم مغربی کے ہندوستان میں پھیلانے کا قصد ایک ہنسی کی بات ہے - بہت مدت ہوئی کہ یہ پالیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں اختیار کی گئی تھی اور اسی بہادر اور محسن شخص لارڈ میکالے نے اس کو بھی ویسا ہی بے سود اور دھوکا ثابت کر دیا جیسے کہ اس زمانہ کی دوسری پالیسی کو ثابت کیا اور بالآخر اس دھوکہ کی ٹٹی کو اٹھا دیا - گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ہم کو صاف صاف ، سیدھا و سچا راستہ ہمارے فائدے کے لیے ہم کو بتائے - پھر جو کوئی اس پر نہ چلے اس کو جہنم میں جانے دے - ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں روز بروز علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے - تمام نئی تصنیفات اور نئی تحقیقات ایک عظیم‌الشان دریا کی موج کی مانند بہتی چلی آتی ہیں - کیا پنجاب یونیورسٹی (خدا نخواستہ جب کہ وہ یونیورسٹی انھی اصول پر ہو جائے جن پر وہ اب یونیورسٹی کالج ہے) ان کے ترجموں کا اور ہندوستان میں اس کی اشاعت کا بندوبست کر سکتی ہے اور

درحقیقت اُن علوم کی اشاعت کر سکتی ہے - ہم اس بات کے مخالف نہیں ہیں کہ پنجاب میں بھی ایک یونیورسٹی قائم ہو جیسے کہ کلکتہ ، مدراس ، بمبئی میں قائم ہے مگر جن اصول پر وہ یونیورسٹی قائم ہونا چاہتی ہے اُس کے برخلاف ہیں -

جو شخص اپنی قومی ہمدردی سے اور دور اندیش عقل سے غور کرے گا وہ جانے گا کہ ہندوستان کی ترقی کیا علمی اور کیا اخلاقی ، صرف مغربی علوم میں اعلیٰ درجہ کی ترقی حاصل کرنے پر منحصر ہے - اگر ہم اپنی اصلی ترقی چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی مادری زبان تک کو بھول جائیں - تمام مشرقی علوم کو نسیاً منسیاً کر دیں - ہماری زبان یورپ کی اعلیٰ زبانوں میں سے انگلش یا فرنچ ہو جائے - یورپ ہی کے ترقی یافتہ علوم دن رات ہمارے دست مال ہوں - ہمارے دماغ یورپین خیالات سے (بجز مذہب کے) لبریز ہوں - ہم اپنی قدر ، اپنی عزت کی قدر خود آپ کرنی سیکھیں - ہم گورنمنٹ انگریزی کے ہمیشہ خیر خواہ رہیں اور اس کو اپنا محسن و مربی سمجھیں - مگر غلامی و حیوانی کی حالت جو ہمارے پر طاری ہے اُس سے ہم نکلیں - ایک فیاض اور نیک دل گورنمنٹ کا جو کسی قوم پر اُس کی بھلائی کے لیے بلکہ انسانی بھلائی کے لیے حکومت کرتی ہے یہی منشاء ہونا چاہیے - یہ سچ ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی زبان ہائے قدیم کی ترقی میں نامور ہے مگر زبان دوسری چیز ہے اور علوم دوسری چیز ہیں - بلا شبہ ہم اس بات کو کہ پنجاب یونیورسٹی قدیم مشرقی زبانوں کو ترقی دے پسند کرتے ہیں کیوں کہ قدیم لینگویج ماڈرن لینگویج کی زیور ہیں مگر ہم علوم مشرقی کی ترقی کے معنی نہیں سمجھتے - نہ علوم مغربی کا دیسی زبانوں کے ذریعے سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک شائع ہونا ممکن جانتے ہیں جو اصلی مقاصد پنجاب یونیورسٹی کالج کے ہیں اور

اس لیے اس کو کوئی ذریعہ اپنی ترقی کا بجز ایک دھوکہ کے قرار نہیں دے سکتے -

کسی قوم کی ترقی خطوط متوازی کی مانند نہیں ہوتی کہ سب کے سب ایک مقام سے دوسرے مقام تک چلے آویں - ہمیشہ اس کی ترقی مثلث کی شکل پر ہوتی ہے جس کا ایک کونہ آگے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اس کی پچھلی سطح اسی مناسبت سے آگے بڑھتی جاتی ہے - تعلیم کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو روشنی میں لاتی ہے اور اس کو اپنی اور غیر قوم کی تمام برائیاں بھلائیاں - سوشل و مارل کی دکھاتی ہے اور پھر وہ ان کو دیکھ کر بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ کس قوم کی ہیں کسی کے اختیار کرنے میں اور کسی کے ترک کرنے میں مجبور ہوتا ہے اور ایسی قوم میں جو سکون کی حالت میں تھی ابتداء میں بوقلموں فرقے پیدا کرتا ہے اور مثلث کی مانند ایک کونہ آگے بڑھتا ہے اور اس کے بعد اسی کی مناسبت کے قوم آگے بڑھتی جاتی ہے - ہمارے لیے یہ خیال کرنا کہ ہم میں فرقہ ہائے بوقلموں پیدا نہ ہوں اس خیال کے مساوی ہے کہ ہمارے دل علوم کی روشنی سے منور نہ ہوں - ہم اگر اپنی ترقی چاہتے ہیں لازم ہے کہ ہم اپنی سوشل و مارل حالت پر غور کریں - اس کو اعلیٰ درجہ کی حقیقی کاملیت پر پہنچاویں اور علوم کے جو نتائج ہیں اس سے فائدہ اٹھاویں اور بوقلموں فرقوں کے پیدا ہونے کا جو ترقی کا لازمہ ہے کچھ پروا نہ کریں اور یقین جانیں کہ جب ہم میں کامل ترقی ہوگی وہ سب رفتہ رفتہ اپنے لیول پر آ جاویں گے - گورنمنٹ کا ہم یہ فرض سمجھتے ہیں کہ ایسی ترقی میں ہماری معین و مددگار ہو اور اگر یہ منشاء ہو کہ ہم اسی لیول پر رہیں جس پر اب ہیں اور سوشل و مارل حالت میں کچھ ترقی نہ کریں تو ہم کو کسی قسم کی تعلیم دینا محض

بے سود ہے - ابھی تو ہم سوشل و مارل کی عمدہ حالت سے نا واقف ہیں اور اس لیے بہت سے ہم میں ایسے موجود ہیں جو اُس کے نہ ہونے سے کچھ رنجیدہ نہیں ہیں - ہم کو تعلیم دے کر اور اُن کی خوبیوں سے واقف کر کے اُن کے حاصل کرنے سے روکنا ہم کو بہت زیادہ رنج دینے والا ہوگا - ہم نہایت افسوس سے علانیہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کا جو کونا ترقی کرنے کی خواہش سے آگے بڑھا ہے اُس کو یہ رنج لاحق ہوتے ہیں - بہت سے تعلیم یافتہ اور دانش مند ہندوستانی اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ ہمارے حکام ہمارے سوشل و پولٹیکل و مارل حالت کی ترقی ہونا پسند نہیں کرتے اور ہر وسیلہ سے اُس کو دبانا اور پیچھے ہٹانا چاہتے ہیں - یہ خیالات ان لوگوں کے ہیں جن کے خیالات وقعت کے قابل نہیں اور گورنمنٹ کو اُن پر غور کرنا اور اُن کو دور کرنا نہایت ضرور ہے - ہزاکسیلنسی مارکوئیس آف رپن نے اپنی اسپیچ میں اس امر کو کہ مابین ساکنان ملک یورپ اور ساکنان اس ملک کے وہ اتحاد دوستانہ نہیں ہے جو پہلے تھا ، قابل غور کے قرار دیا ہے - بلا شبہ ہم کو اس پر شکر گزار ہونا چاہیے - بے شک یہ امر نہایت قابل غور ہے مگر یہ اُسی وقت رفع ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہم میں سے اپنی سوشل و پولٹیکل و مارل حالت میں ترقی کرنا چاہے ساکنان ملک یورپ اُس کا ہاتھ تھام کر اُس کو اُس کی ترقی میں مدد دیں مگر جب کہ ہمارا اُسی لیول میں رکھنا مد نظر ہو جس میں اب ہم ہیں تو اُس اتحاد دوستانہ کی توقع کرنا ایسی توقع ہے کہ بغیر تخم ریزی کے ہم فصل دور کرنے کی توقع رکھیں -

---

مختصر تاریخ عیسائی مذہب کی

مسلمانوں کے مذہب کے نکلنے تک

مولّفہ ۱۲۷۸ ہجری مطابق ۱۸۶۲ء

(تبیین الکلام حصہ سوم از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۵)

قریب زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام کے یہودیوں کے تین فرقے بہت کثرت سے تھے۔ فروسی، صدوقی، اسینی، فروسی توریت کے ظاہری اور باطنی دو معنی کہا کرتے تھے اور توریت کے سوا کچھ روائتیں بطور حدیث کے بھی بتاتے تھے اور صدوقی اور اسینی توریت کے سوا اور روایتوں کو نہیں مانتے تھے اور صرف ظاہری معنوں پر عمل کرتے تھے۔ فروسی معاد کے ہونے پر یقین کرتے تھے اور قیامت کے عذاب و ثواب کو بھی مانتے تھے اور اس کو جسم اور جان دونوں سے متعلق سمجھتے تھے۔ صدوقی معاد کے قائل نہ تھے اسینی قیامت کے عذاب و ثواب کے قائل تھے مگر کہتے تھے کہ صرف روح سے متعلق ہے نہ جسم سے علاوہ اس کے آن سب کے افعال اور اعتقادات نہایت درجہ پر بگڑ گئے تھے آن کی ایسی[1] مثل ہوگئی تھی جیسے اندھوں کو اندھا رہنما ہو۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں بھی بہت سی بدعتیں داخل کر دی تھیں۔ شومرونیوں کا مذہب بھی بہت خراب تھا اور بت پرستوں[2] کی

۱- متی ۱۵-۱۴ -

۲- یوحنا ۴-۲۲ -

رسمیں اُس میں داخل تھیں غرض کہ ایک ایسا زمانہ آگیا تھا کہ روحانی تقدس کسی میں نہیں رہا تھا - اس لیے ضرور تھا کہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو روحانی تقدس اور روحانی روشنی لوگوں کو سکھاوے - پھر وہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا مگر وہ جو صرف روح سے پیدا ہوا ہو نہ کسی ظاہری سبب سے - چناں چہ اس روحانی روشنی کے چمکانے کو حضرت مسیح علیہ السلام صرف روح خدا سے پیدا ہوئے - جیسا کہ نص عیسوی میں امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

کیا مریم کے پانی اور جبرئیل کی پھونک سے جو آدم خاکی کی صورت میں ہو کر آئے تھے ٹھہر گئی روح ایسی ذات میں جو پاک تھی طبیعت کی باتوں سے جس کو قید خانہ کہتے ہیں یعنی حضرت عیسیٰؑ میں ؟

عن ماء مریم او عن نفخ جبرین -
فی صورۃ البشر الموجود من طین -
تکون الروح فی ذات مطھرۃ -
من الطبیعۃ تدعوھا بسجین -

نہیں بلکہ روح تھی اللہ کی نہ اور کسی کی اس لیے زندہ کیا مردوں کو اور پیدا کیا چڑیا کو مٹی سے تاکہ صحیح ہو اُس کا نسب اُس کے اللہ سے اسی سبب سے اثر ہوتا تھا اعلیٰ چیز یعنی انسان اور ادنیٰ چیز یعنی مٹی میں -

روح من اللہ لا من غیرہ فلذا -
احیی الموات و انشاء الطیر من طین -
حتیٰ یصح لہ من ربہ نسب -
بہ یوثر فی العالی و فی الدون -

اللہ نے پاک بنایا عیسیٰؑ

اللہ طھرہ جسماً نزعہ -

کے جسم کو اور پاکیزہ کیا روھا و صیرہ مثلاً بتکوین -
عیسیٰ[۴] کی روح کو اور کیا
عیسیٰ[۴] کو ایک مثال پیدا
کرنے میں -

حضرت مسیح علیہ السلام کی چھبیس برس کی عمر تھی جب حضرت یحییٰ سے دریائے یردن میں اصطباغ پایا اور اکتیس برس کی عمر تھی جب حضرت یحییٰ کو ھیروڈ بادشاہ نے قید کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے وعظ فرمانا شروع کیا -

یہودیوں کی بارہ قومیں تھیں اس لیے حضرت مسیح[۱] نے بارہ حواری مقرر[۲] کیے مگر اُن میں سے یہودا خارج ھوا اور بعد رفع ھونے حضرت مسیح[۴] کے مقدس متی بارھویں[۳] حواری ھوئے -

یہودیوں میں سترا میووں کی ایک مجلس تھی اور سین ھدرم کہلاتی تھی اُسی تعداد کے مطابق حضرت مسیح[۴] نے ستر شاگرد اپنے منتخب کیے تاکہ وہ لوگوں کو وعظ اور نصحیت کریں -

حضرت[۴] عیسیٰ مسیح[۴] نے صرف یہودیوں کو نصحیت کی اور یہودیوں کے سوا اور کسی کو نصحیت نہیں کی اور اپنے شاگردوں کو بھی اپنی زندگی میں یہودیوں کے سوا اور کسی کو نصحیت کرنے کو

۱- لوک ۲۲-۳۰ -

۲- نام بارہ حواریوں کے -

(۱) شمعون عرف پیٹر - (۲) اندریاہ - (۳) یعقوب بن زبدی
(۴) یوحنا بن زبدی - (۵) فلپ - (۶) برتھلمی -
(۷) تھوماہ - (۸) متی باجدار - (۹) یعقوب ابن الفی -
(۱۰) لبی عرف تمدی - (۱۱) شمعون کنعانی - (۱۲) متی -

۳- اعمال ۱-۲۶ -

۴- متی ۱۰-۵، ۶، ۱۵-۲۴ -

نہیں فرمایا مگر بعد کو بہت سی قومیں حضرت پر ایمان لائیں اور خدا کی بادشاہت میں داخل ہوئیں ۔

تینتیسواں سال حضرت کی عمر کا تھا کہ یہودا ایشکر یوتی نے یہودیوں کے ہاتھ حضرت کو گرفتار کروایا اور اُنھوں نے اپنی دانست میں صلیب پر کھینچ کر ہمیشہ کے لیے مار ڈالا مگر وہ مُردوں میں سے اُٹھے اور آسمان پر گئے ۔

حواری حضرت مسیح علیہ السلام کی روح قدس[۱] سے معمور ہو کر اپنے کام میں مشغول ہوئے سب کی نصیحت ایک سی تھی اور کسی میں کچھ اختلاف نہ تھا ۔ اگرچہ عیسائی مؤرخ اس بات کو قبول نہیں کرتے مگر ہم مسلمان یقین کرتے ہیں کہ سب کی تعلیم یہی تھی ۔ کہ ایک خدا کی پرستش کرو اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یعنی روح اللہ اور کلمۃ اللہ اور رسول اللہ جانو اور اُس پر ایمان لاؤ ہم مسلمانوں کے نزدیک اُن میں سے کسی کی یہ تعلیم نہ تھی کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس تینوں غیر مخلوق ہیں اور باپ اور بیٹا اور روح القدس تینوں خدا ہیں مگر عیسائی اُس کے برخلاف ہیں اور تعجب یہ ہے کہ اُسی انجیل سے عیسائی وہ دیکھتے ہیں اور اسی انجیل سے ہم یہ پاتے ہیں ۔

اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ پہلی ہی صدی میں حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں اختلاف شروع ہوا اور یہ اختلاف ہونا ضروری تھا ۔ پیدائش اور بناوٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایسی تھی کہ وہ خود اس اختلاف کا ہونا چاہتے تھے جو شخص اُن کی ظاہری صورت کو دیکھتا تھا وہ یقین جانتا تھا کہ وہ انسان و ابن مریم ہیں اور جب یہ خیال کرتا تھا کہ وہ کسی ظاہری سبب سے پیدا نہیں ہوئے تو یقین کرتا تھا کہ وہ

۱۔ اعمال ۲ ۔ ۱ ۔ ۴ ۔

روح ہیں اور یہ ظاہری انسانی صورت صرف اس سبب سے حاصل ہوئی ہے کہ جبرئیل[۴] فرشتہ خدا کا انسان کی صورت میں خدا کا پیغام مریم کے پاس لے کر آیا ۔ اگر وہ کسی اور صورت میں لے کر آتا تو بلا شبہ حضرت عیسیٰ[۴] اسی صورت میں پیدا ہوتے اور جب کوئی شخص اُن کے اس مقتدرانہ معجزہ کو دیکھتا تھا کہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں جو خدا کا کام ہے تو اُن کو خدا اور خدا کا حقیقی بیٹا کہتا تھا پس جس شخص نے اُن کی ظاہری صورت پر نظر کیا اُس نے اُن کو نرا انسان جانا اور جس نے انسانی صورت بننے کی وجہ پر خیال کیا اُس نے اُن کو صرف روح جانا اور جس نے اُن کے معجزہ پر نظر کی اُس نے اللہ اور ابن اللہ جانا اور جس نے سب پر نظر کی اُس نے رسول اللہ اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ مانا اور ان سب چیزوں کو خدائے واحد سے جانا اور پھر سب کو ایک مانا جیسا کہ حضرت محی الدین فرماتے ہیں :

یعنی اگر نہ خدا ہوتا اور نہ ہم اللہ کے علم میں ہوتے تو یہ جو کچھ کہ ہے یہ بھی نہ ہوتا ۔	فلو لاہ و لولا نا لما کان اکان ۔
پس ہم بے شک بندے ہیں اور بے شک اللہ ہمارا مالک ہے ۔	فانا اعبد حقا و ان اللہ مولانا ۔
اور ہم وہی تو ہیں جو ہمارا مالک ہے پھر جب تو انسان کا نام لے تو جان لے کے اُس کی اصلیت کیا ہے ۔	و انا عینہ فاعلم اذا ماقلت انسانا ۔
پھر جب تجھ کو انسان	فلا تحجب بانسان فقد عطاک برھانا ۔

کہیں تو تُو شرمندہ نہ ہو
کیوں کہ تجھ کو تو دلیل دی
گئی ہے کہ تُو اور تیرا مالک
ایک ہے ۔

پس جب کہ تو بہ نظر
اصل حقیقت کے خدا ہے اور صرف
بہ سبب اُس چیز کے جس کے
سبب تجھ کو تو کہتے ہیں پیدا
کیا ہوا بندہ ہے تو تجھ کو
واسطے خدا کے رحمان ہی
ہونا چاہیے ۔

فکن حقا وکن خلقاتکن باللہ رحمانا ۔

اور خدا کی مخلوقات کا بقا
خدا ہی سے جان اور تو روح
یعنی پاک اور تمام راحت ہو ۔

و غذ خلقه منه تکن روحا وریحانا ۔

پس دی ہم نے خدا کو
وہ چیز جس سے ظاہر ہوتا ہے
خدا ہم میں اور خدا نے وہی
چیز ہم کو دی ۔

فاعطیناه ما یبد به و قینا و اعطانا ۔

پس وہ بات جس کو وجود
کہتے ہیں خدا میں اور ہم میں
بٹ گیا ۔

فصار الامر مقسوما بایاه و ایانا ۔

پس جو چیز کہ میرے دل
میں جان والی ہے اُس کو زندہ
کیا ہے جب کہ ہم کو
زندہ کیا ۔

فاحیاه الذی یدری بقلبی حین احیانا ۔

اور ہم ہی تھے اللہ کے علم میں اور ہم ہی تھے ہونے والے اور ہم ہی ہوئے ہیں۔ — وکنا فیہ اکوانا واعیانا وازمانا۔

اور ہم میں وہ چیز ہمیشہ نہیں ہے مگر اُسی نے ہم کو زندہ کیا ہے۔ — ولیس بدایم فیناو لکن ذاک احیانا۔

اس واسطے ہمارے مذہب کے بعضے اماموں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے ھولا ھو یعنی وہ انسان ہے اور انسان نہیں اگرچہ عیسائی بھی ابن اللہ کے لفظ سے اُس کے لغوی حقیقی معنی مراد نہیں لیتے جو عموماً اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں بلکہ حاصل اُن کے عقاید کا یہ ہی کہ۔ خدا ایک ہے اور وہ باپ ہے اور اُس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ مگر جب کہ خدا تعالیٰ ازلی یعنی ہمیشہ سے ہے تو چاہیے کہ اُس کی صفات بھی ذاتی ازلی ہوں اور پیدائش بھی صفات ذاتی ازلی خدا تعالیٰ میں سے ایک صفت ہے۔ اُس صفت کے سبب باپ سے بیٹا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام ازل سے صادر ہوا مگر باپ کی ذات میں یا بیٹے کی ذات میں کچھ تقسیم نہیں ہوئی بلکہ بیٹے کی ذات وہی باپ کی ذات ہے مگر اس سبب سے کہ باپ نے اپنی الٰہیہ ذات کسی اور سے حاصل نہیں کی ہے بلکہ بیٹے نے اپنی الٰہیہ ذات باپ سے حاصل کی ہے۔ باپ کو علت ازلی اور بیٹے کو معلول ازلی کہتے ہیں اور باپ پر جدا کام اور بیٹے پر جدا کام قرار پاتے ہیں اور باپ اور بیٹے میں بھی امتیاز حقیقی ہے اور اسی سبب سے بیٹے کو باپ سے رتبہ میں کم سمجھتے ہیں لیکن بہ سبب اُس کے کہ دونوں کی ذات ایک ہے بیٹا وہی خدا ہے اور خدا وہی بیٹا ہے (اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید میں جہاں فرمایا کہ لقد کفر

الـذيـن قـالـو ان الله هـو الـمسيـح ابـن مريم) اور اسی سبب باپ اور بیٹے کی مرضی میں فرق نہیں بلکه ایک ہے صرف اتنی بات ہے که باپ کی مرضی اصلی ہے اور کسی کے پاس سے آئی ہوئی نہیں اور بیٹے کی مرضی به سبب ایک ہونے کے ذات کے باپ کے پاس سے آئی - باپ کی بھیجی ہوئی ہے - اسی طرح خدا تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ایجاد بھی ایک صفت ہے - اس ازلی صفت کے سبب باپ اور بیٹے سے که اُن کی ایک ہی ذات تھی روح القدس صادر ہوا مگر باپ اور بیٹے یا روح القدس کی ذات میں کچھ تقسیم نہیں ہوئی - بلکه روح القدس کی ذات وہی باپ اور بیٹے کی ذات ہے - مگر اس سبب سے که باپ نے ذات الٰہیه کسی سے حاصل نہیں کی باپ اور بیٹا علت ازلی اور روح القدس معلول ازلی ہوا اور اسی صفت ایجاد کے سبب روح القدس کا جدا کام ہوا اور تینوں میں یہی حقیقی امتیاز ہے اور اسی سبب سے روح القدس باپ اور بیٹے سے رتبه میں کم ہے لیکن به سبب متحد ہونے ذات کے روح القدس وہی خدا ہے اور اسی سبب سے باپ اور بیٹے اور روح القدس کی مرضی میں کچھ فرق نہیں - البته اتنی بات ہے که باپ کی مرضی اصلی ہے اور روح القدس کی مرضی به سبب ایک ہونے ذات کے حاصل کی ہوئی ہے - عیسائی ان تینوں کو علٰحدہ علٰحدہ اور غیر معلول خدا نہیں مانتے بلکه اس کو شرک سمجھتے ہیں - صرف ان تینوں میں ایسا امتیاز سمجھتے ہیں جس سے الفاظ متکلم اور مخاطب کا اطلاق ہو سکے مثلاً بیٹا کہے که مَیں باپ کے پاس جاتا ہوں یا باپ نے بیٹے کو دنیا میں بھیجا ہے - مگر ایسے طرز کلام کا استعمال جائز نہیں سمجھتے جس سے وہ تمیز جاتی رہے اور باپ اور بیٹے کا متحد ہونا بلا تمیز کے پایا جاوے مثلاً یوں کہنا اُن کے نزدیک صحیح ہے که بیٹا باپ سے ہے اور یه کہنا صحیح نہیں که بیٹا باپ ہے -

اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ در باب حقیقت عیسویہ کے ہم میں اور عیسائیوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے خواہ اُس کو ابن اللہ کر کر تعبیر کریں خواہ اُس کو روح اللہ کہہ کر بیان کریں - اختلاف صرف اس قدر ہے کہ اُن میں باوجود تمیز قائم رکھنے کے ان کو خدا مانتے ہیں اور تمیز کی حالت میں بھی خدا کہتے ہیں اور باوصف قائم رکھنے اُس تمیز کے اُن کی پرستش ۔ بجا لاتے ہیں کیوں کہ اس ذات واحد مطلق کا جب کسی[1] چیز کے ساتھ کسی طرح تعلق ہو تو اس تعلق کی حیثیت سے اُس کی پرستش کرنا جائز نہیں بلکہ اس ذات واحد مطلق کی بحیثیت اُس کے اطلاق یعنی ہر طرح پر بے تعلق ہونے کے پرستش کرنی چاہیے - جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ”تو اُس کو[2] جو تیرا خدا ہے سجدہ کر اور فقط اُسی کی بندگی کر“ پس ہم مسلمانوں کا مذہب عیسائیوں کے برخلاف یہ ٹھہرا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو جس طرح چاہو اُس طرح مانو مگر الٰہیہ پرستش کا مستحق نہ جانو -

عیسائی مذہب میں جس قدر اختلاف ابتدا ابتدا میں ہوئے اس کی تاریخ ہمارے پاس نہایت تاریک ہے پھر اُس اختلاف کے منشا کو اگر ہم اپنی رائے کے بموجب قرار دیں تو بلاشبہ ہم غلطی میں ہیں کیوں کہ جس طرح ہم اُس اختلاف کو ایک بُرے منشا پر قائم کرتے ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اُس کو ایک اچھے منشا پر قائم کریں - پس جب تک کہ ہم کو خود اُنھی لوگوں کے کلام سے نہ ثابت ہو کہ اُن کا منشا اُس اخلاف میں کیا تھا اُس

۱- استثنا ۴ - ۱۵ - لغایت ۱۹ -

۲- متی ۴ - ۱۰ -

وقت تک ہم کو اپنے خیالات سے اُن کے اختلافات کا منشا قرار دینا ایک ناانصافی ہی نہیں ہے بلکہ ایک خیالی بات کو واقعی مان لینا ہے ۔ اس واسطے ہر ایک فرقہ کے اختلاف کے منشا نہ بیان کرنے میں عیسائی مورخوں کی پیروی چھوڑنے کی مجھ کو ضرورت پڑی پس میں ہر ایک مختلف فرقہ کو اور جو اُن میں اختلاف تھا اُس کو بیان کرتا ہوں ۔ مگر اس بات کے بیان کرنے سے کہ وہ اختلاف کس منشا سے واقع ہوا چپ رہتا ہوں ۔

عیسائی مورخ اس بات کے قائل ہیں کہ ابتدا سے اصلی عیسائی[1] تثلیث کے قائل چلے آئے ہیں اور باپ اور بیٹے اور روح القدس تینوں کو خدا مانتے رہے ہیں ۔ اس فرقہ کو کیتھلک نام دیا گیا ہے ۔ یعنی عام مذہب جو اصلی اور قدیم عیسائیت پر مضبوط اور مستحکم تھا ۔ مگر مسلمان مورخ اس کے برخلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ متقدمین عیسائی خدائے یکتا کے قائل تھے اور تثلیث نے صرف تیسری یا چوتھی صدی میں رواج پایا تھا ۔ بہر حال متفق گواہی سے اس قدر ثابت ہے کہ ابتدا ہی سے عیسائیوں میں ایسے فرقے بھی تھے جو یکتائی خدا کے قائل تھے جیسا کہ آگے آنے والے بیانوں سے ظاہر ہوتا ہے ۔

عیسائی مورخ اس بات کے قائل ہیں کہ پہلی صدی میں ایک فرقہ تھا[2] جو حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ حقیقۃً خدا مانتا تھا اور نہ حقیقۃً انسان کہتا تھا بلکہ خدا کا بیٹا (یعنی روح اللہ) اور پیغمبر یعنی (رسول اللہ) مانتا تھا ۔

اسمٰعیل ابوالفدا اپنی تاریخ میں اس فرقہ کا عانانیہ نام بتاتا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ ”اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ[4] کی تمام نصیحتیں

۱- فرقہ کا تہلک ۔

۲- موشم مطبوعہ ۱۸۶۰ء ، ص ۴۶ دفعہ ۶ ۔

اور اشارات مانتے ھیں اور کہتے ھیں کہ آپ نے خلاف توریت کے کبھی کوئی حکم نہیں دیا بلکہ اسی کے احکام کو مضبوط کیا اور لوگوں کو توریت ھی کی ترغیب فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثل اور نبیوں کے نبی تھے جو توریت کو مانتے چلے آئے ھیں مگر یہ فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں کہتا ۔"[1]

عیسائی مورخوں کے بیان کے بموجب اسی صدی میں ایک فرقہ تھا جوای پو کلپٹی کل نکولی ٹنز کہلاتا تھا ۔ اور ایک اور فرقہ اسی صدی میں تھا جو نکولی ٹنز پکارا جاتا تھا اور وہ اس شخص کے پیرو تھے جس کا نام نکولاس تھا بعض مورخوں نے ان دونوں فرقوں کو ایک سمجھا ھے بہر حال یہ لوگ توریت کے احکام کو مانتے تھے اور اپنے تئیں[2] تھیودس کا جو سینٹ پال کے شاگرد تھے اور مقدس متی کا جو حواری تھے پیرو بیان کرتے تھے ۔

ان فرقوں کا مقدس کتابوں میں ذکر ھے اور ان کی بعض غلطیاں بھی مذکور ھوئی ھیں مگر ان میں سے کوئی بھی غلطی اعتقادات سے متعلق نہیں ھے صرف زنا کاری[3] اور بتوں کے چڑھاوے کے گوشت کھانے کا اعتراض ھے پھر میں نہیں سمجھتا کہ پچھلے مورخوں نے کس طرح ان کے اعتقادات پر برخلاف مقدس کتابوں کے الزام لگایا ھے ۔

عیسائی مورخ بیان کرتے ھیں کہ یہ لوگ حشر اجساد[4] کے قائل نہ تھے اور اکثر ان میں کے کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم مادی نہ تھا اور اسی سبب سے انھوں نے کہا

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۹۴ دفعہ ۱۵ ۔
۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۷۴ دفعہ ۸ ۔
۳- مشاھدات ۲ - ۶ ، ۱۴ اعمال ۱۵ - ۱۹ ۔
۴- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۹۴ دفعہ ۵ ، ۶ ۔

کہ حضرت عیسیٰ[ؑ] ہمارے لیے صلیب پر نہیں کھینچے گئے -

عیسائی مورخوں کی گواہی سے ثابت ہے کہ یہ فرقے پہلی صدی میں بلکہ دوسری صدی کے شروع تک کبھی گرجا سے جدا نہیں ہوئے - مگر بعد کو جدائی ہوئی - موشم صاحب[1] اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ”جن لوگوں نے یہودی احکام شریعت کو نجات ابدی قائم رکھنے کے لیے ضرور جانا وہ پہلی صدی میں اس قدر دور نہ نکل گئے تھے جس سے ایسے لوگوں سے جو مختلف طور سے خیال رکھتے تھے - مذہبی ملاپ نہ رکھا ہو البتہ وہ بھائی گنے جاتے تھے مگر کمزور تر بھائی -“

اس صدی میں[2] ایک فرقہ تھا جو سرنتھس کی پیروی کرتا تھا - اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت نیک اور پاک آدمی تھے - جو یوسف اور مریم سے معمولی طور پر پیدا ہوئے تھے خدا تعالیٰ نے ایک پاک روح کو جس کا نام مسیح[ؑ] تھا فاختہ کی شکل میں اُن میں ڈال دیا - جب صلیب پر کھینچنے کے لیے یہودیوں نے گرفتار کیا تب مسیح[ؑ] نکل کر آسمان پر چلا گیا اور یہودیوں نے اُس آدمی کو جس کا نام عیسیٰ[ؑ] تھا مار ڈالا - اس فرقے کو بھی عیسائی مورخوں نے عیسائی فرقوں میں شمار کیا ہے - مگر در حقیقت یہ بڑی غلطی کی ہے - کیوں کہ اس فرقہ کو کافروں میں داخل کرنا چاہیے نہ عیسائیوں میں -

اسماعیل ابوالفدا ایک اور فرقہ کا ذکر کرتا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ روح اللہ اور نہ کلمۃ اللہ مانتے تھے اور نہ نبی جانتے تھے بلکہ ایک بزرگ اور نیک بخت آدمی خیال کرتے تھے جو معمولی طریقے سے پیدا ہوا تھا اور انجیل کا بطور

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۵۰ - ۱۷ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۴۹ دفعہ ۱۶ -

وحی کے حضرت مسیح[4] پر اُترنا تسلیم نہیں کرتے تھے میں کبھی رضا مند نہیں ہو سکتا کہ یہ فرقہ عیسائیوں میں شمار کیا جاوے بلکہ ضرور کافروں میں داخل رہے -

اسی صدی میں یا دوسری صدی کے شروع میں[1] ای بی اونیٹس ایک فرقہ تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو پیغمبر خدا اور روح القدس سے موید یقین کرتے تھے مگر عیسائی مورخ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ[4] کو یوسف[4] اور مریم کا بیٹا معمولی طور سے جانتے تھے اگر یہ بات سچ ہو تو کسی طرح وہ عیسائی فرقوں میں داخل نہیں ہو سکتے - بلکہ کافروں میں شمار ہوں گے مگر میں اس میں نہایت شک رکھتا ہوں کہ اس فرقے کے پاس اور اس فرقے کے پڑوس جو نظارین یعنی ناصری یا نصرانی کہلاتا تھا ایک سی انجیل نہ تھی اور یہ خیال کرنا کہ وہ انجیل ہماری موجودہ انجیل سے مختلف تھی ہرگز صحیح نہیں ہے - کچھ شبہ نہیں ہے کہ اُن کے پاس مقدس متی کی اصلی عبرانی انجیل تھی - نہایت درجے پر یہ بات ہے کہ اس میں پہلا باب نہ تھا مگر جب کہ نظارین اسی انجیل سے یقین کرتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک کنواری سے پیدا ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ای بی اونیٹس کیوں اُن سے مختلف تھے - بہرحال اگر اُن کا اعتقاد ایسا ہو جیسا کہ نظارین کا تھا تو میں اُن کو عیسائی فرقوں میں داخل رکھنے سے رضامند ہوں -

نظارین بھی اسی زمانے کا ایک فرقہ تھا حقیقت میں یہ نام[2] کسی خاص فرقے کا نہ تھا بلکہ عیسائی اور نظارین کے ایک معنی تھے - جن لوگوں کو یونانی لوگ عیسائی کہتے تھے اُنھی لوگوں

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۷۵ — ۲ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۷۵ — ۲ -

کو یہودی حقارت سے نظارین یعنی ناصری یا نصرانی کہتے تھے ۔ یہ فرقہ حضرت مسیح علیہ السلام کو روح اللہ اور کنواری کے پیٹ سے ہونے کا یقین کرتے تھے اور یہودی شریعت کے احکام کو ایک معتدل طور پر استعمال میں لاتے تھے ۔ ان لوگوں نے نظارین ہی اپنا نام رہنے دیا کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر بھی یہی نام رکھا گیا ۔

ایک اور فرقہ تھا جو نوئی ٹس سمرنا والہ کا پیرو تھا[1] وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ خود خدا نے جو درحقیقت یکتا اور قیاس سے باہر ہے اور جو باپ کہلاتا ہے ایک آدمی میں جو عیسیٰ[4] ہے اور بیٹا پکارا جاتا ہے ۔ حلول کیا تھا ان لوگوں کا نام پیٹری پیشینز رکھا گیا تھا یعنی وہ لوگ جو مانتے تھے کہ خود خدائے یکتا نے جسم انسانی میں حلول کیا ہے نہ الٰہیت کی تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز نے ۔

ایک اور فرقہ تھا جو سبیلیس کا پیرو تھا ۔[2] وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ خدا کی الٰہیت کا ایک حصہ نکل کر انسان بیٹے خدا یعنی حضرت عیسیٰ[4] میں آ ملا تھا اور روح القدس الٰہیت کا ایک ویسا ہی جزو ہے ۔

سنہ ۲۴۴ء میں ایک اور فرقہ تھا جو بلمس کی پیروی کرتا تھا ۔[3] وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ[4] کا اپنے پیدا ہونے سے پہلے خدا کے سوا کچھ وجود نہ تھا جب حضرت عیسیٰ[4] پیدا ہوئے تو ایک روح خدا سے نکل کر ان میں آن ملی کہ وہ

۱۔ موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۱۰ — ۱۲ ۔
۲۔ موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۱۱ — ۱۳ ۔
۳۔ موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۱۱ — ۱۴ ۔

ایک جزو الہیت تھی اور اسی واسطے حضرت عیسیٰؑ کی روح اور آدمیوں کی روح سے اعلیٰ تھی -

سنہ ۲۶۹ء میں ایک اور فرقہ تھا جو پال سیموسٹا والے کی پیروی کرتا تھا -[1] اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ بیٹا اور روح القدس خدا میں اس طرح پر تھے جیسے انسان میں عقل اور قوت محرکہ اور عیسیٰؑ صرف آدمی پیدا ہوئے تھے مگر باپ کی دانائی اُن میں اُتر آئی اور اسی سبب سے ممکن ہے کہ عیسیٰؑ کو خدا کہہ سکیں - گو ٹھیک مناسبت نہ ہو - حاصل یہ کہ ان لوگوں نے خدا کو یکتا ہی مانا اور بیٹے کا اور روح کا ہونا بھی مانا یہ فرقہ پالی نیز کہلاتا ہے -

جو لوگ تثلیث کے قائل تھے اُن میں ایک اور فرقہ تھا جو نووی شین کہلاتا تھا -[2] اُن کے اصول اور کاتھلک کے اصول مذہب میں کچھ فرق نہ تھا صرف اتنا تفاوت تھا کہ یہ فرقہ اُن لوگوں کو جو بعد عیسائی ہو جانے کے اُن اعتقادات میں مبتلا ہوتے تھے ، جن کو ان لوگوں نے غلط ٹھہرا رکھا تھا ، تو پھر اُن کو اپنے گرجے میں داخل نہ کرتے تھے - مگر نجات سے نا اُمید بھی نہ رکھتے تھے یہ لوگ کیتھری یعنی پاک لوگ کہلاتے تھے ان کا یہ قاعدہ تھا کہ کیتھولک والے جو ان کے فرقے میں آتے تھے اُن کو دوبارہ عیسائی کرتے تھے اور اصطباع دیتے تھے -

عیسائی مورخین کا قاعدہ ہے کہ جو لوگ اُلوہیت حضرت مسیح علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اُن سب کو ناستک کا لقب دیتے ہیں اور جو لوگ خدا میں تین چیزوں کے ہونے کا

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۱۲ — ۱۵ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۱۲ — ۱۷ - ۱۸ -

انکار کرتے ہیں اُن کو یونی‌ٹیرین کہتے ہیں، یعنی یکتائی خدا کے ماننے والے اور جو لوگ تثلیث کے قائل ہیں اُن کو ٹیرینی‌ٹیرین کہتے ہیں اور کرسچین یعنی عیسائی ان ہی لوگوں کو جانتے ہیں -

ان تینوں صدیوں میں تثلیث کی سب باتوں کی نسبت کوئی کافی تصفیہ نہ ہوا تھا -[1] اس لیے چوتھی صدی میں یعنی سنہ ۳۱۷ء میں تثلیث کے باب میں ایک بہت بڑا جھگڑا اُٹھا اب تک صرف اتنی بات مانی گئی تھی کہ باپ اور بیٹے میں ایک اصلی تفاوت ہے اور اُن دونوں میں روح قدس میں بھی ایک اصلی تفاوت یعنی الوہیت میں تین جُدی جُدی چیزیں ہیں مگر ان تینوں چیزوں میں جو آپس میں علاقہ ہے اور جو اصلی تمیز ہے اُس پر کچھ بحث نہ ہوئی تھی مصر کے اور اُس کے قرب و جوار کے عیسائی اور جن کے قول کی پیروی کرتے تھے اُس کا قول یہ تھا کہ بیٹا خدا میں ایسا تھا جیسی کہ انسان میں عقل اور روح قدس بجز الٰہیہ قوت کے جس سے معجزے ہوتے تھے اور کچھ نہ تھی اور اگر اس قول میں کچھ تاویل نہ کی جاوے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ الوہیت میں جو تین چیزیں ہیں اُن میں کچھ تمیز یا علیحدگی نہیں ہے جیسی کہ سبلنز کا مذہب ہے -

الگزنڈر بشپ سکندریہ نے اس سے اختلاف کیا[2] اور یہ ٹھہرایا کہ بیٹا نہ صرف ویسا ہی درجہ رکھتا ہے جیسا کہ باپ رکھتا ہے بلکہ اصلیت میں بھی اُس کے برابر ہے -

مگر ایریس نے جو اُسی گرجے کا ایک عہدہ دار تھا الگزنڈر کے قول کو نہ مانا اور یہ کہا کہ بیٹا باپ سے بلکہ اصلیت میں جدا ہے بلکہ وہ خدا کی مخلوقات میں جن کو خدا نے بغیر کسی

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ٦٠ — ۹ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ٦٠ — ۱۰ -

چیز کے پیدا کیا تھا نہایت عمدہ اور سب سے اول مخلوق ہے اور اُس کے ذریعے سے تمام دنیا کو پیدا کیا اس لیے باپ سے اصلیت میں اور درجے میں دونوں میں کم تر ہے اور نسبت روح قدس کے جو اُس کی رائے تھی وہ اچھی طرح معلوم نہیں۔

یہ اختلاف بہت بڑھ گیا اور یوسیبیس بشپ نکومیڈیا کا اور اور بہت مشہور اور ذی استعداد عالم ایریس کی رائے کے شریک ہو گئے اس لیے سنہ ۳۲۵ء میں شہنشاہ کانسٹین ٹین یعنی قیصر قسطنطین نے مقام نئیس واقع بتھنیا میں گرجے کی کونسل مقرر ہونے کا حکم دیا اس کونسل میں ایریس کی رائے رد کی گئی اور یہ مانا گیا کہ عیسیٰ[۴] باپ کی اصلیت کے برابر ہیں اور سب کو حکم ہوا کہ جو اس کونسل نے اعتقاد ٹھہرایا ہے اُسی کو قبول کریں مگر سنہ ۳۳۰ء میں پھر ایریس اور اُس کے اعتقادات کا نشو و نما شروع ہوا۔ یہاں تک کہ سنہ ۳۵۷ء میں بعہد بادشاہت کانسٹین ٹین کے لیے بیریس رومی پوپ کو جبراً اسی عقیدے پر لایا گیا۔ مگر سنہ ۳۶۴ء میں نئیس کی کونسل والا عقیدہ شہنشاہوں کی مدد سے پھر چمک گیا۔

کونسل نئیس کے بعد ایریس والے فرقے میں بھی باہم اختلاف ہو گیا تھا[۱] اور یہ سبب زیادہ تر اُن کی مغلوبی کا ہوا بعضوں نے آن متی سے صاف صاف بیان کیا کہ بیٹا باپ سے پیدا نہیں ہوا اور نہ کسی چیز میں سے بنایا گیا۔ بعضوں نے یہ قرار دیا کہ بیٹا خدا باپ سے اصلیت میں مشابہت رکھتا ہے، خاصیت میں مشابہت نہیں رکھتا۔

ان فرقوں کے مقابلہ کو ایک اور نیا فرقہ پیدا ہوا۔[۲] جو

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ۱۶۶ — ۱۶ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ۱۶۷—۱۷ -

بشپ اپال لی نیرس کا تابع تھا - اُنھوں نے یہ عقیدہ ٹھہرایا کہ عیسیٰ [ؑ] نے صرف ایک ایسا انسانی جسم اختیار کیا تھا کہ جس میں ظاہری جان یعنی روح حیوانی تو تھی مگر فہم نہ تھا یعنی نفس ناطقہ نہ تھا - الٰہی خاصیت بطور نفس ناطقہ اُس میں مل گئی اس قول کا نتیجہ یہ ھوا کہ الٰہی خاصیت نے جسم انسانی میں حلول کیا تھا -

سنہ ۳۴۳ء میں ایک اور فرقہ پیدا ھوا جو فوتی نس بشپ سرمی ام کے پیرو تھے -[۱] اُس نے یہ اعتقاد کیا کہ عیسیٰ مسیح [ؑ] کنواری مریم سے روح قدس کے ذریعہ سے پیدا ھوا اور ایک الٰہیہ نور جس کو وہ لفظ پکارتا ھے اُس میں شامل ھوگیا اور اس سبب سے کہ وہ لفظ عیسیٰ [ؑ] انسان سے مل گیا تھا عیسیٰ [ؑ] کو خدا اور بیٹا خدا کا کہا جاتا ھے اور روح قدس صرف ایک قوت ھے جو خدا سے نکلی ھے نہ کسی جسم سے مگر یہ فرقہ بہت زیادہ پھیلنے نہیں پایا اور سنہ ۳۷۲ء میں فوتی نس جلا وطنی کی حالت میں مر گیا -

سنہ ۳۶۰ء میں میسی ڈونیس نے ایک اور فرقہ کی بنیاد ڈالی -[۲] جو نیوسی ٹومیشی کہلاتا ھے - اُس نے بیان کیا کہ روح قدس ایک الٰہیہ قوت ھے جو دنیا میں پھیلائی گئی ھے اور روح قدس باپ اور بیٹے سے کوئی جدا چیز نہیں ھے -

چوتھی صدی کے آخیر میں ایک فرقہ پیدا ھوا -[۳] جو کولی ری ڈینس پکارا جاتا ھے - ان لوگوں نے باپ اور بیٹے کے سوا حضرت مریم کو بھی خدا مانا تھا -

---

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۶۸—۱۹ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۶۸—۲۰ -

۳- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۱۷۰—۲۵ -

ان جھگڑوں کے سوا پانچویں صدی میں ایک اور نیا جھگڑا برپا ہوا[۱] اور یہ خیال کیا گیا کہ پچھلی بحثوں سے یہ بات تو طے ہوگئی کہ عیسیٰؑ حقیقت میں خدا تھا اور حقیقت میں انسان بھی تھا ۔ مگر اسباب میں کہ یہ دونوں خاصیتیں کس طرح شامل ہوگئیں اور ان کا نتیجہ کیا ہے ۔ کچھ بحث نہیں ہوئی اور نہ کوئی فیصلہ کونسلوں کا اسباب میں ہے ۔ اس لیے بعض عیسائی اس طرح پر گفتگو کرتے تھے جس سے پایا جاتا تھا کہ ابن اللہ اور ابن آدم میں بہت فرق ہے اور عیسیٰؑ میں دونوں جسم ہیں اور بعض عیسائی ابن اللہ اور ابن آدم کو ملاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں دونوں خاصتیوں کو شامل کر کر ایک مرکب خاصیت بناتے تھے ۔ نستوریس نے پہلی رائے کی طرفداری کی اور جو لوگ آس کے مطیع ہوئے آن کا نام نستور نیز ہوگیا ۔ اس تنازع سے پہلے بعضے عیسائی حضرت مریم علیہ السلام کو خدا کی ماں کہا کرتے تھے مگر اس فرقہ نے حضرت مریم کو خدا کی ماں کہنا چھوڑ دیا اور حضرت مریم کو عیسیٰؑ کی ماں کہا کیوں کہ نہ خدا پیدا ہوسکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے پس صرف بیٹا انسان مریم سے پیدا ہوا تھا ۔

پھر اس فرقہ میں بھی باہم اختلاف تھا ۔[۲] بعضے کہتے تھے کہ جس طور سے عیسیٰؑ کی دونوں خاصتیں ملی ہیں بالکل نا معلوم ہے بعضے کہتے تھے کہ بجز اس کے کہ خدا کی مرضی اور آس کی شان اور کام مل گئے ہیں اور کچھ نہیں ملا ہے مگر یہ نا اتفاقی چند روز میں جاتی رہی اور یہ قرار پایا کہ حضرت عیسیٰؑ میں دو جسم ہیں ایک الٰہیہ جو خدا ہے اور دوسرا انسانی جو جسم عیسیٰؑ

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ۱۹۹—۵ -

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ۲۰۳—۱۲ -

ہے ان دونوں سے ایک شکل بنی ہے اور یہ شمول حمل کے لحظہ سے ہوا اور یہ کبھی ختم نہ ہوگا کیوں کہ یہ شمول جسموں کا سا شمول نہ تھا بلکہ صرف مرضی اور محبت کا شمول تھا۔ اس لیے عیسیٰ[4] کو خدا سے جو عیسیٰ[4] میں اس طرح پر تھا، جیسے کہ اپنے معابد میں خبرداری سے تمیز کرنا چاہیے اور مریم[4] کو خدا کی ماں نہ کہنا چاہیے۔ بلکہ عیسیٰ[4] کی ماں کہنا چاہیے۔

سنہ ۴۴۸ء میں یوتائی چس[1] نے گویا حضرت مسیح[4] کی انسانیت سے انکار کیا اور یہ کہا کہ عیسیٰ[4] میں صرف ایک خاصیت ہے یعنی خاصیت خدا جو آس میں اوتار ہوا ہے یعنی خدا نے آس میں حلول کیا ہے اور سنہ ۴۴۹ء کی کونسل میں جس کو شہنشاہ تھیوڈوسیس نے جمع کیا تھا یہ مذہب ایک حکمت سے فتح مند ہوگیا مگر سنہ ۴۵۱ء کی کونسل میں جس کو شہنشاہ مارسین نے بنام کیسلی ڈن جمع کیا تھا پھر مغلوب ہوا اور یہ بات تصفیہ پا گئی کہ عیسیٰ مسیح[4] میں ایک جسم ہی تاہم دو علیحدہ علیحدہ خاصیتیں ہیں جو نہ کسی طرح سے مرکب یا باہم آمیز ہیں۔

چھٹی صدی میں درباب جسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سکندریہ میں ایک اور جھگڑا برپا ہوا۔[2] جولین ہیلی کارنیس والے نے ۵۱۹ء میں رائے قائم کی کہ الٰہیہ خاصیت نے عیسیٰ[4] کے جسم میں حمل کے لحظہ سے اپنے تئیں اس طرح شامل کیا تھا کہ اس جسم نے اپنی خاصیت کو تبدیل کیا اور انسانی خرابیوں سے وہ جسم آزاد ہوگیا جو لوگ اس رائے کے پیرو تھے وہ کی ای نسٹس کہلاتے تھے۔

مگر ان میں بھی تین فرقے ہو گئے تھے دو فرقے اس سوال پر

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ۲۰۴-۱۳-

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء، ص ۲۳۷-۸-

کہ آیا عیسیٰؑ کا جسم پیدا ہوا تھا یا پیدا نہ ہوا تھا ۔ متفق نہ تھے اور تیسرا فریق یہ کہتا تھا کہ عیسیٰؑ کا جسم خرابی اور زوال انسانی سے البتہ آزاد نہ تھا مگر بہ سبب الٰہیہ خاصیت کے اثر کے حقیقت میں اُس کو زوال یا خرابی نہ آئی جو لوگ جولین کی رائے سے متفق تھے ۔ ایف تھارٹو دوسیٹی اور دوسیٹی اور فین تی سی السٹی اور مینی شیز پکارے جاتے تھے کس واسطے کہ اُن کی رائے سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ عیسیٰؑ نے حقیقت میں نہ اذیت اُٹھائی اور نہ بھوک کی خواہش معلوم کی اور نہ سویا اور نہ انسان کی دیگر خواہشوں کو عمل میں لایا مگر یہ کہ عیسیٰؑ صرف ظاہر میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا اُس نے اذیت اُٹھائی اور سویا اور بھوک اور پیاس وغیرہ معلوم کی ۔

بعضوں نے ان دونوں راؤں کے سوا تیسری رائے اختیار کی اور کہا کہ حضرت عیسیٰؑ نے انسان کی تمام معمولی باتوں کو در حقیقت سہا مگر یہ اس سبب سے نہ تھا کہ اُس میں الٰہیہ خاصیت کا اثر نہ تھا بلکہ اُس نے اپنی مرضی سے ان سب باتوں کو اختیار کیا تھا ۔

فرقہ کرب ٹیکولی نے[1] یہ بھی رائے دی کہ عیسیٰؑ الٰہیہ کی خاصیت جس طرح تمام چیزوں سے پر آگاہ ہے اسی طرح اُس کی انسانی خاصیت بہت سی چیزوں سے نا واقف ہے اُن پر الزام دیا گیا کہ وہ لوگ الٰہیہ خاصیت کو جہالت میں شریک کرتے ہیں ۔

فرقہ ٹری تھی اسٹس[2] نے یہ کہا کہ خدا میں تعداد کی رو سے تین چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور سب کاملیت میں برابر ہیں اور کوئی عام علامت اصلیت کی ملی ہوئی نہیں ہے ۔

۱- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۲۳۷ — ۹ ۔

۲- موشم مطبوعہ سنہ ۱۸۶۰ء ، ص ۲۳۸ — ۱۰ ۔

فرقہ ڈیمی ای نسٹس الٰہیہ خاصیت میں اور باپ اور بیٹے اور روح قدس کے تین جسموں میں تمیز کرتے تھے - یعنی وہ ہر ایک جسم کے خود اور خاصیت میں خدا ہونے سے منکر تھے بلکہ یہ کہتے تھے ایک نامنقسم شرکت کی رو سے جس میں ہر ایک خدا تھا - یہ تین جسم ایک عام الٰہیت رکھتے تھے اور باپ ، بیٹے اور روح قدس پر جسموں کا اطلاق کرتے تھے اور جو کچھ کہ اُن جسموں میں عام شے تھی اُس کو خدا اور اصلیت اور خاصیت کہتے تھے -

یہ اختلافات جن کا اثر اُس چیز پر پہونچتا تھا جس سے نجات ابدی حاصل ہوتی ہے ایسے بڑھ گئے تھے کہ اُن کا اصلی اور سچی بات پر ختم ہونا بغیر اس کے کہ خدا کی طرف سے کچھ ہدایت ہو ممکن نہ تھا - اس لیے ضرور ہوا کہ وہ نبی جس کا ذکر موسیٰؑ نے کیا اور جس کی خبر عیسیٰؑ نے دی ، ظاہر ہو اور ان تمام جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور سب کو راہ راست بتاوے - چناں چہ سنہ ۶۱۲ء میں وہ آخری نبی ظاہر ہوا جس نے تمام اندھیروں کو اُجالا کیا اور جس طرح پر سچائی سے خدا اور حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانا چاہیے اُس کو بتایا -

اللھم صل و سلم دایما ابدا
علی نبیک خیر الخلق کلھم

یادداشت

نسبت ترقی حیثیت اراضی و امداد کاشتکاران و تقرر بنک ہائے زراعتی

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲ جون ۱۸۸۳ء)

یہ مضمون خالص ٹیکنیکل نوعیت کا ہے اور اسے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سر سید کو مذہبی ، ادبی اور علمی امور کے علاوہ پیشہ ورانہ امور پر بھی کس قدر مہارت حاصل تھی اور وہ انھیں کس طرح بخوبی ادا کر سکتے تھے - (محمد اسماعیل پانی پتی)

اس یادداشت میں پانچ حصے شامل ہیں :

(۱) ترقی اراضی پر -
(۲) کاشت کاروں کی حالت پر بھی بہ لحاظ اُن کے لین دین کے مہاجنوں کے ساتھ -
(۳) زراعتی بنکوں کے تقرر پر -
(۴) قحط کی نسبت بعض رائیں -
(۵) مروجہ قوانین میں بعض ترمیموں کے کرنے اور جدید قوانین کے اجرا کی ضرورت پر -

حصہ اول

۱- زمین کی حیثیت کی ترقی تین طریقوں میں ہو سکتی ہے :

اول - آب پاشی کے ذریعوں کے قائم کرنے سے -
دوم - آب پاشی کے واسطے سہولتوں کے مہیا کرنے سے -
سوم - زمین کی قوت پیداوار کے قائم رکھنے یا اُس کو ترقی دینے سے -

۲- پہلے امر کی نسبت میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جن مقامات میں نہروں کے ذریعہ سے آب پاشی ناممکن ہے وہاں زمین کی حیثیت کو ترقی دینے اور ملک کو قحط کی مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کے واسطے صرف کنوؤں کا ایک ذریعہ ہے - صرف وہ بات جس میں بحث کی گنجائش ہے وہ طریقہ ہے جس میں کنوئیں ان مقامات میں بنائے جا سکتے ہیں جہاں ان کی ضرورت ہو اور اُس میں تین امر کی بحث لازم آتی ہے :

اول - قسم کنوؤں کی بہ لحاظ اُس طریقہ کے جس میں وہ بنائے جا سکتے ہیں اور بہ لحاظ اُس سرمایہ کے جس کے ذریعہ سے وہ بنائے جاویں -
دوم - اُن کا موقع اور لاگت اور یہ کہ اُن سے کس قدر فائدہ حاصل ہوگا -
سوم - اور متعلق اُن شخصوں کے جو کنوؤں سے فائدہ اُٹھاویں -

۳- نسبت امر اول کے کنوئیں چار اقسام میں منقسم کیے جا سکتے ہیں :

(الف) وہ کنوئیں جو ایک زمین دار یا کاشت کار نے خاص اپنے سرمایہ سے اور خاص اپنی مرضی سے بنائے ہوں -
(ب) وہ کنوئیں جو ایک زمین دار یا کاشت کار نے اُس

قرضہ سے جو اس مقصد کے واسطے لیا گیا ہو
اس معاہدہ کی رو سے بنائے ہوں کہ وہ اصل اور
نیز سود کو ادا کرے گا - یا

(ج) وہ کنوئیں جو ایک قرضہ سے بموجب اس معاہدہ کے بنائے گئے ہوں کہ وہ عوام کے واسطے صرف سود ادا کیا کرے گا -

(د) وہ کنوئیں جو گورنمنٹ یا کسی مجاز کمیٹی نے ایک لازمی طریقہ میں بنائے ہوں -

۴- مذکورہ بالا امر دوم کی نسبت بہت کچھ بحث و گفتگو ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے بہت سی رپورٹیں لکھی گئی ہیں جو اس قسم کے کنوؤں کی لاگت اور جس قدر رقبہ میں اُن کے ذریعہ سے آب پاشی ہو اور جو منافع اُن سے حاصل ہو اُس کے تخمینہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے نہایت مختلف ہیں - میں خیال کرتا ہوں کہ آنریبل مسٹر کننگ ہیم نے یہ صحیح رائے ظاہر کی ہے کہ ''کنوئیں کی لاگت مختلف مقامات میں مختلف ہوگی اور جس قدر رقبہ میں اُس کے ذریعہ سے آب پاشی ہو سکے گی اُس کی مقدار پانی کے سطح کے قریب ہونے اور پانی کی مقدار اور فصل پر جس کی آب پاشی کی جاوے اور زمین کے پیاسے ہونے پر منحصر ہوگی -'' پس مجھ کو کنوؤں کی لاگت اور اُن کی فائدہ مندی کے ایک ایسے عام تخمینہ کے امکان کی نسبت شبہ ہے جو تمام مقامات میں تمام کنوؤں سے برابر متعلق ہو سکے -

۵- آنریبل مسٹر کننگ ہیم نے اپنی یادداشت میں اور صاحب سکرٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب و اودھ نے اپنی چٹھی نمبر ۳۵۰۳ حرف اے ، مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۷۸ء میں اس بات کو نہایت ضروری سمجھا ہے کہ زمین کنوؤں کے بنانے کے لائق ہو

اور اُن کے واسطے ہوشیاری کے ساتھ موقعے منتخب کیے جاویں - چناں چہ آنریبل مسٹر کننگ ہیم بیان کرتے ہیں کہ :

” یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تمام عمدہ مقامات پہلے ہی سے لے لیے گئے ہیں اور جن قطعات میں اب کنوئیں نہیں ہیں وہ وہ قطعات ہیں جن میں کاشت کاروں کو کنوؤں کا بنانا ناممکن یا غیر منفعت بخش معلوم ہوا ہے - کیا اس بات کا گمان ہے کہ گورنمنٹ کو اُن کی بہ نسبت زیادہ تر کام یابی حاصل ہوگی ؟ جن صورتوں میں بعض مقامات میں اور مقامات کی بہ نسبت کنوؤں کا کھودنا زیادہ تر دشوار معلوم ہوا اُن کی نسبت کیا اطلاع حاصل ہے ؟ کیا کسی سر رشتہ یا کسی عہدہ دار کو اراضی کے مسئلہ کی نسبت یا جن طبقات اراضی سے پانی نکلتا ہے اُن کی خاصیت اور حالت کی نسبت باقاعدہ واقفیت حاصل ہے ؟ کیا سر رشتہ تعمیرات بذریعہ کسی آلہ کے جو زمین کی تہوں کی خبر دے یا کسی سادہ اوزار کے پہلے سے یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ایک پکا کنواں کس مقام پر بنایا جا سکتا ہے - یہ یقین کیا جاتا ہے کہ دریائے گنگ کی وادی میں پانی ہر ایک مقام میں پایا جا سکتا ہے اور صرف برمہ کے لگانے اور پانی کے نکل آنے سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی ہے - ممکن ہے کہ پانی سوت میں سے آتا ہو یا وہ کوئی رستا ہوا ایک سوراخ ہو - علاوہ اس کے کنوئیں کے بنانے میں خاص مشکل اندر کی مٹی کی نرمی یا سختی سے پیدا ہوتی ہے - اس بات کا معلوم کرنا ضروری ہے کہ اُس ریتیلے طبق کی گہرائی کس قدر ہے

جس میں سوت لگایا جاوے گا اور آیا ریت مضبوط اور خشک ہے یا ڈھیلا اور تر مثل بالو کے ہے - کیا سر رشتہ تعمیرات کے پاس اس قسم کے آلات ہیں جن کے ذریعہ سے یہ اطلاع حاصل ہو - اگر موجود ہیں تو کیا کوئی ناواقف شخص اُن کو استعمال کر سکتا ہے یا صرف سر رشتہ مذکور کے تجربہ کار عہدہ دار اُن کو استعمال کر سکتے ہیں؟ اور کیا سر رشتہ مذکور اس قسم کے چند عہدہ دار سر رشتہ سول کو ایسے کنوؤں کے واسطے موقعوں کے منتخب کرنے کی غرض سے مستعار دے سکتا ہے -"

۶- صاحب سکرٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب نے اپنی چٹھی مذکورہ بالا میں یہ بیان کیا ہے کہ جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کو نسبت اندازہ اُسی ضرورت کے جو کنوؤں کی تعمیر کے واسطے ظاہر کی جاتی ہے، بہت کچھ اختلاف رائے اور نسبت طریقہ اور لاگت تعمیر کنوؤں کے بہت کچھ مشتبہ قیاسات اور نسبت اس امر کے کہ کس درجہ تک کنوؤں کی ضرورت ہے اور کس مقام پر اُن کی سب سے زیادہ حاجت ہے قریباً کامل لا علمی معلوم ہوئی ہے - پس اسی وجہ سے جناب ممدوح نے یہ تجویز کی کہ "صوبہ کے مختلف حصوں میں دو ایسے قطعات جن میں ایک یا ایک سے زیادہ دیہات گورنمنٹ کے زیر اہتمام ہوں اور اس بات پر یقین کرنے کے لیے بادی النظر میں وجوہات معلوم ہوں کہ کنوئیں مناسب لاگت پر بنائے جا سکتے ہیں اور اُن سے کاشت کاروں کو فائدہ حاصل ہو سکتا ہے منتخب کیے جاویں -" جناب ممدوح کی رائے میں اس معاملہ کی نسبت خاص تحقیقاتوں کا کرنا معلوم ہوتا ہے - گو جناب ممدوح اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ زمین کے

ایک قطعہ کی ضرورتوں سے واقف ہونا ایک دوسرے قطعہ کی ضرورتوں سے واقف ہونے کے واسطے گو وہ آسی کے آس پاس کیوں نہ واقع ہو ایک کافی رہ نما نہیں ہے ۔ جناب ممدوح خیال فرماتے ہیں کہ جن امور کی نسبت اس قسم کی تحقیقات کرنی چاہیے وہ یہ ہیں ''گہرائی جس پر پانی نکلے گا ۔ افراط پانی کی ۔ حالت آس طبق زمین کی جو کھودا جاوے یا جس میں پانی واقع ہو ۔ خاصیت خاص پانی کی ۔ لاگت اور رسد سامان اور مزدوری کی ہر ایک مقام میں ۔ وسعت کنوئیں کی جو آس مقام کے نہایت مناسب ہو ۔ قسم زمین کی جس میں آب پاشی کی جاوے ۔ قسم فصل کی جو آس میں پیدا ہو ۔ قسم کاشت کاروں کی جو آس سے فائدہ اٹھاویں ۔ تعلقات جو وہ مصالحت کے ساتھ یا اور طرح پر ایک دوسرے سے یا اپنے زمین داروں سے رکھتے ہوں ۔ فاصلہ جہاں تک پانی کنوئیں سے لے جایا جاوے اور یہ بات کہ قرب و جوار میں بالفعل کس حد تک آب پاشی کے واسطے پانی مل سکتا ہے اور علیٰ ھذا القیاس'' جناب ممدوح یہ رائے ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر ''اس قسم کی مختص المقام تحقیقاتوں سے مقصد مطلوبہ حاصل ہو جاوے تو ایک علیحدہ عملہ قائم کیا جاوے جس کا خاص فرض یہ ہوگا کہ وہ ہر ایک مقام کی زراعتی حالتوں پر جہاں کنوؤں کے بنانے کی تجویز کی جاوے ، غور کیا کرے گا ۔ شاید جس کا خاص فرض ہر ایک مقام کی زراعتی حالتوں پر غور و فکر کرنا ہوگا جس میں بخوبی آب پاشی نہ ہوتی ہو تاکہ وہ اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ آیا کنوؤں کی ضرورت ہے یا نہیں ۔'' جناب ممدوح خیال فرماتے ہیں کہ ایک عہدہ دار کسی ضلع کا دو یا تین برس سے کم میں معائنہ نہیں کر سکتا ہے جس میں تخمیناً پچیس ہزار روپیہ سے لے کر پچاس ہزار روپیہ تک فی ضلع خرچ ہوگا ۔

۷- اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ آنریبل مسٹر کننگ ھیم نے بیان کیا ھے کہ گورنمنٹ کو آن قطعات میں کنوؤں کے بنانے میں کام یابی کی کوئی عمدہ توقع نہیں ھو سکتی ھے جہاں کہ کاشت کاروں کو کنوؤں کا بنانا نا ممکن یا غیر منفعت بخش معلوم ھوا ھے ، بلکہ کنوؤں کی تعمیر کو صرف آن مقامات پر محدود رکھنا چاھیے جہاں اس تجویز کی کام یابی کی معقول توقع ھو - اس قسم کے مقامات اب بھی کثرت سے پائے جاتے ھیں اور کنوؤں کی تعداد کے زیادہ ھونے سے آن کو نہایت فائدہ پہنچے گا - جن دیہات میں کوئی مزروعہ یا قابل زراعت رقبہ موجود ھو آن میں قحط کے دفعیہ کی تدابیر کے عمل میں لانے کی بخوبی گنجائش ھے به شرطیکه وہ رقبہ اس قسم کا نہ ھو جس کے باعث سے کنوؤں کا بنانا نا ممکن یا غیر منفعت بخش نہ ھو - اس قسم کے دیہات اضلاع شمال و مغرب میں بہ کثرت پائے جاتے ھیں -

۸- زمین کی قابلیت کے معاملہ میں جس کا ذکر آنریبل مسٹر کننگ ھیم نے اپنی یادداشت میں کیا ھے اور آن تحقیقاتوں میں جن کا ذکر صاحب سکرٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب کی چٹھی میں ھے کوئی سخت دشواری پیش نہیں آتی ھے - مجوزہ تجویز کا مقصد آن دیہات میں کنوؤں کی تعداد کا بڑھانا ھے جہاں قحط کی مصیبتوں کے رفع کرنے کے واسطے آن کی کافی تعداد نہ ھو - ھم کو آن قطعات میں شاذ و نادر ھی کنوئیں بنانے پڑیں گے جہاں زمین دار یا کنوئیں کھودنے والے جن کا یہ پیشہ موروثی ھو زمین کی خاصیت سے به خوبی واقف نہ ھوں یا جن کے قرب و جوار میں اس قسم کے کنوئیں موجود نہ ھوں جن سے اس مقام کی زمین کے حالات معلوم ھوتے ھوں - یہ ایک امر واقعی ھے اور ھر ایک پرگنہ میں تحقیقات کرنے سے وہ پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ھے کہ تمام دیہات میں

زمین دار اور کنوئیں کھودنے والے اور کنوئیں چلانے والے بسبب اُس تجربہ کے جو انھوں نے اور اُن کے بزرگوں نے حاصل کیا تھا زمین کے مختلف طبقوں اور اُس مقام میں پانی کی گہرائی سے عمدہ واقفیت رکھتے ھیں - وہ اُن مختلف طبقات زمین کو بہ خوبی بتا سکتے ھیں جو اُس مقام میں پانی سے اوپر ھوں اور اُس ترتیب کو جس میں وہ واقع ھوتے ھیں اور نیز ھر ایک طبق کی موٹائی کو بتا سکتے ھیں - گو وہ ان چیزوں سے کوئی باقاعدہ واقفیت نہیں رکھتے ھیں لیکن اُن کی واقفیت تجربہ سے پیدا ھوتی ھے جو ھر ایک قسم کے علم کی خاص بنیاد ھے - قرب و جوار کے کنوؤں سے اس بات کا سچا ثبوت حاصل ھوتا ھے کہ پانی سطح زمین سے کس قدر قریب ھے اور کس قدر افراط سے پانی نکلے گا اور زمین کس قدر پیاسی ھے اور کس قسم کے کنوئیں سے کس قدر رقبۂ زمین میں آب پاشی ھو سکتی ھے اور ھم کسی خاص مقام میں ایک کنوئیں کی لاگت کا تخمینہ بدرجہ اوسط صحت کے ساتھ کر سکتے ھیں - یہ وہ باتیں ھیں جو کنوئیں کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے معلوم ھونی چاھئیں - اور وہ ھندوستانی عہدہ داروں کی معرفت معمولی لوکل افسروں کی نگرانی میں بآسانی تحقیق ھو سکتی ھیں -

۹- ان سوالات میں کوئی سخت دشواری نظر نہیں آتی ھے اور وہ بآسانی حل ھو سکتے ھیں لیکن اس سوال کے حل ھونے میں کہ آیا زمین دار اور کاشت کار اُس طریقہ میں کنوؤں کے بنانے پر راضی ھو جاویں گے جو دفعہ ۳ کی ضمن (الف)، (ب) اور (ج) میں مذکور ھے کسی قدر دشواری نظر آتی ھے - چند کنوئیں اس طریقہ میں بنائے جا سکیں گے - جو قابل تعریف کوشش پرگنہ گھاٹم پور ضلع کانپور میں اس تجربہ کے آزمانے کے واسطے کی گئی ھے اُس پر میں نے بہ خوبی غور کیا ھے لیکن میں نہیں خیال کرتا ھوں کہ اس

تدبیر میں کبھی کوئی بڑی کام یابی حاصل ہوگی اگر کسی عہدہ دار کے رعب و داب یا ترغیب سے اس قسم کے کنوئیں تعمیر ہو جاویں تو اُس سے یہ اصلی مقصد کہ وہ قحط کے دفعیہ کا ایک ذریعہ ثابت ہوں حاصل نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ خود زمین دار اور کاشت کار زیادہ تر، زبردست اغراض اور لالچوں سے اُن کی تعمیر کی جانب مائل نہ ہوں۔

۱۰- میں نے اس معاملہ کی نسبت چند معزز اور دولت مند زمین داروں کے ساتھ گفتگو کی ہے اور اُن سے دریافت کیا ہے کہ وہ کس سبب سے اپنے دیہات میں اپنے خاص سرمایہ یا زر تقاوی کے ذریعہ سے جو گورنمنٹ سے دیا جاوے کنوئیں نہیں بناتے ہیں اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہات مجھے معلوم ہوئی ہیں:

(الف) وہ اپنے روپیہ کو اُن تجارتوں میں جو کنوؤں کے بنانے کی بہ نسبت زیادہ تر منفعت بخش ہیں صرف کر سکتے ہیں۔

(ب) اُن کو اس بات کا مضبوط یقین ہے کہ اگر وہ کنوئیں بنا دیں گے تو جس وقت بند و بست کی معیاد ختم ہوگی تو گورنمنٹ کی مال گزاری بھی زمین کی قوت پیداوار کی مناسبت سے بڑھ جاوے گی اور جو منافع اب تک اُن کو حاصل ہوتا تھا اُس میں بڑی کمی ہو جاوے گی۔

جو کوشش گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب نے اپنے سرکلر مورخہ ۱۴ نومبر ۱۸۷۷ء میں زمین‌دار کے دلوں سے اس اندیشہ کے کسی قدر رفع کرنے کے واسطے کی ہے اُس سے اُن کی دل جمعی نہیں ہوئی ہے اور وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کے اندیشے کس وجہ سے بے بنیاد ہیں۔

اُن کی دل جمعی اس دلیل سے نہیں ہوتی ہے کہ جس وقت بند و بست ختم ہوگا اُس وقت تک اُن کو کافی منافع حاصل ہو جاوے گا۔ جو نفع اُن کو وقتاً فوقتاً حاصل ہوتا ہے وہ جمع نہیں کیا جاتا ہے یا جو رقم انہوں نے خرچ کی ہو اُس کا بدلہ نہیں سمجھا جاتا ہے اور جو نقصان اُن کو سرکاری مال گزاری کے اضافے سے ہوگا اُس کو اُس رقم پر جو انہوں نے خرچ کی ہو بطور نقصان کے تصور کریں گے۔

۱۱۔ ایک معزز زمین دار نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اگر مندرجہ ذیل تدابیر عمل میں لائی جاویں تو اُن کا یہ اثر ہوگا کہ زمین داروں کو اپنے دیہات میں کنوؤں کے بنانے کی ترغیب ہوگی۔

(الف) اُن دیہات میں جن میں تمام رقبہ کی نسبت یہ فرض کیا گیا ہو کہ اُس میں کاشت ہو گئی ہے اور جن کی مال گزاری کی مقدار اپنی مناسب حد پر پہنچ گئی ہو اور جو ریلوے کی ایک لائن کے قرب و جوار میں واقع ہوں جہاں نہروں کے جاری ہونے کا کبھی کوئی گمان نہ ہو اور جن میں ترقی کے اور ذریعے پورے پورے طور پر کام میں آچکے ہوں زمین‌دار کے ساتھ اس شرط پر استمراری بند و بست کیا جاوے کہ وہ چند کنوئیں بنوا دیں یعنی یہ کہ بند و بست مروجہ اس شرط پر استمراری کر دیا جاوے کہ زمین‌دار ایک عرصہ معین کے اندر اپنے گاؤں میں چند کنوؤں کے بنانے کا وعدہ کرے۔

(ب) جن دیہات میں معیاد بندوبست کے خاتمہ پر اضافہ یا مال گزاری کی توقع ہو وہاں اس قسم کے اضافے

کے واسطے ایک حد مقرر کر دی جاوے اور اگر زمین داروں کے ساتھ اس مضمون کا معاھدہ کر لیا جاوے کہ وہ ایک معیاد معین کے اندر چند کنوئیں بنا دیں گے تو جب تک بندوبست حال قائم رہے گا اُس وقت تک گورنمنٹ اُن سے زیادہ مطالبہ نہیں کرے گی اور اُس معیاد کے ختم ہو جانے پر اُن کے ساتھ استمراری بندوبست ایک ایسی رقم پر کیا جاوے گا جس کی حد اس طرح پر مقرر کی گئی -

(ج) اگر ان میں سے کوئی تدبیر گورنمنٹ کو پسند نہ ہو تو سب سے آخیر تدبیر یہ ھونی چاھیے کہ جو زمین دار کسی گاؤں میں کنواں بنانا چاھے اُس پر یہ بات لازمی قرار دی جاوے کہ وہ کلکٹر ضلع کو اپنے ارادہ سے مطلع کرے جو اُس رقبہ کی حدود کو قرار دے گا جس میں اس قسم کے کنوئیں سے آب پاشی ھو سکے گی اور بٹوارہ کے قواعد کے بموجب اس رقبہ کو باقی ماندہ اراضیات سے علیحدہ کر دے گا اور اُس کے واسطے ایک علیحدہ مقدار مال گزاری کی (یعنی وھی مقدار جو اب اُس کی بابت آب پاشی نہ ھونے کی حالت میں لی جاتی ھے ھمیشہ کے واسطے قرار دے گا اور وہ رقبہ ایک جدا گانہ استمراری پٹہ کے نام سے موسوم ھوگا) -

۱۲- جن تدابیر کے عمل میں لانے کی اس لائق زمین دار نے رائے دی ھے وہ انتظام ملک کے نہایت اھم معاملات سے متعلق ھے

جن کا حل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن اُن سے ہم صاف صاف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ پرائیویٹ سرمایہ کے ذریعہ سے یا اُس سرکاری روپیہ کے ذریعہ سے جو زمین‌داروں کو اس مقصد کے واسطے پیشگی دیا جاوے کنوؤں کے بنانے کے انتظام میں کام یابی کی توقع کرنا گویا اُن باتوں کی توقع کرنا ہے جو نا ممکن الوقوع ہیں - پس اگر اس بات کی ضرورت ہو (اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اُس کی ضرورت ہے) کہ کنوؤں کی تعمیر کا انتظام احتیاطاً اس خیال سے کہ اُس کے ذریعہ سے قحط کا دفعیہ ہو جائے گا جاری کیا جاوے تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا ہے کہ گورنمنٹ ان کنوؤں کو خاص اپنی طرف سے تعمیر کرائے یا کسی ذی اختیار جماعت کو جو اس کام کو اپنے ذمہ لینا چاہتی ہو اُس کے پورا کرنے کی اجازت دے -

۱۳- ملک کے قوانین مروجہ میں اس بات کی بھی اجازت نہیں ہے کہ گورنمنٹ یا کوئی مجاز جماعت بطور تجربہ کے اس کام کو شروع کر سکے - اس بات کا خیال کرنا کہ گورنمنٹ اُن دیہات میں جو خاص اُس کے زیر اہتمام ہیں اس تجربہ کی آزمائش کر سکے گی میرے نزدیک ایک ناواجب توقع معلوم ہوتی ہے - اگر یہ توقع پوری بھی ہو جاوے تو بھی اس سے وہ نتیجہ حاصل نہ ہوگا جس کو ہم مناسب طور سے ایک کامل اور موثر تجربہ کا نتیجہ کہہ سکیں - پس ان وجوہات سے میری رائے میں ایک ایسے قانون کا بنانا ضروری ہے جس میں کامل طور کے تجربہ کرنے کے باب میں سہولت دی جاوے -

۱۴- اس قسم کے قانون کے منظور ہونے سے خواہ مخواہ یہ بات لازم نہ آوے گی کہ گورنمنٹ یا کوئی ذی اختیار جماعت تمام ملک میں فوراً اُس کام کو شروع کر دے - بخلاف اس کے گورنمنٹ

ملک کے کسی قطعات میں اور اُس حد تک جہاں تک کہ وہ مناسب سمجھے اس قانون کے نافذ کرنے کی مجاز ہوگی - پس اس قسم کے قانون نافذ ہونے سے جس کا جاری کرنا بالکل گورنمنٹ کے اختیار میں ہوگا کوئی وجہ اندیشہ کی پیدا نہیں ہو سکتی ہے -

۱۵- جو مسودہ قانون محکمہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نے اس معاملہ کی نسبت ماہ دسمبر ۱۸۸۷ء میں مرتب کیا تھا اگرچہ اس میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت ہے تاہم وہ خاص توجہ کے لائق ہے اور وہ اس لائق نہیں ہے اُس کو ایک ڈیڈ لیٹر سمجھ کر پھینک دیا جاوے -

۱٦- تیسرے امر کی نسبت جس کا دفعہ ۲ میں مذکور ہے میں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو معاملات اُن اراضیات کے قابضوں سے متعلق ہیں جو کنوؤں کے ذریعہ سے آب پاشی کے لائق ہیں اُن کے فیصلہ میں کوئی بڑی دشواری پیش نہیں آتی ہے میں نہیں خیال کرتا ہوں (جیسا کہ آنریبل مسٹر کننگ ہیم کی یادداشت سے اور نیز محکمہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب کے مسودہ قانون سے واضح ہوتا ہے) کہ اس اراضی کے قابضوں کو جس کی آب‌پاشی سرکاری کنوؤں سے ہو سکے پانی کا محصول ادا کرنا پڑے گا - یہ امر پسندیدہ ہے کہ وہ اراضی کے زمین دار کو اس بنا پر کہ وہ قابل آب پاشی ہے آب پاشی کا لگان ادا کریں خواہ وہ پانی سے کام لیں یا نہ لیں -

۱۷- آنریبل مسٹر کننگ ہیم اپنی یاداشت میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”جس صورت میں کنوؤں کی تعمیر کا لازمی طریقہ اختیار کیا جاوے تو گورنمنٹ واجبی طور پر زمین دار سے یہ بات نہیں کہہ سکتی ہے کہ جو اراضیات کنوئیں کے گرد واقع ہوں اُن کے کاشت کاروں سے اپنے خرچ کے پورا کرنے کے واسطے تم کو اپنا

خاص بندوبست کرنا چاهیے بلکه گورنمنٹ کو آن اراضیات سے ایک لازمی شرح لگان کے دلانے کے واسطے بندوبست کرنا چاهیے - لیکن سنا جاتا ھے که گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب نے قطعی طور پر یه رائے ظاهر کی ھے که نہر کے معامله میں لازمی شرح لگان کی نہیں قرار دینی چاهیے اور میری سمجھ میں یه بات نہیں آتی ھے که ان دونوں معاملات کی نسبت کیوں کر مختلف طور پر بحث کی جا سکتی ھے یا کنوؤں کے معامله میں اس قسم کی لازمی شرح قرار دینے کے واسطے جو نہروں کے معامله سے بھی برابر آسی طرح پر متعلق نه هو کون سے دلائل استعمال کیے جا سکتے ھیں -

۱۸- محکمه بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نے اپنے مسوده قانون کی دفعه ۱۰ میں یه بیان کیا ھے که " تمام اراضیات پر جو قابل آب پاشی هوں لوکل گورنمنٹ کے عام یا خاص حکم کے بموجب ایک محصول آب پاشی لگایا جا سکتا ھے جس کی مقدار لوکل گورنمنٹ تجویز کرے گی اور یه محصول وقتاً فوقتاً لوکل گورنمنٹ کے حکم سے تبدیل کیا جا سکتا ھے -"

۱۹- میری دانست میں آن اراضیات پر جو کنوئیں کے ذریعے سے قابل آب پاشی کے هوں محصول آب پاشی نہیں لگانا چاهیے اور کاشت کاروں سے آس کو وصول نہیں کرنا چاهیے - کنوئیں کی تعمیر هونے سے زمین کی خاصیت بغیر اس کے که کاشت کاروں کو ذرا بھی خرچ کرنا پڑے بالکل بدل جاوے گی یا یوں کہو که جو رقبه اول ناقابل آب پاشی تھا وه اس طرح پر قابل آب پاشی هو جاوے گا اور اسی وجه سے زمین کا لگان آس حد تک بڑھ جاوے گا جو اراضی قابل آب پاشی سے آس حالت میں قابل وصول هو که کنوئیں کا بنانے والا خود کاشت کار نه هو - جو تفاوت لگان کی ان دو شرح کے درمیان هوگا وه بعد مجرا کرنے معمولی شرح کے بطور حق التحصیل

اُس نمبردار کے جو کاشت کاروں سے محصول وصول کرے سرکاری مال گزاری میں زیادہ کر دیا جاوے گا - یہ بیشی جو اصلی سرکاری مطالبہ مال گزاری میں ہوگی اُس فریق کو واجب الادا ہوگی جس کے خرچ سے کنواں بنایا گیا ہے خواہ وہ زمیندار ہو یا کوئی ذی اختیار کمپنی یا گورنمنٹ - اس صورت میں اُن معاملات کے تصفیہ میں جو اُن اراضیات کے کاشت کاروں سے متعلق ہوں جو کنوئیں کے ذریعہ سے قابل آب پاشی ہوں کوئی دشواری نظر نہیں آتی ہے -

۲۰- زمین کی حیثیت کو ترقی دینے کا دوسرا طریقہ جو آب پاشی کے معاملہ میں سہولتوں کے مہیا کرنے کا ہے اُس کا ذکر کسی کاغذات میں جو زمین کی ترقی یا قحط کے دفعیہ کی تدابیر کی نسبت لکھے گئے ہیں جہاں تک کہ میں نے اُن کو دیکھا ہے نہیں کیا گیا ہے - میں خیال کرتا ہوں کہ اُن تدبیروں کے استعمال میں لانے سے جن سے آب پاشی کی سہولت متصور ہے زمین کی حیثیت کو ترقی دینے اور قحط کی سختیوں کے کم کرنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہیں -

۲۱- یہ بات تسلیم کی جاوے گی کہ جو طریقہ کنوؤں سے پانی کھینچنے کا بالفعل جاری ہے اُس کی بہ نسبت ایک زیادہ تر آسان اور کم خرچ طریقہ کا ایجاد کرنا قریب نا ممکن کے ہے لیکن دریاؤں اور نہروں کے کناروں پر ایسے وسیع قطعات اراضی کے موجود ہیں جو پانی کی سطح سے صرف چند فٹ اونچے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کے قریب نہریں گزرتی ہیں - لیکن اُن کے ذریعہ سے اُن کے زیادہ تر بلند حصوں میں آب پاشی نہیں ہو سکتی ہے - ایسی خفیف اونچائی تک کسی کل کے ذریعہ سے پانی کی کافی مقدار کے پہنچانے میں کوئی بڑی دشواری نہیں معلوم ہوتی ہے - ایسے پمپ

موجود ھیں جو ایسی خفیف اونچائی تک اسٹیم یعنی بھاپ کے ذریعہ سے کثرت سے پانی پہنچا سکتے ھیں - میری رائے میں اس قسم کی کل کے استعمال کی لاگت بمقابلہ اس فائدہ کے جو حاصل ھوگا اور اُس آمدنی کے جو اُس سے پیدا ھوگی نہایت قلیل ھوگی - علاوہ اس کے میں خیال کرتا ھوں کہ اُن دریاؤں اور نہروں اور چشموں کے کناروں پر جن کا پانی کافی تیز روی کے ساتھ بہتا ھے اس قسم کی کلیں لگائی جا سکتی ھیں جو بغیر زیادہ خرچ کے پانی کی دھار کے زور سے چل سکتی ھیں - میرے نزدیک یہ تجویز بھی مناسب غور کے لائق معلوم ھوتی ھے اور اُس کا اختیار کرنا یا نہ اختیار کرنا ایک کامل تحقیقات کے نتیجہ پر منحصر ھونا چاھیے -

۲۲- زمین دار لوگ اس تجربہ کو نہیں کر سکتے ھیں لیکن گورنمنٹ یا کوئی ایسوسی ایشن جو اس کام کے کرنے پر مائل ھو اس کو کر سکتی ھے لیکن خاص مشکل اس بات میں یہ ھے کہ اگر بالفرض کوئی شخص ایک کمپنی قائم کرنا چاھے (جیسی کہ کچھ عرصہ ھوا ضلع علی گڑھ میں کوشش کی گئی تھی) تو اس قسم کا کوئی قانون موجود نہیں ھے جس میں اُس کو اس طرح پر کارروائی کرنے کی اجازت ھو - اس قسم کے تجربہ کے واسطے یہ بات لازم ھوگی کہ ایک مناسب قطع زمین کا آب پاشی کے واسطے منتخب کیا جاوے اور کسی قدر رقبہ میں واسطے لگانے کل کے ھمیشہ کے لیے یا عارضی طور پر قبضہ کر لیا جاوے اور کمپنی کو اراضیات ملحقہ کو پانی دینے اور محصول آب پاشی کے وصول کرنے کی اجازت دے دی جاوے -

۲۳- اس امر میں کچھ شبہ نہیں ھے کہ اس کام کی کام یابی یا ناکام یابی تجربہ کے نتیجہ پر منحصر ھوگی لیکن جس حالت میں کہ کوئی قانون ایسا موجود نہ ھو جس میں اس قسم کی کارروائی کی

اجازت ہو تو کسی تجربہ کی آزمائش نہیں کی جا سکتی ہے ۔

۳۲۔ زمین کی حیثیت کو ترقی دینے کا تیسرا طریقہ بہ ذریعہ قائم رکھنے یا ترقی دینے اُس کی قوت پیداوار کے منجملہ اُن معاملات کے ہے جو خاص توجہ کے لائق ہیں اور وہ بیشتر کاشت کاروں کی حالت پر موثر ہوا ہے ۔ در حقیقت یہ ایک امر واقعی ہے کہ زمین کی قوت پیداوار میں پچھلے چند دنوں سے ہندوستان کے بعض حصوں میں بہ ظاہر تنزل ہوگیا ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ زمین کی قوت پیداوار کو نہایت عمدہ طور پر کام میں لانے کے واسطے جو کوششیں کی جاتی تھیں اُن میں سستی ہوگئی ہے جو مندرجہ ذیل سببوں سے منسوب کی جا سکتی ہے :

(الف) زمین میں کافی مقدار کھاد کی نہیں ڈالی جاتی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مزروعہ رقبہ کی مقدار کو بہت کچھ وسعت ہوگئی ہے اور بہ نسبت سابق کے کھاد کی زیادہ قلت ہوگئی ہے ۔ کھاد کی اس قلت کی وجہ یہ ہے کہ جنگلوں کے کٹ جانے کی وجہ سے اُس لکڑی کا نرخ جو بطور ایندھن کے کام میں آتی ہے نہایت گراں ہوگیا ہے اور مزروعہ قطعات میں بڑی بیشی ہوگئی ہے ۔ گوبر جو سابق میں بہ نسبت ایندھن کے زیادہ تر بطور کھاد کے کام میں آتا تھا اب کثرت سے بطور ایندھن کے کام میں آتا ہے اور اسی وجہ سے غریب کاشت کار گوبر کو بطور ایندھن کے فروخت کرنے پر بہ نسبت اس کے کہ وہ اُس کو کھاد کے مقاصد کے واسطے رکھ چھوڑیں زیادہ تر مائل ہوتے ہیں ۔

(ب) زمین اتنی دفعہ نہیں جوتی جاتی ہے جو اُس کے واسطے کافی ہو ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فصل کے ساتھ گھاس کثرت سے پیدا ہو جاتی ہے جس سے فصل کو نقصان پہنچتا ہے اور درخت چھوٹے رہ جاتے ہیں اور بالیں پتلی پڑ جاتی ہیں ۔ اگرچہ یہ گھاس وقتاً فوقتاً کاٹی جاتی ہے تاہم اُس کی جڑیں زمین کے اندر رہ جاتی ہیں اور اُن سے نئے کلے پھوٹ آتے ہیں ۔

(ج) جہاں کہیں کنوئیں ہوتے ہیں وہاں فصل کی آب پاشی کافی طور پر نہیں کی جاتی ہے اور اناج عموماً پتلا پڑ جاتا ہے ۔

۲۵- یہ آخرالذکر نقصانات عموماً بیلوں کی قلت سے منسوب کیے جا سکتے ہیں - جو بیل کاشت کاروں کے پاس ہوتے ہیں اُن میں جسمانی قوت بہت کم ہوتی ہے جو کہ کاشت کاری کے واسطے نہایت ضروری ہوتی ہے ۔ بہ نسبت سابق کے مویشی کی تعداد اب بہت کم ہوگئی ہے اور اسی وجہ سے اُن کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے ۔ مزروعہ رقبہ میں بڑی بیشی کے ہونے کی وجہ سے جس قدر تعداد چراگاہوں کی کم ہوگئی ہے اُسی قدر مویشی کی نسل کو ترقی دینے اور اُن کی پرداخت کا خرچ بھی بہت زیادہ ہوگیا ہے ۔ یہ تمام واقعات اُن شخصوں کی مناسب توجہ کے لائق ہیں جو قحط کی مصیبتوں کے دفعیہ کے واسطے تدابیر کے سوچنے میں مصروف ہیں ۔ اب اُن تدابیر کے عمل میں لانے کے واسطے زمانہ نہایت مناسب ہے جن کے ذریعہ سے مصنوعی کھاد کو رواج ہو اور مویشی کی نسل کے بڑھانے میں سہولت ہو ۔ اس قسم کی تدابیر کا عمل میں لانا کچھ گورنمنٹ کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خاص لوگوں کے اختیار میں

ہے جن کو اس مقصد کے واسطے کمیٹیاں مقرر کرنا اور گورنمنٹ کو حتی الامکان اُن کی کوششوں میں مدد دینا اور اُن کے ارادوں کو سہولیت دینا چاہیے۔

حصہ دوم

۲۶- قرض داری اور سود کی بڑی شرح کی وجہ سے کاشت کار کی حالت تباہ اور قابل افسوس ہوگئی ہے - جو رعایت وقت بندوبست کے اُس کے ساتھ کی گئی تھی اور جو عرق ریزی اور جاں فشانی اُس کو کرنی پڑتی ہے اُس سب کا ثمرہ بغیر کسی خطرہ کے مہاجن کو حاصل ہوتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے تئیں قرض داری سے سبک دوش نہیں کر سکتا ہے -

۲۷- لیکن یہ حالت مہاجنوں کی کسی بد دیانتی یا فریب سے منسوب نہیں کی جا سکتی ہے بلکہ مختلف اسباب ایسے جمع ہوگئے ھیں جن سے سود کی شرح اس قدر زیادہ ہوگئی ہے - روپیہ کی بڑی خواہش ہونے اور تمام کاشت کاروں کو ایک ھی وقت پر روپیہ قرض لینے کی ضرورت واقع ہونے اور قرضہ کے واسطے ناقص کفالت کے ہونے سے سود کی شرح اس قدر زیادہ ہوگئی ہے - زمانہ سابق میں قرض خواہ اپنے قرض دار کے دروازہ پر دھرنا دے کر بیٹھنے اور اس کی جائداد منقولہ اور اُس کے کھیتوں اور کھڑی فصل پر قبضہ کر لینے کا مجاز ہوتا تھا - یہ تمام کارروائی ایک قانونی طریقہ میں سرپنچوں اور نمبرداروں بلکہ عاملوں (کلکٹروں) کی منظوری سے بھی عمل میں آتی تھی اور عدالت میں چارہ جوئی کرنے کا ضابطہ بھی پورا نہیں کیا جاتا تھا - اس زمانے میں اس قسم کے افعال بمنزلہ ایسے جرائم کے تصور کیے جاتے ھیں جن کی سزا ایک شائستہ اور عادل گورنمنٹ کو دینی واجب ہے اور قرض خواہ

اپنا قرضہ بجز اس کے کہ عدالت دیوانی میں نالش کرے اور کسی طریقہ میں وصول نہیں کر سکتا ہے - اس بات کے کہنے سے میری یہ مراد ہے کہ ناجائز، زبردستی اور سختی جو قرضہ کے وصول کرنے کا ایک زیادہ تر آسان طریقہ تھی اب نہیں کی جا سکتی ہے - دھرنا سے مراد صرف قرض دار کے دروازے پر بیٹھنے سے ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ تمام ضروریات زندگی مکان کے اندر نہیں آنے پاتی تھیں اور عورتیں حوائج ضروری کے واسطے مکان سے باھر نہیں جانے پاتی تھیں -

قرضہ کی کفالت بہ نسبت سابق کے ظاھراً بہت کم ہو گئی ہے اور جو دقت و پریشانی اس کام میں اٹھانی پڑتی ہے وہ ایک بڑا سبب سود کی شرح کی زیادتی کا ہے -

۲۸- گو اس کا کچھ ھی سبب کیوں نہ ھو لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ کاشت کار اپنی قرض داری کی وجہ سے بہت برباد ھو گئے ھیں - جو لین دین اب کاشت کار اور مہاجن کے درمیان ھوتا ہے وہ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے ایک نہ ایک صورت میں ھوتا ہے :

(الف) ایک فصل سے دوسری فصل تک کاشت کار کے کھانے پینے کے لیے اناج کا دینا -

(ب) ایک مدت کے واسطے مابین تخم ریزی اور ورود ھونے فصل کا بیج دینا -

(ج) کاشت کاروں کو مویشی کا ادھار فروخت کرنا -

(د) مویشی کی خرید اور لگان کے ادا کرنے یا کسی اور خانگی کام کے واسطے روپیہ کا قرض دینا -

۲۹- جس مدت کے واسطے اناج ادھار لیا جاتا ہے وہ چھ مہینے سے ھرگز زیادہ نہیں ھوتی ہے - اس قسم کے ادھار پر مدت مذکور کی بابت پچیس روپے فی صدی سالانہ کے حساب سے

سود لیا جاتا ہے۔[1] یعنی اگر ایک من غلہ قرض لیا جاوے تو اس کے عوض میں دوسری فصل پر ایک من دس سیر غلہ اسی قسم کا ادا کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ شرح بظاہر پچیس روپیہ فی صدی ہے لیکن جب کہ اس اختلاف پر لحاظ کیا جاتا ہے جو غلہ کے نرخ میں ان دو زمانوں پر ہوتا ہے تو وہ قریب بیس روپیہ فی صدی کے رہ جاتی ہے۔ اگر قرضہ مناسب وقت پر ادا نہ کیا جاوے تو سود اصل میں اضافہ کیا جاتا ہے اور تمام مقدار بمنزلہ اصل کے متصور ہو کر سود کی اسی شرح پر فصل آئندہ میں واجب الادا ہوتی ہے اور ہر مرتبہ جب کہ اس کے ادا کرنے میں خطا ہو، اسی طرح پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

۳۰- اگرچہ اس قسم کے معاہدے کی شرائط نہایت سخت اور کسی قدر نا معقول ہوتی ہیں تاہم ان کو فریب آمیز یا خلاف دیانت داری نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ان معاملات میں مہاجن کی طرف سے نا واجب بات صرف یہ ہے کہ جو غلہ وہ کاشت کار کو اس کے کھانے پینے کے واسطے ادھار دیتا ہے وہ علی العموم نہایت خراب قسم کا ہوتا ہے اور جو غلہ بیج کے واسطے دیا جاتا ہے اگرچہ وہ پہلے غلہ کی بہ نسبت کسی قدر زیادہ عمدہ ہوتا ہے تاہم وہ بھی اس مقصد کے واسطے بخوبی لائق نہیں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے کھیت کی پیداوار اور خراب قسم کی ہوتی ہے۔

۳۱- جو مویشی کاشت کار لوگ مہاجن کو ان کے قرضہ کی بابت حوالہ کرتے ہیں وہ علی العموم اور کاشت کاروں کو ادھار فروخت کی جاتی ہیں جن کو اس معاملے سے بڑا نقصان ہوتا ہے کیوں کہ ان کو ایسے نکمے جانوروں کے واسطے جن کی محنت سے

۱- چٹھی قائم مقام سکریٹری بورڈ آف ریونیو بنام قائم مقام سکریٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب مؤرخہ ۲۲ جولائی ۱۸۷۶ء -

وہ ایک فصل تک بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے -

۳۲- نقد روپیہ جو مویشی کے خرید کرنے یا اور خانگی کاروبار کے واسطے قرض دیا جاتا ہےعموماً سود کی ایسی شرح پر دیا جاتا ہے جو تین روپیہ سے لے کر تین روپیہ دو آنہ فی صدی ماہوار تک ہوتی ہے اور جو روپیہ لگان کے ادا کرنے کے واسطے دیا جاتا ہے وہ اکثر اوقات سوا چھ روپے فی صدی ماہواری سود پر قرض دیا جاتا ہے ، لیکن یہ پچھلا قرضہ ایک مہینے سے زیادہ عرصہ کے واسطے قائم رہتا ہے کیوں کہ وہ بہت جلد بذریعہ غلہ کے ادا کر دیا جاتا ہے -

۳۳- کاشت کار کو مویشی اور زر نقد کے ادھار لینے سے ایک اور طریقہ میں بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے - یعنی اس کے پاس فصل کے وقت کچھ روپیہ نہیں ہوتا ہے اور مہاجن کو کاشت کار سے غلہ یا مویشی اُس کی اصلی قیمت کی بہ نسبت نہایت کم قیمت پر لے کر اپنا قرضہ وصول کرنا پڑتا ہے - اکثر اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جس وقت غلہ کٹتا ہے اور کھلیان میں جمع ہو جاتا ہے تو مہاجن ایک کاشت کار کی زمین کی تمام پیداوار کو اٹھا لے جاتا ہے اور کاشت کار اور اس کے کنبے کے واسطے کچھ نہیں چھوڑتا ہے - جب کہ کاشت کار اس طرح پر اپنی محنت کے ثمرہ سے محروم ہو جاتا ہے تو وہ مجبور ہو کر پھر مہاجن کے پاس اور روپیہ قرض لینے کے واسطے جاتا ہے - کاشت کار علی العموم اپنے قرض خواہ کے ساتھ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے اور جو رقم سود مرکب کے قاعدہ سے واجب نکلتی ہے ، جس سے کاشت کار برابر پستا ہوا چلا جاتا ہے ، اُس کا ادا کرنا اپنے ذمے لازم سمجھتا ہے - اُس کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے اقرار کے پورا کرنے میں خطا کرے گا تو یہ مہاجن کی ناراضی کا باعث ہوگا

اور اُس کے ساتھ اُس کا لین دین بند ہو جاوے گا اور ہمیشہ کے واسطے اُس کی ساکھ جاتی رہے گی ۔ وہ اپنے قرض خواہوں کو زیادہ ستانے کی نسبت صرف اُس حالت میں اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے جب کہ کوئی دوسرا مہاجن اس کو روپیہ قرض دینے پر آمادہ ہوتا ہے ۔

۳۴- جن دیہات میں دولت مند زمین دار اور کاشت کار باہم اتفاق اور رضا مندی کے ساتھ رہتے ہیں وہاں کاشت کاروں کو زمین دار سے بلا شبہ بہت مدد ملتی ہے ۔ ایک ہندو زمین دار گو کاشت کاروں کے ساتھ اپنے معاملات میں نہایت نرم نہیں ہوتا ہے تاہم وہ اس سود کے معاملہ میں جو وہ اپنے قرضہ پر لیتا ہے مہاجن کی بہ نسبت بہت زیادہ نرم اور اپنے قرضہ کے وصول میں کم سخت ہوتا ہے ۔ دولت مند مسلمان زمین دار دو فرقوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں ۔ یعنی ایک تو وہ جو روپیہ پر علانیہ سود لیتے ہیں اور دوسرے وہ جو در پردہ ایسا کرتے ہیں ۔ دونوں سود کی شرح کے لحاظ سے نہایت نرم ہوتے ہیں ۔ وہ عموماً اس روپیہ کی عوض میں جو وہ قرض دیتے ہیں فصل کے وقت ایک شرح معین پر غلہ کا لینا قبول کر لیتے ہیں جو بازار کی معمولی شرح کی بہ نسبت صرف کسی قدر زیادہ ارزاں ہوتا ہے ۔ علاوہ اس کے وہ حساب کے تصفیہ کے وقت سود کی مقدار کے معاف کرنے میں زیادہ حجت نہیں کرتے ہیں ۔

۳۵- در حقیقت یہ امر صحیح ہے کہ اضلاع شمال و مغرب کے اکثر زمین داروں نے پچھلے قحط میں اپنے کاشت کاروں کو کار آمد مدد دی تھی ۔ میں صرف اس بات کی مثالیں بیان کر سکتا ہوں کہ انھوں نے صرف اُس لگان کو وصول کرنا ہی ملتوی نہیں کر دیا جو کاشت کاروں سے واجب تھا بلکہ اُنھوں نے اُن کے واسطے غلہ

اور مویشی کے سہیا کرنے کے واسطے اپنے زیورات کو بھی فروخت کر دیا - اسی کے ساتھ افسوس سے اس بات کا اقرار کیا جاتا ھے کہ زمین داروں نے اُن کاشت کاروں کی نسبت جن کو حق مقابضت حاصل تھا ھمیشہ بڑی سرد مہری ظاھر کی اور کاشت کاروں کے اسی فرقہ نے اس عام مصیبت کے زمانہ میں سب سے زیادہ تکلیف اٹھائی -

۳۶- عدالت ھائے موجودہ عدل و انصاف کے نہایت عالی اصولوں پر قائم کی گئی ھیں اور اس وجہ سے ان پر ان تمام اقرار ناموں اور معاھدوں کا لحاظ کرنا فرض ھے جو لوگوں کے درمیان اُن کی باھمی رضا و رغبت سے ھوئے ھوں اُن پر اس رقم کو قانوناً منظور کرنا جو کسی شخص کو واجب ھو اور اُس کو اس طرح پر تسلیم کرنا فرض ھے - اُن کے فرض کا یہ کوئی جز نہیں ھے کہ جو اختیار اُن کو دیا گیا ھے اُسی کو کام میں لا کر یا شاید بے جا طور پر کام میں لا کر کسی جائز قرضہ کو صرف اس وجہ سے کہ قرض دار ایک غریب آدمی ھے منسوخ کر دیں - اگر اس قسم کی کارروائی کبھی عمل میں لائی جاوے گی تو وہ بہ نسبت قرض خواہ کے قرض دار کے حق میں زیادہ تر مضر ثابت ھوگی - جب کہ ایک قرض خواہ کو اپنے قرض دار کے معاھدوں کے ناجائز ھونے کا یقین ھوگا تو واجبی طور پر یہ توقع نہیں کی جا سکتی ھے کہ وہ پھر اس قسم کی قرار داد کرے گا -[1] اگر ایک جائز قرضہ کے

۱- ھماری عدالتیں بلا شبہ حقوق کی حفاظت کرتی ھیں اور جس امر کا اس دفعہ میں ذکر کیا گیا ھے وہ بلا شبہ وقوع میں آتا ھے - لیکن اس ذاتی اختیار اور زبردستی کے معدوم ھو جانے سے جو ایک قرضہ کے وصول کرنے میں عمل لائی جاتی تھی اور جس کا ذکر دفعہ ۲۷ میں ھے اور جس کے ذریعہ سے روپیہ زیادہ تر آسان اور پسندیدہ طریقہ میں وصول ھو جایا کرتا تھا اُن ضابطوں کے پورا کرنے میں جو ھماری عدالتوں نے قرضہ کے وصول کے واسطے قرار دی ھیں مشکل اور خرچ اور توقف بلکہ بعض اوقات مایوسی کا سبب پیدا ھوگیا ھے اور ان سب باتوں سے قرضہ کا ملنا نہایت دشوار ھوگیا ھے -

وصول کرنے میں مشکلات پیدا کی جاویں گی تو روپیہ کے قرض لینے میں بھی مشکلات پیدا ہوں گی - ان تمام صورتوں میں نقصان کا برداشت کرنے والا کاشت کار ہی ہوگا جو بغیر روپیہ کے اپنا کام نہیں چلا سکتا ہے - یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے جیسا کہ میں نے چند مرتبہ دیکھا ہے کہ جب کوئی مقدمہ جس میں کوئی قرض خواہ بلا شبہ روپیہ کی کسی رقم کے دعویٰ کرنے کا استحقاق رکھتا تھا جو ایک کاشت کار کو قرض دی گئی تھی کسی قانونی بنا پر ڈسمس کیا گیا تو جب قرض خواہ پھر مہاجن کے پاس روپیہ لینے کے لیے گیا تو اُس نے اُس قرضہ کو بھی جو ڈسمس کر دیا گیا تھا اس رقم میں زیادہ کر دیا جو اُس نے اب در حقیقت قرض لی اور کل کے واسطے ایک جدید تمسک لکھ دیا - بہت سے معاملات ایسے ہیں جو ازروئے قانون کے بوجہ گزر جانے معیاد کے قابل سماعت نہیں رہے ہیں لیکن باوجود اس کے فریقین اُن کو جائز سمجھتے ہیں اور اُسی کے مطابق عمل کرتے ہیں - اس کی یہ وجہ ہے کہ کاشت کار کو یہ فکر ہوتی ہے کہ اُس کی ساکھ میں کسی طرح بٹہ نہ لگے اور اُس کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ اُس کی ساکھ جاتی رہے گی تو وہ پھر اپنے کاروبار کو چلانے کے قابل نہ رہے گا -

۳- پس یہ امر ظاہر ہے کہ عدالت کو یہ بات نہ تو جائز اور نہ واجب ہے کہ وہ ایک باہمی قرار داد کو منسوخ کر دے کہ اُس کے باعث سے ایک غریب آدمی برباد ہو جاوے گا - اس قسم کی کارروائی صرف اُن صورتوں میں جائز ہو سکتی ہے جب کہ وہ انصاف کے مقاصد کے پورا کرنے کی غرض سے کی جاوے اور خود قرض خواہ اُس کی نسبت اعتراض نہ کرے - انصاف کا یہ طریقہ اُن اصولوں کے مطابق ہے جن پر قانون دیوالہ مبنی ہے - قانون دیوالہ کا سب سے اول ایک اصول یہ ہے کہ

قرض دار کی تمام جائداد ہر ایک قرض خواہ کے قرضہ کی حصہ رسدی کی مناسبت سے اس کے قرض خواہوں کے درمیان بغیر اس کے کہ اُن کے باہمی قرار داد میں کچھ خلل واقع ہو تقسیم کر دی جاوے اور دیوالیہ زائد مطالبوں سے بالکل بری کر دیا جاوے اور ہر ایک شخص بلا تامل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ عدالت اس سے زیادہ تر واجبی کوئی کارروائی نہیں کر سکتی ہے - پس انصاف کے اصولوں میں تبدیلی کرنا مفلس کاشت کاروں کے حق میں کسی طرح پر مفید ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور دیوالہ کے قانون کو زیادہ تر وسعت دینا بلاشبہ انصاف کے برخلاف نہیں خیال کیا جا سکتا ہے -

۳۸- کوئی باقاعدہ انتظام ایسا موجود نہیں ہے جس کے بہ موجب کاشت کار گورنمنٹ سے اُن مقاصد کے واسطے جن کے لیے اُن کو مہاجن سے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے امداد حاصل کر سکیں - یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ چند اضلاع ایسے ہیں جن میں کاشت کاروں کو اس قسم کی امداد دی جاتی ہے لیکن چوں کہ یہ قلیل امداد صرف متعدد شخصوں کو دی جاتی ہے اور یقیناً ایسے وقت پر نہیں دی جاتی ہے جب کہ اس کی نہایت ضرورت ہوتی ہے اس لیے اُس سے ایک ایسے بڑے فرقہ کو جیسا کہ کاشت کاروں کا فرقہ ہے کسی اصلی فائدہ کے حاصل ہونے کی توقع نہیں ہو سکتی ہے -

۳۹- اضلاع شمال و مغرب میں یا شاید مجھ کو یہ کہنا چاہیے کہ تمام ہندوستان میں کاشت کاروں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ اُن کو اس قسم کی ناکافی کوششوں سے کچھ مدد پہنچ سکے جو گورنمنٹ اب ان کی حالت کو ترقی دینے کے واسطے کر رہی ہے اور نہ ان کوششوں سے قحط کی مصیبتیں کم ہو سکتی ہیں -

کاشت کاروں کے واسطے بغیر اس کے کہ اس مقصد کے واسطے ہر ایک ضلع میں ایک خاص اور جداگانہ محکمہ قائم کیا جاوے کامل امداد کے پہنچنے کا بندوبست نہیں ہو سکتا ہے ۔

۴۰۔ میں یہ سفارش کرتا ہوں کہ یہ نیا سررشتہ ایک زراعتی بنک کی صورت میں قائم کیا جاوے اور میں یقین کرتا ہوں کہ اُس کے سرمایہ کا سود حصہ داروں کو خواہ وہ گورنمنٹ ہو یا کوئی کمپنی اُس ضروری خرچ کے ادا کرنے کے بعد جو اُس کے قائم کرنے میں ہو ایک مناسب نفع، پہنچانے کے لیے کافی ہوگا جس طریقہ میں کاشت کار امداد حاصل کریں گے اور جس کا ذکر میں مختصر طور پر حصہ سوم میں کرنا چاہتا ہوں وہ اُس بائی لاز میں قرار دیا جاوے گا جو بنک کے واسطے مرتب کیا جاوے گا ۔ اگر میری رائے غلطی پر نہ ہو تو صرف یہی ایک طریقہ ایسا ہے جس کے ذریعہ سے غریب کاشت کار مہاجنوں کے سخت پھندے سے بچ سکتے ہیں اور افزوں مطالبوں کے دباؤ سے سبک دوش ہو سکتے ہیں ۔

۴۱۔ گورنمنٹ نے زراعتی ترقیوں یا قرضوں کے ادا کرنے کے واسطے کاشت کاروں یا چھوٹے چھوٹے زمین داروں کو روپیہ کے قرض دینے یا مویشی کے مہیا کرنے کے تجربہ کا امتحان کسی قدر ضلع الہ آباد اور باندہ اور مراد آباد اور متھرا میں کیا ہے اور جو رائیں محکمہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب اور گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب اودھ نے اس تجربہ کی نسبت تحریر کی ہیں وہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں ۔ یعنی محکمہ بورڈ آف ریونیو لکھتا ہے کہ ”اس تجربہ کی کام یابی کی نسبت حاکم اول کی یہ رائے ہے کہ اب تک اس کی آزمائش شاید اچھی طرح پر نہیں ہوئی ہے اور ہنوز اس بات کا کہنا بے موقع ہے کہ اس انتظام میں کام یابی ہوئی ہے یا نہیں ۔

مگر جس وقت دوسرے سال کی بابت رپورٹیں آ جاویں گی اُس وقت ایک رائے قائم کی جا سکے گی ۔''[1]

صاحب سکریٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب تجویز فرماتے ہیں کہ '' جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر محکمہ بورڈ کے حاکم اول سے اس باب میں اتفاق فرماتے ہیں کہ ابھی اس بات کا کہنا بے موقع ہے کہ آیا اس تجویز میں کام یابی ہوئی ہے یا نہیں ۔ لیکن اگر اس بات پر لحاظ کیا جاوے کہ جن کاشت کاروں کو زر تقاوی دیا گیا ہے انھوں نے اپنی اقساط ٹھیک وقت پر ادا کر دی ہیں اور تقاوی کے لینے کا شوق ظاہر کیا گیا ہے اور یہ بات نہیں پائی گئی ہے کہ زردار کاشت کاروں کا اعتبار گاؤں کے بنیے کے نزدیک صرف اس وجہ سے کہ اُنھوں نے گورنمنٹ سے روپیہ قرض لینے کے فائدوں کو ترجیح دی ہے ، جاتا رہتا ہے تو جناب ممدوح خیال فرماتے ہیں کہ اس وقت تک کارروائی نہایت تقویت بخش ہوئی ہے ۔''[2] اگرچہ رائے مندرجہ صدر ناکامل ہے تاہم اس سے زراعتی بنکوں کے قائم کیے جانے کی تائید ہوتی ہے ۔ جو نہایت بڑے فائدے زراعتی بنکوں کے قائم کرنے سے پیدا ہوں گے ، من جملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مہاجن لوگ ضرور بالضرور اپنے سود کی شرح کم کر دیں گے اور کاشت کاروں کی شکایت کا سبب یعنی یہ کہ مہاجن لوگ بہت زیادہ سود لیتے ہیں بغیر دقت کے رفع ہو جاوے گا اور

۱۔ چٹھی قائم مقام سکریٹری محکمہ بورڈ آف ریونیو بنام صاحب سکریٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب و اودھ نمبر ۳۷ ۔ ۳ ب ۲۱۔ مؤرخہ ۲۳ جنوری ۱۸۷۸ء ۔

۲۔ چٹھی سکریٹری گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب و اودھ بنام قائم مقام بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نمبر ۵۸۸ حرف اول مؤرخہ ۲ مارچ ۱۸۷۸ء ۔

جو کاشت کار اپنے خاص ساھوکار کے ساتھ اپنے تعلقات کو جاری رکھنا چاھیں گے وہ ان صورتوں میں ان تعلقات کو بہ‌خوبی قائم رکھ سکیں گے -

حصہ سوم

۴۲- ہر ایک ضلع میں زمین کی حیثیت کی ترقی اور کاشت‌کاروں کے امداد کے ذریعوں کے مہیا کرنے کی اس درجہ ضرورت معلوم ہوتی ھے کہ مجھ کو اندیشہ ھے کہ گورنمنٹ کسی معمولی طریقہ سے سرکاری محاصل سے اس ضرورت کو رفع نہیں کر سکتی ھے - اس مقصد کے پورا کرنے کے لیے گورنمنٹ کو یا تو روپیہ قرض لینا چاھیے اور یا کوئی اور تدبیر ایسی سوچنی چاھیے جو زیادہ تر پسندیدہ ہو اور جس سے وھی مقصد حاصل ہو - وہ طریقہ یہ ھے کہ لمیٹڈ کمپنیاں قائم کی جاویں اور زراعتی ترقیوں کے مقاصد کے واسطے فنڈ جمع کیا جاوے اور گورنمنٹ آن کی ایک شریک ہو جاوے -

آن کمپنیوں کے یہ نام قرار دیے جا سکتے ھیں :

(۱) کاشت کاروں کی امداد کی بنک - جو علیحدہ علیحدہ ہر ضلع میں قائم کیے جاویں - اس قسم کے ایک بنک کے قائم کرنے کا اشارہ آنریبل سرجان اسٹریچی نے ۱۸۷۶ء میں کیا تھا - جب کہ صاحب ممدوح اضلاع شمال و مغرب کے لفٹنٹ گورنر تھے -

(۲) اراضی کی حیثیت کو ترقی دینے کا بنک -

(۳) اراضی کی حیثیت کو ترقی دینے کی کمپنیاں -

۴۳- کاشت کاروں کی امداد کے بنک مندرجہ ذیل مقاصد کے واسطے قائم کیے جا سکتے ھیں :

(الف) کاشت کاروں کو روپیہ قرض دینے کے لیے :
(۱) زمین کی کاشت یا فصل کے بونے کے لیے بیج اور مویشی اور هل اور اور آلات کشاورزی کے خرید کرنے کے واسطے -
(۲) کاشت کاروں اور اُن کے عیال و اطفال اور ایسے رشته داروں کی پرورش کے واسطے جو اُن کاشت کاروں کی زمین کی کاشت میں شریک هوں -
(ب) کاشت کاروں کے هاتھ فروخت کرنے کی غرض سے غله اور مویشی اور هل اور دیگر آلات کشاورزی کے مہیا کرنے کے واسطے اُن کے مقاصد کے لیے جو اس دفعه کی ضمن (الف) میں بیان کیے گئے هیں -

۴۴- جو بنک اراضی کی حیثیت کو ترقی دینے کے واسطے قائم کیے جاویں وہ کاشت کاروں یا زمین داروں کو مندرجه ذیل مقاصد کے لیے روپیه قرض دیں گے :

(الف) کنوؤں اور تالابوں اور اور عمارتوں کی تعمیر کے لیے بغرض جمع کرنے اور مہیا کرنے یا تقسیم کرنے پانی کے مقاصد کاشت کاری کے واسطے -
(ب) آب پاشی سے واسطے زمین کے تیار کرنے والے -
(ج) عمارات کی تعمیر کے لیے -
(۱) واسطے نکاس پانی کے زمین سے -
(۲) دریاؤں یا اور پانیوں سے زمین کے درست کرنے کے لیے -
(۳) دریاؤں یا اور پانیوں سے زمین کی حفاظت کرنے کے لیے -

(ہ) سیلاب یا پانی کی وجہ سے جو اور نقصان ہوا اس سے زمین کو محفوظ رکھنے کے لیے -

(د) زمین کے درست کرنے یا صاف کرنے یا مقاصد آب پاشی کے واسطے زمین کے گرد احاطہ کھینچنے کے لیے -

(ہ) جو عمارات اس ضمن میں مذکور ہیں اُن میں سے کسی عمارت کو از سر نو بنانے یا اُس میں ترمیم کرنے یا اضافہ کرنے کے لیے -

(و) اُن عمارات کے بنانے کے واسطے جو اُن مقاصد کے لیے ضروری ہوں جن کی تصریح اس دفعہ میں کی گئی ہے -

۴٦- زمین کی حیثیت کو ترقی دینے کی کمپنیاں اُن مقاصد کو جو ذیل میں بیان کیے گئے ہیں اپنے خاص سرمایہ سے سر انجام دینے کے لیے قائم کی جاویں گی -

(الف) کنوؤں اور تالابوں کا زراعت کے مقاصد کے واسطے تعمیر کرنا -

(ب) ایک نہر یا منبع کا کسی دریا یا چشمہ یا نہر یا تالاب سے کسی کھیت کی آب پاشی کرنے کے لیے بنانا -

(ج) ایک مناسب مقام پر پانی جمع کرنے کے واسطے عمارت کا بنانا ، اس غرض سے کہ وہ کسی کھیت یا کھیتوں کی نہر یا منبع کے ذریعہ سے آب پاشی کرنے میں کام میں لایا جاوے -

(د) ایک دریا یا چشمہ یا نہر یا تالاب کے کناروں پر زیادہ تر بلند قطعات میں پانی پہنچانے کے لیے کل کا کھڑا کرنا -

۴۷- ان تمام کمپنیوں کا انتظام اُس قانون کی رو سے ہونا چاہیے جو لمیٹڈ کمپنیوں کے قائم کرنے سے متعلق ہے اور جس سرمایہ کے ذریعہ سے ہر ایک کمپنی اپنا کام شروع کرے اُس کو چند حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے - ہر ایک شخص مجاز ہوگا کہ جس قدر حصے چاہے خرید لے اور گورنمنٹ کو بھی اُن میں سے چند حصوں کا خریدنا لازم ہوگا -

۴۸- جو خاص عملہ کاشت کاروں کی امداد کے بنک کے واسطے مقرر کیا جاوے جس میں معتبر مہاجنوں کو خاص خاص مقامات میں بطور ایجنٹوں کے مقرر کرنا بھی شامل ہوگا تحصیل دار اور پیش کار اور قانون گو اور تحویل دار تحصیل اور ہر ایک گاؤں کا پٹواری اور ضلع کا خزانچی بنک کے عہدہ دار متصور ہوں گے -

گورنمنٹ ایک ڈپٹی کلکٹر یا ڈپٹی کلکٹروں کو عام نگرانی کرنے اور بنک کے مطالب سے متعلق اور کاموں کے انجام دینے کے واسطے خاص کر نام زد کرے گی اور گورنمنٹ اس بات کی مجاز ہوگی کہ وہ اس ڈپٹی کلکٹر یا ڈپٹی کلکٹروں کی کل تنخواہ یا اُس کا کوئی حصہ بنک کی آمدنی میں سے ادا کرے -

۴۹- ہر ایک فصل کے خاتمہ پر ڈپٹی کلکٹر جو کار خاص پر مامور ہو یا تحصیل دار یا پیش کار یا قانون گو پٹواری کی مدد سے تمام کاشت کاروں کی ایک فہرست اس امر کے تحقیق کرنے کی غرض سے تیار کرے گا کہ اُن میں سے کس کو قرضہ دینا چاہیے -

فہرست مذکور میں امور مندرجہ ذیل ہونے چاہئیں[۱] -

۱- قواعد بابت قرض دینے روپیہ کے کاشت کاروں اور چھوٹے چھوٹے زمین دار کو مناسب سود پر واسطے مقاصد کاشت کاری کے جن کو بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نے ماہ جولائی ۱۸۷۶ء میں مرتب کیا تھا قواعد نمبر ۲ و ۳ -

(۱) آیا کاشت کار ایک زمین دار ہے جو اپنی خاص زمین کو پٹہ پر اٹھاتا ہے اور رقبہ اس کی کاشت کا۔

(۲) آیا وہ کاشت کار ایسا ہے جس کو حق مقابضت حاصل ہے اور اس کو اس قسم کے حقوق کے منتقل کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں ۔

(۳) آیا وہ کاشت کار ایسا ہے جس کو حق مقابضت حاصل ہے یا نہیں ۔

(۴) آیا وہ کوئی کاشت کار ذیلی رکھتا ہے ۔

(۵) رقبہ زمین کا جس کی وہ کاشت کرتا ہو ۔

(۶) قسم زمین کی ۔

(۷) مقدار لگان کی جو وہ ادا کرتا ہے ۔

(۸) تعداد مویشی یا اور آلات کشاورزی کی جو اس کے قبضہ میں ہوں ۔

(۹) قسم قرضہ کی جو وہ لینا چاہتا ہے ۔

(الف) مویشی معہ اس کی تعداد اور تخمینی قیمت کے ۔

(ب) آلات کشاورزی مع ان کی تعداد اور تخمینی قیمت کے ۔

(ج) غلہ واسطے خوراک کے مع اس کی قسم اور مقدار تخمینی قیمت کے ۔

(د) وقت جب کہ ان چیزوں کی ضرورت ہوگی ۔

(ہ) نقد روپیہ مع اس کی تعداد اور اس مقصد کے جس کے واسطے وہ درکار ہے ۔

(۱۰) تعداد اس قرضے کی جو اس کے ذمے ہو ۔

(۱۱) اس کی خصلت بلحاظ ایک عمدہ کاشت کار ہونے کے ۔

(۱۲) بیان اس امر کا کہ آیا زمین دار اس قرضے کی بابت جو کسی کاشت کار کو دیا جاوے ضامن ہونے پر راضی ہے یا نہیں اور آیا کاشت کار اس طریقے میں روپیہ لینا پسند کرتا ہے یا نہیں -

۵۰- ڈپٹی کلکٹر متعینہ کار خاص تحصیل دار اور اور شخصوں کی مدد سے ان فہرستوں کی صحت کی تحقیق کرے گا ، جس قرضے کی درخواست کاشت کاروں نے کی ہو اُس کی مقدار میں مناسب ترمیم کرے گا - اُس قرضے کی مقدار قرار دے گا جو ہر ایک کاشت کار کو عموماً اس کے حالات کے لحاظ سے دینا چاہیے[۱] اور اُن شخصوں کی درخواست کو نامنظور کرے گا جن کی نسبت یہ بات ثابت ہو کہ اُنھوں نے بغیر ضرورت کے قرضے کی درخواست کی تھی -

۵۱- جو قرضہ اُن کاشت کاروں کے ذمے واجب ہو جن کو قرضے کا دیا جانا قرار پاوے ، وہ تحقیق کیا جاوے گا اور جو حساب اُن کا مہاجنوں کے ساتھ ہو اُس کو بنک تیار کرے گا اور بے باق کرے گا اور اُن کو وقتاً فوقتاً زائد قرضہ دیا جاوے گا مگر شرط یہ ہے کہ :

(۱) اُن میں سے ہر ایک اس مضمون کی ایک دستاویز کا تحریر کرنا قبول کر لے کہ اُس نے اپنے حقوق زمین داری یا کاشت کاری ، جیسی کہ صورت ہو بنک کو حوالے کر دیے ہیں اور جب تک وہ بنک کا قرض دار ہے اُس وقت تک اُس کو اُن حقوق کے منتقل کرنے یا کسی قرضے میں اُن کو

۱- قواعد محکمہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نے ماہ جولائی ۱۸۷۶ء میں مرتب کیے تھے - قاعدہ نمبر ۲ -

مکفول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ۔

(۲) جب تک کہ قرضہ یا اُس کا کوئی جز واجب رہے اُس وقت تک اُس کو بغیر اجازت بنک کے کسی مویشی یا آلات کاشت کار کے منتقل کرنے کا جو بنک سے لیے گئے ہوں کوئی حق حاصل نہیں ہے ۔

(۳) وہ بغیر اجازت بنک کے اس فصل کی پیداوار کے کسی حصے کو جو اُس قرضے کے ذریعے سے کاشت کی گئی ہو ، جو بنک سے لیا گیا ہو ، اُس وقت تک کہ جو نگان یا قرضہ بنک کو واجب الادا ہو وہ کلّاً یا جزاً باقی رہے ہرگز اپنے تصرف میں نہیں لائے گا ۔

۵۲- جو مویشی بنک دے یا جو اُس روپیہ سے خرید کی جاوے جو بنک نے قرض دیا ہو وہ داغی جاوے گی ۔[1]

۵۳- محکمہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نے اپنے اُن قاعدوں میں جو کاشت کاروں اور چھوٹے چھوٹے زمین داروں کو مناسب سود پر زراعتی مقاصد کے واسطے روپیہ قرض دینے کی غرض سے جولائی ۱۸۷۶ء میں مرتب کیے گئے تھے یہ قرار دیا ہے (قاعدہ نمبر ۳) کہ ”جن شخصوں کی نسبت یہ بات ثابت ہو کہ اُن کے ذمے بہ نسبت اُس کے زیادہ قرضہ ہے جو ادھار دینے کی اُس شرح کے بموجب جائز ہو جو قاعدہ دوم کی رو سے قرار دی گئی ہے اُن کی درخواست سے یہ سمجھ کر کہ وہ دیوالیہ ہیں نامنظور کی جاوے گی ۔“

میں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا ہوں اور میرا میلان اس رائے کی جانب ہے کہ کسی کاشت کار کی درخواست کو ایسی

۱- قواعد جو محکمہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب نے جولائی ۱۸۷۶ء میں مرتب کیے تھے - قاعدہ ۵ ضمن (الف)

بنا پر نامنظور نہیں کرنا چاہیے -

۵۴- اس قسم کے کاشت کاروں کے واسطے بلاشبہ ایک قانون دیوالہ کی ضرورت ہوگی جس کے بموجب اُن کو اس بات کی درخواست کرنی پڑے گی کہ وہ دیوالیہ قرار دیے جاویں - عدالت دیوالہ تمام قرضوں کی تحقیقات کرے گی اور اُس مقدار کو قرار دے گی جو ہر ایک قرض خواہ کو واجب الادا ہو اور قرض دار کی جائداد کی قیمت قرار دے گی - اس کے بعد بنک اُس مالیت کی مقدار کو جو اس طرح پر قرار پاوے قرض خواہوں کے درمیان اُس قرضہ کے اندازے سے تقسیم کرے گا جو ہر ایک کو واجب ہو اور دیوالیہ کو زائد مطالبوں سے بری کرے گا - قرض دار کی کاشت بنک کی مالیت متصور ہوگی جو بعد ازاں اُس کو کاشت کار کے حوالے کرے گا اور اپنا روپیہ اس طرح پر وصول کرے گا گو یا وہ ایک ایسا قرضہ تھا جو کاشت کار کو دیا گیا تھا ، جو مالیت اس طرح پر کاشت کار کے حوالے کی جاوے گی وہ اُس قرضے کی کفالت سمجھی جاوے گی جو اُس کو دیا جاوے -

۵۵- بنک اس بات کا مجاز ہوگا کہ جو چیزیں ضمن ۹ دفعہ ۴۹ کی مد (الف) و (ب) و (ج) و (ہ) میں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے کوئی چیز بجائے اس کے کہ نقد روپیہ اُن کی خرید کے لیے دے کاشت کار کے واسطے مہیا کر دے یا اُس رقم کو کسی اور معتبر شخص کو اُن چیزوں کے خرید کرنے کے واسطے حوالے کرے جو کاشت کار کو مطلوب ہوں -

۵۶- بنک کو لازم ہوگا کہ روپیہ یا غلہ یا اور کوئی چیز کسی کاشت کار کے واسطے اُس وقت پر جب کہ اُن کی ضرورت ہو اور اُس گاؤں میں جہاں کاشت کار رہتا ہو یا کسی اُس پاس کے قصبے میں یا بازار یا منڈی میں جہاں لوگ علی العموم جنسوں کے تبادلے کے واسطے آتے جاتے ہوں ، مہیا کرے -

۵۷- کاشت کاروں کو اُن چیزوں کی بابت جو اس طرح پر ان کے لیے مہیا کی جاویں رسید دینی پڑے گی اور مناسب عہدہ دار یا اور معتبر اشخاص ان معاملات کی تصدیق کے واسطے متعین کیے جاویں گے اور وہ رسیدوں پر اپنے خاص دستخط کر کے اُن کو مناسب حکام کے حوالے کریں گے - پٹواری کی موجودگی کہ وہ بھی رسیدات کی تصدیق کرے گا اور تمام معاملات کی یادداشت اپنے روزنامچے میں درج کرے گا لازمی ہوگی -

۵۸- ایسے بہت سے کاشت‌کار ہوں گے جن کو زمین دار کی ضمانت پر روپیہ قرض دیا جا سکے گا - اس صورت میں قواعد مندرجہ صدر معطل متصور ہوں گے اور زمین دار کو باضابطہ ایک ضمانت پر دستخط کرنے ہوں گے اور یہ رقم اس قسم کی دستاویز کی شرائط کے بموجب قابل وصول ہوگی -

۵۹- جہاں تک کہ مجھ کو تجربے سے معلوم ہے، مجھ کو اس بات کا یقین ہے جیسے کہ بورڈ آف ریونیو اضلاع شمال و مغرب کی بھی رائے[۱] ہے کہ ”کاشت کار علی العموم عمداً بے ایمانی نہیں کرتا ہے“ وہ اپنے معاملات میں ہمیشہ ٹھیک وقت کا پابند ہوتا ہے اور اپنے معاہدوں کے پورا کرنے کے واسطے کوشش کرتا ہے گو وہ کیسے ہی سخت اور ناواجب کیوں نہ ہوں - اُس کی وعدہ خلافیاں محض اس وجہ سے کہ وہ روپیہ ادا کرنے کے ناقابل ہوتا ہے پیدا ہوتی ہیں - پس میں اس بات پر یقین کرنے کی بڑی وجہ رکھتا ہوں کہ جو لین دین بنک کاشت کاروں کے ساتھ کریں گے اُس میں اُن کے روپیہ کو بہت کم جوکھوں ہوگی -

۶۰- جو زر تقاوی اس طرح پر کاشت‌کاروں کو دیا جاوے گا اُس پر سود لیا جاوے گا جس کی شرح وقتاً فوقتاً گورنمنٹ قرار

۱- چٹھی نمبر ۵۵۷ حرف (ن) ۲ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۷۶ء -

دے گی - جو روپیہ کاشت‌کار ادا کرے گا وہ اول اس سود کے حساب میں جمع کیا جاوے گا جو اُس تاریخ تک اُس کے ذمہ واجب ہو اور اگر کچھ روپیہ باقی رہے گا تو وہ اصل میں جمع کیا جاوے گا - سود ہمیشہ زر اصل کی بقایا پر جو واجب ہو، لگایا جاوے گا اور سود مرکب کے قاعدہ کا ہرگز برتاؤ نہیں کیا جاوے گا -

۶۱- جو بنک حیثیت اراضی کی ترقی کی غرض سے قائم کیا جاوے گا اُس کی کارروائی میں کوئی بڑی دقت پیش نہ آوے گی - یہ کارروائی بیش‌تر ۱۸۷۱ء کے قانون ترقی اراضی کے احکام کے مطابق ہوگی لیکن ان قواعد کو کسی قدر سہولت دینی پڑے گی جو زر تقاوی کے دینے سے متعلق ہیں -

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس بنک کی کام یابی کی بہت کم توقع معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس میں وہ مشکلات بھی پیش آویں گی جو ۱۸۷۱ء کے قانون ترقی اراضی کے خاطرخواہ عمل درآمد میں پیش آتی ہیں -

۶۲- جو کمپنی حیثیت اراضی کی ترقی کے واسطے قائم کی جاوے وہ بلا شبہ اپنا کاروبار بڑی وسعت کے ساتھ انجام دے سکتی ہے اور جس قدر سرمایہ اس کے پاس موجود ہو اس کے موافق اس کو ترقی دے سکتی ہے -

اس قسم کی کمپنی کو زمین کے قطعات اُن مقاصد کے لائق منتخب کرنے پڑیں گے جو اُس کو مد نظر ہوں - کنوؤں یا تالابوں کے بنانے سے پہلے وہ اُن موقعوں کو جو بغرض آب پاشی اُن کے بنانے کے واسطے نہایت مناسب ہوں اور نیز اس بات کو تحقیق کرے گی کہ ہر ایک مقام پر کنوؤں کے چلانے میں کس قدر خرچ ہوگا اور وہ کس درجہ تک کارآمد ہوں گے اور

کس قدر رقبے کی ان کے ذریعہ سے حفاظت ہو سکے گی اور اُن سے کس قدر فائدہ حاصل ہوگا ۔

کمپنی مذکور یہ بات بھی تحقیق کرے گی کہ آیا مختص المقام دریا یا چشمے یا نہریں ان مقاصد کے واسطے کام میں آ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر آ سکتے ہیں تو اُن میں کیا خرچ پڑے گا اور اُن سے کیا فائدہ حاصل ہو سکے گا[۱] ۔ اسی طرح پر وہ ان مقامات کو منتخب کرے گا جو باندہ کے بنانے کے واسطے مناسب ہوں ۔

کلوں کے ذریعہ سے اراضیات کی آب پاشی کرنا در حقیقت ایک خطرناک کام ہے لیکن کمپنی بہ آسانی اس تجربہ کی آزمائش کر سکے گی بہ شرطیکہ اس کو اس میں کام یابی کی کوئی صورت نظر آوے گی ۔

۶۳- کمپنی کے کاروبار کی کام یابی کے واسطے عہدہ داران ضلع کا اتفاق نہایت ضروری ہوگا ۔ تمام تجویزوں کا اجراء کلکٹر ضلع کے مشورہ سے کیا جاوے گا اور جو رپورٹیں

۱- اگر میری یاد صحیح ہے تو ضلع بجنور میں اس قسم کی دو مختص المقام نہریں بنائی گئی ہیں - ۱۸۵۵ء میں میں نے اُن کاغذات کو جو ان نہروں سے متعلق تھے ضلع مذکور کی ایک تواریخ تالیف کرنے کی غرض سے (جو پوری ہو گئی تھی مگر غدر میں گم ہو گئی) ملاحظہ کیا اور مجھ کو یاد ہے کہ جو نفع اُن میں سے ایک نہر سے حاصل ہوا تھا اُس سے اس کی لاگت معہ اس کے سود کے بہت جلد پوری ہو گئی اور دوسری نہر سے بھی ایک واجبی شرح سود کی حاصل ہوئی ۔ ان وجوہات پر میں خیال کرتا ہوں کہ اور اضلاع بھی ایسے ضرور ہوں گے جن میں آب پاشی کے واسطے اس قسم کے کاموں کے جاری کرنے کی اسی طرح پر معقول توقع ہوگی ۔

کمپنی تیار کرے گی وہ گورنمنٹ کے پاس معرفت کمشنر قسمت کے ارسال کی جاویں گی - جن کاموں کی سفارش کی گئی ہے اُن کا جاری کرنا یا اُن کا ملتوی کرنا اُن احکام پر منحصر ہوگا جو گورنمنٹ سے موصول ہوں -

۶۴- ضلع کا کلکٹر ہمیشہ ان تمام بنکوں کا پریذیڈنٹ ہوگا جو اس طرح پر قائم کیے جاویں اور فنڈ ضلع کے خزانے میں جمع کیا جاوے گا -

۶۵- ان بنکوں کو اُسی طریقہ میں اپنے قرضوں کے وصول کرنے کا اختیار دینا چاہیے جو اُس روپیہ کے وصول کرنے کے واسطے قرار دیا گیا ہے جو گورنمنٹ قرض دے - صرف یہ فرق ہونا چاہیے کہ بنک اپنی طرف سے کسی کارروائی کے عمل میں لانے کے مجاز نہ ہوں گے بلکہ وہ اپنے حسابات کو تیار کریں گے اور اُن کو ایک درخواست کے ساتھ کلکٹر ضلع کی خدمت میں پیش کریں گے جو اُن کے وصول کرنے کے واسطے معمولی تدابیر عمل میں لاوے گا -

۶۶- جو زر تقاوی گورنمنٹ لوگوں کو دے اور جو یہ بنک دیں ، چوں کہ اُس کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں ہے اور یہ بنک ہر ایک ضلع کے کلکٹر کی نگرانی اور حکومت کے تابع ہوں گے اور اُن کے حسابات کی صحت کی نسبت شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اس لیے یہ کوئی ناانصافی نہ ہوگی کہ وہ بطور مستثنیات کے عدالتوں کی تحقیقاتوں کے ضابطہ سے خارج کر دیے جاویں - یہی وہ اصول ہے جس پر گورنمنٹ خاص اپنی بقایا مال گزاری اور تقاوی کے وصول کرنے میں عمل کرتی ہے - پس اس قاعدہ کو اُس تقاوی سے متعلق کرنے میں جو بنک دے کوئی واجبی بنیاد اعتراض کی نہ معلوم ہوگی -

۶۷- جو آب پاشی کے کام کمپنی تیار کرے گی وہ خاص کر دو اقسام کے ہوں کے یعنی کنوئیں یا نہریں - کنوؤں کے معاملہ میں اس معاوضہ کی نسبت جس کی کمپنی مستحق ہوگی کوئی دشواری پیش نہ آوے گی - جیسا کہ دفعہ ۱۹ میں بیان کیا گیا ہے البتہ جو نہریں اس طریقہ میں بنائی جاویں گی ان کے معاملہ میں کسی قدر دقت پیش آوے گی - گورنمنٹ کو بلا شبہ ان اراضیات پر جن کی آب پاشی اُن کے ذریعہ سے ہوتی ہو محصول آب پاشی قرار دینا پڑے گا - اس بات کی ضرورت کہ کاشت کار لوگ اپنی اراضیات کی آب پاشی نہر کے پانی سے کرنے اور محصول آب پاشی کے ادا کرنے پر مجبور کیے جاویں غالباً ہرگز واقع نہ ہوگی کیوں کہ لوگوں نے ان مختص المقام نہروں سے فائدہ اٹھانے پر جو ضلع بجنور میں جاری ہیں اور محصول آب پاشی کے ادا کرنے پر صاف صاف اپنی آمادگی ظاہر کی ہے -

۶۸- ان کمپنیوں کے واسطے چندہ دینے والوں کی ایک کافی تعداد کے بہم پہنچانے میں ابتدا میں غالباً کسی قدر دشواری واقع ہوگی اور گورنمنٹ شاید بہت سے حصوں کے لینے پر مجبور ہوگی مگر میں اس بات پر یقین کرنے کی ہر ایک وجہ رکھتا ہوں کہ یہ بنک بہت جلد عام پسند ہو جائیں گے اور چندہ دینے والے حاجت سے زیادہ بہ کثرت بہم پہنچ جاویں گے - کیوں کہ اس بات کے موقعے کہ مہاجن لوگ بغیر شریک ہونے ان بنکوں کے اپنا روپیہ سود میں لگا سکیں بہت کم رہ جاویں گے اور بنکوں کو اپنے قرضوں کے وصول کرنے میں بہت زیادہ آسانی اور خطرہ بہت کم ہوگا - علاوہ اس کے جو قرضہ پرائیویٹ شخص کاشت کاروں کو دیں گے اُس پر سود کی شرح بہت کم ہو جاوے گی اور جو مشکلات اُس کے وصول کرنے میں اور جو خطرات اُس کے ساتھ

لگے ہوتے ہیں وہ بہ دستور قائم رہیں گے - لیکن اگر وہ حق جس کا ذکر دفعہ ٦٥ میں ہے بنکوں کو نہ دیا جاوے گا تو لوگ شاید ہی اُن کے حصوں کے خریدنے پر مائل ہوں گے -

حصہ چہارم

٦٩- قحط کی نسبت کچھ تحریر کرنا بے فائدہ ہوگا کیوں کہ اس امر کی نسبت اس سے پہلے بہت سی تحقیقاتیں ہو چکی ہیں لیکن جو اثر اُس تجویز سے جو معرض غور میں ہے قحط کی سختیوں کے کم کرنے میں ہوگا اس کی نسبت کچھ بیان کرنا میں مناسب سمجھتا ہوں -

٧٠- جو مدد زمانہ قحط میں دی جاتی ہے وہ عموماً دو صورتوں پر محدود ہوتی ہے یعنی محتاج خانوں کا قائم کرنا یا تعمیرات عام یا امدادی کاموں کا جاری کرنا - ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں اس قسم کے انتظامات کا کرنا واقعی نا ممکن ہے جن کے باعث سے کاشت کاروں کو اپنے گھروں سے باہر نہ نکلنا پڑے - گھر سے اُن کے جدا ہونے کا اُن پر نہایت سخت اثر ہوتا ہے - اُن کی تمام خانگی اشیا گو وہ کیسی ہی نکمی یا نا چیز کیوں نہ ہوں بہ سبب نہ ہونے خبر گیری کے برباد ہو جاتی ہیں - ان کے مکانات قریباً مسمار ہو جاتے ہیں - ان کے مویشی ضائع ہو جاتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑیں وہ خود نہایت لاغر ہو جاتے ہیں - جب کہ وہ اپنے گھروں کو مصیبت کے ختم ہونے کے بعد واپس آئے ہیں تو ان کو یہ سب چیزیں از سرِ نو مہیا کرنی اور اس مقصد کے واسطے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے کیوں کہ پھر آباد ہونے کا وہ اور کوئی ذریعہ نہیں رکھتے ہیں - کوئی تدبیر جس سے ان غریب لوگوں کی امداد بغیر اس کے

کہ وہ اپنے گھروں کے چھوڑنے پر مجبور کیے جاویں متصور ہو غالباً ان کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوگی -

۷۱- دفعہ ۹۴ میں یہ بات قرار دی گئی ھے کہ جو بنک کاشت کاروں کی امداد کے واسطے قائم کیا جاوے اس کو ہر فصل کے خاتمے پر کسی گاؤں کے تمام کاشت کاروں کی ایک فہرست تیار کرنی چاهیے اور گورنمنٹ کے واسطے یہ ایک آسان بات ہوگی کہ وہ قحط کے زمانے میں بنک کو کسی قدر روپیہ اس غرض سے سپرد کر دے کہ وہ محتاج کاشت کاروں کی امداد میں صرف کیا جاوے - بنک کاشت کاروں کو بغیر اس کے کہ اُن کو اپنے گھروں سے باھر جانا پڑے ان کی پرورش کے واسطے غلہ دے سکے گا لیکن اس قسم کی امداد بطور قرضہ کے متصور نہ ہوگی بلکہ صرف ایک خیرات کا کام متصور ہوگی -

۷۲- سب سے بڑی مصیبت جو قحط کے زمانے میں کاشت کاروں پر پڑتی ھے وہ اُن کے مویشی کا ضائع ہونا ہوتی ھے - یہ بنک مویشی کی حفاظت کے واسطے اس طرح پر بخوبی تدابیر عمل میں لا سکے گا کہ وہ مختلف جنگلوں میں بعض قطعات کو بطور چراگاہوں کے محفوظ رکھنے کے واسطے جن کے ذریعہ سے خشکی کے موسم میں مویشی بیچ سکیں ، گورنمنٹ سے درخواست کرے گا اور ہر ایک کاشت کار کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مویشی (بلاشبہ اپنی خاص ذمہ داری پر) بنک کی نگرانی میں سپرد کر دے اور بنک مویشی مذکور کو اس چراگاہ میں بھیج دے گا جو اس مقصد کے واسطے مقرر کیا گیا ہو اور جس وقت مصیبت نکل جاوے گی تو مویشی کو فوراً واپس بلا لے گا اور اُس کو مالک کے حوالے کر دے گا - جو خرچ بنک کا ان انتظامات میں ہوگا اس کو گورنمنٹ فیمن ریلیف فنڈ سے ادا کرے گی - کوئی تدبیر جس کے ذریعہ سے خشکی کے زمانہ

میں کاشت کاروں کے مویشی محفوظ رهیں میری رائے میں امداد کا نہایت معقول طریقه هے -

حصه پنجم

۷۳- ان تجویزوں کے جاری کرنے کی غرض سے قوانین مروجه میں اس قسم کی ترمیم کرنی لازم هوگی جس سے مطالب مندرجه ذیل حاصل هوسکیں :

(الف) یه که کاشت کاروں کا هر ایک فرقه اپنی کاشت میں آب پاشی کے ذریعوں کے قائم کرنے کا اُس حالت میں که زمین دار اُس کے کرنے سے انکار کرے مستحق هو جاوے -

(ب) یه که جب که آب پاشی کے ذریعے اس طرح پر قائم هو جاویں تو اس کے بعد وه حق مقابضت کے مستحق هو جاویں -

(ج) یه که اس قسم کے کاشت کار اس حالت میں که زمین دار اُن کو بے دخل کر دے معاوضه کے مستحق هو جاویں جیسا که اوده اور پنجاب میں هوتا هے -

(د) یه که بنک کے قرضوں میں اس قسم کے حقوق کا مکفول کرنا جائز هو -

۷۴- مندرجه بالا ترمیموں کے علاوه مندرجه ذیل خاص قوانین کا نافذ کرنا ان تجویزوں کے مقصد کے پورا کرنے کی غرض سے ضروری هوگا -

(الف) ایک قانون جو کاشت کاروں کے دیواله سے متعلق هو -

(ب) ایک قانون جس کی رو سے کاشت کاروں کی امداد کے واسطے بنکوں کا قائم کرنا جائز ہو۔

(ج) ایک قانون جس کی رو سے اراضی کی حیثیت کی ترقی کے واسطے بنکوں کا قائم کرنا جائز ہو۔

(د) ایک قانون جس کی رو سے اراضی کی حیثیت کی ترقی کے واسطے کمپنیوں کا قائم کرنا جائز ہو۔

(سید احمد) شملہ ۹ ستمبر ۱۸۷۹ء

"سراب حیات"

(تہذیب الاخلاق جلد ۷ نمبر ۷ بابت یکم رجب ۱۲۹۳ ھ صفحہ ۸۵)

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

کیوں ! کس خیال میں ہو ؟ آج آپ کی طبیعت کچھ متفکر معلوم ہوتی ہے -

نہیں کوئی بات نہیں ہے - یوں ہی سست ہے - آدمی کو کبھی کچھ خیال ہوتے ہیں کبھی کچھ - اُن ہی خیالات سے کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے ، کبھی آپ ہی آپ متفکر ہوتا ہے -

بھلا کہیے تو سہی کہ کن خیالات نے آپ کو متفکر کیا ہے ؟ ہم بھی تو سنیں !

چند روز ہوئے کہ میں نے ایک گھنٹہ اپنے کمرے میں لگایا ہے - اُس کا لنگر ٹوٹ گیا تھا ، وہ بند تھا ، نہ چلتا تھا ، نہ آواز دیتا تھا - ایک دوست نے مہربانی سے اُس کو بنا دیا - وہ چلنے لگا اور آواز دینے لگا - میں دیکھتا ہوں کہ وہ دن رات چلتا ہے ایک سے اپنا دورہ شروع کرتا ہے اور بارہ پر ختم کر دیتا ہے - اُس کی ایک اُلٹ پھیر میں دن رات ختم ہو جاتا ہے - جب ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا ؟ تو معلوم ہوتا ہے ، کچھ نہیں - یہی دھن کئی دن سے مجھے لگی ہوئی تھی اور اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھا کہ یکایک ہمارے دوست پادری رجب علی صاحب نے ایک

کتاب بھیجی جس کے سرے پر لکھا تھا "سراب حیات" میں بہت خوش ھوا اور سمجھا کہ شاید اس سے کچھ عقدہ حل ھوگا۔

یہ کتاب دراصل انگریزی میں ھے اور جانسن نے بڑی فصاحت و بلاغت سے لکھی ھے۔ اس کا ترجمہ پنڈت بشمبر ناتھ نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ نہایت قابلیت سے اردو زبان میں کیا ھے۔

اس کتاب میں مصنف نے نہایت لائق اور مشہور اور عقل مند اور فصیح و ظریف و شاعر، فیاض و بخیل آدمیوں کا جو ھمارے زمانہ سے تھوڑے ھی دن پہلے اسی دنیا میں موجود تھے ذکر کیا ھے اور پھر دکھایا ھے کہ کس طرح حسرت و افسوس سے اس دنیا سے گئے۔ تمام مال و دولت چھوڑ گئے۔ نہ وہ عقل‌مندی کام آئی اور نہ وہ متاع دنیا۔ زبان حال سے یوں کہتے کہتے مر گئے۔

کس لیے آئے تھے کیا ھم کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

اس کتاب نے بعوض سلجھانے کے میرے خیالات کو اور الجھا دیا اور یہ سوال دل میں پیدا ھوا کہ "کس لیے آئے تھے؟" اسی سوچ میں تھا کہ میں نے اپنے کمرہ کا دروازہ کھولا ایک خوش نما ندی اور سرسبز درخت اور شاداب کھیتی پر میری نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ندی کا پانی بہا چلا جاتا ھے۔ پچھلا آتا ھے اور اگلا چلا جاتا ھے۔ درختوں کو میں نے دیکھا کہ پرانے جاتے ھیں اور نئے آتے ھیں۔ پکی کھیتی کاٹی جاتی ھے اور نئی بوئی جاتی ھے۔ یہی آواگون لگ رھا ھے۔ یہ کس لیے آئے تھے اور کس لیے گئے۔ کیا یہ بھی کچھ حسرتیں لے گئے۔

کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر میں نے غور کیا کہ شاید یہ مسئلہ کہ "کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے" متحرک جان داروں سے متعلق ھوگا۔ میں نے سب کی حالت پر اپنا خیال دوڑایا۔ میں

نے شیر کا خیال کیا جو سب سے زیادہ خوب صورت ، سب سے زیادہ شان دار ، سب سے زیادہ شجاع ، سب سے زیادہ غیور ہے - مگر سب میں موذی اور زند بار آزار مشہور ہے - جب اس کی مردہ لاش کا میں نے دھیان کیا تو دیکھا ایک بے حرکت لاشہ پھول کر پیٹ پھٹا ہوا انتڑیاں گیدڑوں کی کھائی ہوئی سنہری کھال خاک میں ملی ہوئی گوشت گل کر زمین پر پڑا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا ہی ڈھانچا تھا اور غالباً وہ بھی چند روز کو -

میں سمجھا کہ یہ تو اسی قسم کا جانور تھا جس قسم کے آدمیوں کا ''سراب حیات'' میں جانسن نے ذکر کیا ہے ، کسی اس سے عمدہ جانور کو دیکھو -

اتنے میں کتے کا مجھے خیال آیا - میں سمجھا کہ سب جانوروں میں یہی خدا رسیدہ ہے - قناعت ، محبت ، رفاقت ، دوستی ، وفاداری ، اپنے مالک کی اطاعت اور سب سے زیادہ کسر نفسی اسی پر ختم ہے - سب دور دور کرتے ہیں - مثلاً مولوی تونجس العین بتاتے ہیں مگر یہ غریب سب کے سامنے عاجزی اور کسر نفسی سے دم ہلاتا اور سر جھکاتا ہے - مگر جب وہ بھی مرا تو ایک لاشہ بے حرکت تھا نہ وہ دُم کا ہلانا تھا نہ سر کا جھکانا ، نہ وہ رفاقت تھی نہ وہ اطاعت - چند روز میں اسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا - منہ کھلا ، جبڑا ننگا ، دانت اور کچلیاں کھلی ہوئیں اور ہزاروں چیونٹیاں اس میں گھسی ہوئی - میں نہایت متعجب ہوا ، کہا کہ میاں انجام تو دونوں کا ایک سا ہی ہوا -

میں نے کہا نہیں کسی مقدس جانور کو لو - میں نے کبوتر کا خیال کیا جو دنیا میں سب سے مقدس شمار ہوتا ہے - بھولی بھالی صورت ، پیاری پیاری باتیں ، جورو خصم نہایت محبت ، دونوں کا سوشیل برتاؤ نہایت میٹھا ، تقدس میں بھی سب سے بڑھا ہوا - نوح[۴]

کے لیے زیتون کی مبارک ٹہنی لانے والا ، مسیح کے لیے روح القدس بن کر اترنے والا ، مکہ معظمہ میں کعبہ کا طواف کرنے والا ، تمام خانقاہوں کا مجاور ہو کر رہنے والا ، اپنے پروں کی ہوا سے بیماروں کو شفاء بخشنے والا ، ہندوؤں اور بودھست لوگوں کو جی کے بچاؤ کی ہدایت کرنے والا - مگر جب اس کا بھی انجام دیکھا تو اس سے زیادہ کچھ نہ پایا کہ پر نچے ہوئے کہیں پڑے ہیں ، چونچ کہیں اور پنجے کہیں ، چند روز تک سینہ ڈھانچا پڑا ہے ، پھر وہ بھی نہیں -

میں نے اپنے خیال کو انسان کی طرف پلٹا کہ یکایک میرے سامنے سلطان عبد العزیز خاں کا ماجرا آموجود ہوا جو نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا - لڑائیوں میں نہایت دلیری و دانائی سے لڑا تھا - پندرہ برس سے قسطنطنیہ کے تخت شاہی پر جلوس کرتا تھا لوگ کہتے ہیں کہ نہایت فضول خرچ تھا - عورتوں پر بہت فریفتہ تھا چناں چہ ۵۳ عورتیں اس حرم سراء میں تھیں - ملک میں روپیہ کی کمی تھی - شاہی خزانہ خالی تھا - باغیوں سے سلطنت میں آفت برپا تھی - مگر اس نے کئی کروڑ روپیہ اپنے خزانہ میں عیاشی کے لیے چھپا رکھا تھا - اپنی پیاری جورو کی خوشی کے لیے ترکوں کی ولی عہدی کی پرانی رسم کو توڑنا چاہتا تھا - اس جورو سے جو بیٹا تھا - اس کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا اور ملک کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کر اس کام کے پورا ہونے کو ملک کے دشمن آدمیوں کو اپنا دوست بناتا تھا - کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے جرموں میں اسی کی سلطنت کے لوگوں نے اس پر یورش کی - تخت سے اتار دیا اور محل سے نکال ایک چھوٹے سے مکان میں قید کر دیا - سلطنت جانے کی حسرت نے اس کے دل کو بیتاب کر دیا اور اپنے تئیں آپ مار مرا - میرے خیال نے جھٹ ہاتھ دوڑایا - پہلے تو ماتھے پر رکھا پھر نتھنوں کے سامنے لے گیا کہ شاید کچھ سانس چلتی ہو - سینہ کو

ٹٹولا ، ھاتھ کو دیکھا ، پاؤں کو دیکھا ، چاروں طرف غور کی ، بجز ایک لاش کے کچھ نہ پایا ، سینہ پر کان لگایا کہ شاید وہ ھڈیاں اُچھل رہی ھوں مگر کچھ پتا نہ لگا ۔ میں سمجھا کہ اب اس میں کچھ نہیں ۔ چند روز میں یہ گوشت و پوست بھی نہ ھوگا صرف ھڈیوں کا ڈھانچا رہ جاوے گا اور چند روز بعد وہ بھی نہ ھوگا ۔ مجھے جانسن کی ''سراب حیات'' یاد آئی اور سمجھا کہ دنیا کی حسرت میں مرا ۔ اس لیے اس کا یہ حال ھوا ۔

مجھ کو اشتیاق ھوا کہ کسی بڑے خدا رسیدہ دنیا کی طرف سے پژمردہ مرے ھوئے کا حال دیکھوں ۔ پنجاب کا ایک نہایت متبرک شخص میری آنکھوں میں پھر گیا ۔ اُس کے دیکھنے سے میں بہت خوش ھوا ۔ خدا کے سوا اور کچھ کلام نہ تھا ، عبادت کے سوا کچھ کام نہ تھا ، دنیا اور اُس کا عیش محض بے حقیقت تھا ۔ جو لَو تھی وہ خدا و عقبٰی سے لگی ھوئی تھی ۔ اتفاقات سے اُن کا بھی آخری وقت آ پہنچا ۔ اپنی اول منزل کی اُنھوں نے وصیت کی اور اپنے دوستوں کو نصیحت ۔ نہایت شاداں و فرحاں سفر کی تیاری کی اور بغیر کسی ارمان و حسرت کے جان دی ۔ میرے خیال نے جھٹ ھاتھ بڑھایا ، ماتھے پر رکھا ، نتھنوں کے سامنے کیا ، دل ٹٹولا ، سینہ ٹٹولا ، ھاتھ دیکھا ، پاؤں دیکھا ، کچھ نہ تھا ، سینہ پر ٹکٹکی باندھی کہ اُس کے اندر سے ضرور کچھ روشنی جھلکتی ھوگی پر کچھ نہ تھی ۔ میں گھبرایا اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اجی حضرت کچھ بولو تو سہی ، وھاں کیا تھا ، سانس بھی نہ تھی ۔ میں نے کہا کہ یہ تو ویسا ھی معاملہ ھوگیا جیسا کہ ان سے پہلوں کے ساتھ ھوا تھا ۔ دنیا کی حسرت لے جانے اور عبادت کے شوق میں مر جانے میں تو اب تک کچھ فرق نہیں دکھائی دیا ۔

اتنے میں لوگ اُن کی تجہیز و تکفین کرنے لگے ۔ قدیم خانقاہ

میں اگلے سجادہ نشینوں کی قبروں کے برابر قبر کھودنے لگے۔ میں نے گھبرا کر کہا کہ دو چار دن رہنے تو دو۔ مجھے سمجھ تو لینے دو کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا باولا ہوا ہے، کوئی مُردوں کو رکھتا بھی ہے تمام کھال بکس جاوے گی، گوشت گل پڑے گا، ھڈیوں کا ڈھانچہ نکل آوے گا، کوے اور چیلیں منڈلانے لگیں گی، ھڈیوں کے ڈھانچہ سے لوگ ڈر کر بھاگنے لگیں گے۔ یہ سن کر تو میں ششدر رہ گیا۔ تمام اگلے لاشے میری آنکھوں میں پھر گئے۔ میں نے کہا کہ میاں اور سب کا بھی تو یہی حال ہوا تھا۔ کیا یہی بات سچ ہے۔

چو آہنگ رفتن کند جان پاک
چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

میں نہایت متردو و متفکر، حیران و ششدر وہاں سے اٹھا اور دل بہلانے کے لیے اپنے باغ میں گیا جو ایک بہت بڑا باغ تھا اور جوانی اور ولولہ کے زمانے میں میں نے اس کو از سر نو نہایت خوب صورت و خوش نما آراستہ کیا تھا اور وہاں اکثر دوستوں کا اور بڑے بڑے نامی اور با کمال لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ غالب کی دل کش و محبت آمیز بزرگانہ باتوں سے، آزردہ کی دل چسپ و دل ربا فصاحت سے، شیفتہ کی متین و نیم خندہ زن وضع سے، صہبائی جانواز کے میخانہ محبت سے دل شاد شاد رہتا تھا۔ ادھر ادھر پھر رہا تھا، ایک چمن میں پہنچا جس کی نئی کھدائی ہوئی تھی، مٹی میں ایک ھڈی دکھائی دی جس کو میں بکرے کی سری سمجھا۔ میں نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا جب وہ نکلی تو بکرے کی سری نہ تھی بلکہ آدمی کی کھوپری تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ ایک دن اس طرح کوئی شخص میری کھوپری کو بھی ٹھوکر مارے گا۔ میں نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا اور دیکھا کہ صرف

ہڈیاں جوڑی رہ گئی ہیں - پیشانی کی ہڈی پر خط خط میں شاید وہی نوشتہ تقدیر ہو پر پڑھی نہیں گئی - آنکھوں کی جگہ ایک گڑھا اور حلقہ تھا ، آنگلی ڈالو تو کچھ نہیں ، ناک کی خوب صورتی بالکل نہ تھی ایک شکستہ تھوڑی سی آونچی نہایت بد نما ہڈی کا نشان تھا اور آس کا سوراخ نہایت ہی برا معلوم ہوتا تھا وہ دانت جن کو موتی اور اولوں کی باڑ کہتے تھے ، ایسے ہیبت ناک دکھائی دیتے تھے کہ دل کانپتا تھا -

میں نے اپنی بے ادبی کی جو نا دانستہ ہوئی ، معافی چاہی اور پوچھا کہ تم کون ہو ؟ کیا مذہب تھا ؟ عالم تھے ، فقیر تھے ، دنیا کی حسرت میں مرے یا خدا کی عبادت میں ، ہر چند پوچھا ، کچھ جواب نہیں ملا - پھر میں آس کو آلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید کچھ نشان بھلائی برائی کا ملے ، کچھ نہ ملا - ایک بڈھا باغبان میری ان سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کہ میاں کیا دیکھتے ہو ؟ اچھے بروں کا ، گیدڑ بھیڑیے کا ، مرے پر سب کا ایک سا حال ہو جاتا ہے - میں سخت متعجب ہوا اور جانسن کی ''سراب حیات'' کو یاد کیا کہ پھر آس نے کیا کہا -

میرے دوست نے کہا کہ تمھارے خیال بھی نہایت خام ہیں اور تمھارے متفکر ہونے پر بھی نہایت افسوس ہے - تم اس مٹی کے ڈھیر اور سڑنے والے گوشت اور گلنے والی ہڈیوں میں کیا ڈھونڈتے تھے ، جو چیز دیکھنے کی تھی وہ تو آس میں تھی ہی نہیں -

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کہاں تھی آس نے کہا کہ معلوم نہیں پھر پوچھا کہ کیسی تھی بولا کہ معلوم نہیں - پھر پوچھا کہ دیکھائی دیتی تھی کہا نہیں پھر پوچھا کہ کہاں گئی ، کہا معلوم نہیں -

اس جواب سوال سے میں اور بھی متحیر ہوا کہ جس چیز کا

کسی طرح پر علم نہیں اُس کی نسبت کہتا ہے کہ تھی - بولا کہ خدا نے کہا ہے - میں نے کہا سچ "ولکن لیطمئن قلبی" یہ سنا اور سن کر خاموش ہو رہا - میں نے کہا کہ یہ سب تمہارے خیالات ہیں کہ وہ شخص دنیا کی حسرت میں مرا اور وہ شخص خدا کی عبادت میں مرے - پر سب برابر ہیں - جو بات سچ ہے وہ آپس کی ہمدردی ، قومی اعانت ، قومی بھلائی ہے - جب کہ ہماری قوم کا دنیا میں یہ حال ہے کہ ذلت و خواری ، نکبت و جہالت میں مبتلا ہے تو اگر کوئی دنیا کی حسرت میں مر کر جہنم میں گیا تو ہماری جوتی سے اور عبادت کر کر بہشت میں گیا تو ہماری بلا سے ، اُن کا کیا رونا ہے - جیتوں کو رو جو مُردوں سے بھی بد تر ہیں -

هندوؤں میں ترقی تہذیب

(تہذیب الاخلاق بابت یکم ذی‌قعدہ ۱۲۸۹ھ)

یہ ایک نہایت عمدہ قول ایک بڑے فلاسفر کا ہے کہ زمانہ سب سے بڑا رفامر یعنی مصلح امورات ہے -

ہندوؤں کا حال دیکھ کر ہم کو اس قول کی تصدیق ہوتی ہے - انھیں دنوں میں ہزہائنس مہاراجہ صاحب وجے نگرام کے بیٹے کی شادی ہزہائنس مہاراجہ جے پور کے ہاں ہوئی ہے وہ اور اُن کے احباب جے پور بیاھنے کو گئے تھے اور چند رئیسان بنارس بھی اُن کے ساتھ تھے - جب سب لوگ شادی کر کر واپس آئے تو دو صاحبوں نے جو نہایت عالی خان دان رئیس ہیں، مجھ سے دعوت کا یہ حال بیان کیا کہ وھاں کئی سو راجپوت نے جو نہایت عمدہ قوم کے ہیں اور جن میں مہاراجہ جےپور و مہاراجہ وجےنگرام بھی شامل تھے، اس طرح پر کچی رسوئی کھائی کہ ایک نہایت پُر تکلف مکان فرش فروش سے آراستہ تھا، شطرنجی اور نہایت عمدہ دھوئی ہوئی سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی اور اُس پر بہت بڑی لمبی خوب صورت مہاگنی کی میز لگی ہوئی تھی اور ہر چہار طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں - تمام راجپوت اپنی پوشاک، دستار وقبا پہنے ہوئے اور پاؤں میں جوتیاں پہنے ہوئے، ہتھیار لگائے ہوئے سب کرسیوں پر آن بیٹھے - میز پر سب کے سامنے انواع و اقسام کا کھانا چنا۔ گیا جس میں دال بھات بھی تھا اور سب نے بے تکلف ایک میز پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا -

زیادہ تعجب یہ ہے کہ چوکہ کی بھی کچھ قید نہ تھی - کچی رسوئی بھی چل کر بہت دور فاصلہ سے آتی تھی اور سب راجپوت بلا عذر کھاتے تھے -

اس بات کے سننے سے البتہ ہم کو افسوس ہے کہ میز پر بجائے نفیس نفیس برتنوں کے پتوں کی رکابیاں تھیں جس کو ہندی میں تپل کہتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز تھی جو اس زمانہ کو یاد دلاتی تھی جب کہ دنیا کی قوموں کو برتن بنانے کا فن نہیں آتا تھا - مگر ہم کو امید کرنی چاہیے کہ ہمارے ہندو بھائی اپنے دھرم کو قائم رکھ کر بہت جلد تہذیب و شائستگی میں ترقی کریں گے -

در حقیقت ہمارے لیے اور خصوص میرے لیے یہ بات نہایت خوشی کی ہے - اس لیے کہ میں ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں سویلزیشن کی ترقی مع قیام اُن کے مذہب کے نہیں ہو سکتی - مگر اس حال کے سننے سے جو جے پور میں ہوا مجھے یقین ہو گیا کہ میرا یہ خیال غلط تھا اور میں اپنے اس خیال کے غلط نکلنے سے بے انتہا خوش ہوا ہوں اور خود اپنے کو آپ مبارک بادی دیتا ہوں -

میری یہ سمجھ ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مسلمان ہیں - اگر ایک قوم نے ترقی کی اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا ، بلکہ اُس کی مثال ایک کانڑے آدمی کی سی ہوگی - لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے نام کو بھی عزت ہوگی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کانڑی اور بڈھی بال بکھری دانت ٹوٹی بیوہ کہلاوے ایک نہایت خوب صورت پیاری دلہن بن جاوے گی -

او خدا تو ایسا ہی کر - آمین -

نیچر

(تہذیب الاخلاق ۱۲۹۶ھ از صفحہ ۱ تا ۵)

اچھے لفظ بھی جب بری نیت سے استعمال کیے جاویں تو برے ہو جاتے ہیں - آپ بڑے عالم ہیں - کہنے والے کی نیت سے بڑے جاہل کے معنوں میں ہو جاتا ہے مگر ہم کیوں کسی کی نیت کو بد قرار دیں - ہم کو تعجب ہے کہ وہ لوگ جو ائمہ اربعہ کے مذہب پر نہیں چلتے غیر مقلد یا لا مذہب کہنے کو کیوں گالی سمجھتے ہیں[1] حالاں کہ درحقیقت وہ ائمہ اربعہ کی تقلید نہیں کرتے اور اُن کے مذہب پر نہیں چلتے - پھر سچ بات سے کیوں برا مانتے ہیں اور اوروں کی نیت کو کیوں برائی پر لے جاتے ہیں - وہی لوگ اور اور ان کے چھوٹے بڑے بھائی ہم کو ''حضرات نیچریہ'' کہتے ہیں - ہم تو نہ اُن کے کہنے سے برا مانتے ہیں نہ اُن کی نیت میں برائی لگاتے ہیں بلکہ اُن کا احسان مانتے ہیں کہ سچ بات کہتے ہیں اور جس مذہب کو خدا نے اپنا مذہب بتایا ہے نہایت نیک نیتی سے اُسی مذہب کی طرف ہم کو منسوب کرتے ہیں - خدا کہتا ہے :

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ - ذالک الدین القیم و لکن

۱- جناب مولوی محمد حسین صاحب (بٹالوی) نے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھا ہے کہ عاملین بالحدیث لفظ غیر مقلد یا لا مذہب کہنے کو گالی سمجھتے ہیں -

اکثر الناس لا یعلمون - (سورۃ الم الروم)
"سیدھا کر اپنا منہ خالص دین کے لیے جو نیچر خدا کا ہے جس پر لوگوں کو بنایا ہے، خدا کی پیدائش میں کچھ تبدیل نہیں ہے - یہی مستحکم دین ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے-"

شاہ ولی اللہ صاحب نے، صاحب تفسیر ابن عباس نے "فطرت اللہ" کا ترجمہ دین خدا کا کیا ہے، پس جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے - خدا نہ ہندو ہے، نہ عرفی مسلمان، نہ مقلد، نہ لا مذہب، نہ یہودی، نہ عیسائی - وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے - وہ خود اپنے کو نیچری کہتا ہے - پھر اگر ہم بھی نیچری ہیں تو اس سے زیادہ ہم کو کیا فخر ہے - "لا تبدیل لخلق اللہ" کی تفسیر میں قاضی بیضاوی نے لکھا ہے "لا یقدر احدان یغیرہ" یعنی کسی کا مقدور نہیں ہے کہ اس کو بدل دے - پس یہ خدا کا دین ضرور پھیلے گا - نہ میرے روکنے سے رکے نہ تمہارے روکنے سے - نہ نور الآفاق کی تحریریں اس کو مٹا سکیں، نہ اشاعۃ السنہ کی تحریریں اس کو مٹا سکیں گی اور نہ تیرھویں صدی اس کو نقصان پہنچائے گی - نیچر خدا کا دین ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا -

مذہب اسلام ان بندشوں کو توڑنے کو آیا تھا جو فطرت یا نیچر پر لوگوں نے باندھی تھیں - وہ کوئی نئی بندش نیچر یا خدا کے دین پر باندھنے نہیں آیا - اس نے قیدیوں کی بیڑیوں کو توڑا ہے اور کوئی نئی بیڑی یا ہتھکڑی نہیں ڈالی ہے - اس نے پورا حق آزادی کا فطرت، نیچر کے مطابق لوگوں کو دیا ہے اور اسی کو ان کا دین بلکہ خدا کا دین بتایا ہے - پس اوپر کی بندشوں کو توڑنے دو اور ٹھیٹ مذہب اسلام کو، نیچر کو، خدا کے

دین کو، خدا کے مذہب کو چمکنے دو۔ وہ چمکے گا اور کسی کے چھپائے سے نہیں چھپنے کا۔

کسی نے خدا کو اور کسی طرح نہیں جانا۔ اگر جانا تو نیچر ہی سے جانا۔ موسیٰ[۴] نے رب ارنی کے جواب میں کیا سنا۔ لن ترانی و لکن انظر الی الجبل، پہاڑ پر کیا تھا؟ وہی نیچر قانون قدرت کا نمونہ تھا۔ خود خدا بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں بتلا سکا اور جو بتلایا تو نیچر ہی کو بتلایا۔ بولا کہ جس نے زمین کو تمھارے لیے بچھونا اور آسمان کو ڈیرہ بنایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ جس نے تمھارے کھانے کے لیے طرح طرح کے میووں کو اگایا، وہی خدا ہے۔ بولا کہ "سمجھ داروں کے لیے آسمان و زمین کے پیدا کرنے، رات دن کے مختلف ہونے، کشتی کے دریا میں چلنے، آسمان سے پانی برسنے، زمین سے مر کر زندہ ہونے، اس پر چلنے والوں کے پھیلنے، ہواؤں کے ادھر ادھر ہونے بادلوں کے آسمان و زمین میں ادھر ہونے ہی میں نشانیاں ہیں۔

جب پوچھو کہ تو کون ہے؟ اس کا جواب تو کچھ نہ دے اور اپنے قانون قدرت کو بتا دے اور بولے کہ وہ جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں ادل بدل کر دیتا ہے، زندہ سے مردہ، مردہ سے زندہ نکالتا ہے۔

وہ وہ ہے کہ جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا، تمھارے لیے جوڑا بنایا، ان سے عورت مرد پھیلا دیے۔ خدا کون ہے؟ بیجوں اور گٹھیلوں کو پھوڑ کر اس میں سے بڑی ٹہنی اگانے والا، رات کو پھاڑ کر دن نکالنے والا، رات کو آرام سے سونے کے لیے بنانے والا، چاند سورج سے حساب کا اندازہ سکھانے والا، ستاروں سے جنگلوں اور دریاؤں میں اندھیری رات کو راستہ بتانے والا، آسمان سے مینہ برسا کر ہر چیز کو اور

هری هری گھانس کو اُگانے والا ، اُن میں دانوں سے بھری ہوئی بالیں ، کھجوروں میں لدے ہوئے زمین پر جھکے ہوئے خوشے پیدا کرنے والا ۔ انگور ، زیتون اور انار کے باغ لگانے والا کہ جب وہ پھلتے ہیں اور پکتے ہیں تو دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں ، یہ خدا ہے جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا ۔

خدا وہی تو ہے جو مینہ سے پہلے ٹھنڈی ہوا لاتا ہے جو مینہ آنے کی خوش خبری دیتی ہے ۔ جب وہ بادلوں کے دل کو ہنکا لاتی ہے تو مردہ زمین پر برساتی ہے جس میں سے ہر طرح کے میوے نکلتے ہیں ۔

کیا آسمان و زمین میں اور ہر چیز میں جس کو خدا نے پیدا کیا اُس کی قدرت ، بادشاہت ، سطوت کو نہیں دیکھتے ؟ پھر اُس کے بعد کون سی بات ہے جس پر ایمان لاؤ گے ۔

کون آسمان سے رزق پہنچاتا ہے ؟ کون زمین سے رزق اُگاتا ہے ؟ کون کان اور آنکھ کا مالک ہے ۔ کون مردہ میں سے زندہ اور زندہ میں سے مردہ نکالتا ہے ؟ کون ان تمام کاموں کو سنوارے رکھتا ہے ؟ تم بھی کہہ اٹھو گے کہ اللہ ۔ بے شک وہی خدا ہے جس نے آسمانوں کو بغیر دکھائی دیتے ستونوں کے اونچا کر رکھا ہے چاند سورج کو اپنا تابع دار کیا ہے ، زمین کو پھیلایا ہے ، پہاڑوں کو اُس میں بنایا ہے ، نہروں کو اس میں بہایا ہے ، ہر قسم کے میووں کو اُس میں اُگایا ہے ، دن کو رات سے ڈھانکا ہے ، ایک زمین میں طرح طرح کے ٹکڑوں کو بنایا ہے ، کہیں انگور کے باغ ہیں ، کہیں کھجوروں کے کھیت ، کسی میں گھنی شاخیں ہیں کسی میں چھدری ، کھانے میں ایک دوسرے سے مزے دار ہے ۔ سمجھ داروں کے لیے خدا کے ہونے کی اسی میں تو نشانیاں ہیں ۔

وھی تو خدا ھے جو بجلی کی چمک سے ڈراتا ھے اور مینہ سے لالچ دلاتا ھے، بھاری بھاری بادل اٹھاتا ھے، رعد سے تسبیح پڑھواتا ھے، جس پر چاھتا ھے اُس پر بجلی گراتا ھے اور پھر خدا پر جھگڑا کرتے ھو۔

آسمان و زمین کو ٹھیک پیدا کیا، نطفہ سے آدمی بنایا، چوپاؤں کو تمھارے لیے پیدا کیا، اُن سے فائدہ اٹھاتے ھو، اُن کی پوستینیں پہنتے ھو، اُن کا گوشت کھاتے ھو، جب صبح کو چرنے جاتے ھیں اور شام کو چر کر آتے ھیں تو اُن سے تمھاری شان و شوکت معلوم ھوتی ھے، ایک شہر کے دوسرے شہر کو تمھارا اسباب پہنچا دیتے ھیں، گھوڑے اور خچر اور گدھے تمھاری سواری کے لیے ھیں۔

آسمان سے پانی برساتا ھے جس کو تم پیتے ھو، درخت سینچے جاتے ھیں، کھیتی اور زیتون اور کھجور اور ھر قسم کے پھل پیدا ھوتے ھیں، چاند سورج ستارے سب تم کو کام دیتے ھیں، رنگ برنگ کی چیزیں زمین سے پیدا ھوتی ھیں۔

وھی تو خدا ھے جس نے تمھارے لیے مچھلیوں کا مزے دار گوشت کھانے کو اور بے بہا موتی نکال کر زیور بنانے کو دریا پیدا کیا۔ تم دیکھتے ھو کہ کس طرح کشتیاں اُس کا پانی چیرتی ھوئی چلتی ھیں۔ زمین کے مرکز ثقل پر تلے رھنے کو پہاڑ بنائے اور تمھارے چلنے کو نہریں اور راستے نکالے، نشان بنائے کہ ستاروں کو دیکھ کر تم چلتے ھو۔

بھینسوں اور گایوں پر غور کرو، اُن کے پیٹ میں خون اور گوبر کے سوا کیا ھے۔ مگر وہ کیا مزے دار دودھ پلاتی ھیں۔ کجھوروں اور انگوروں سے کس طرح پیٹ بھرتے ھو اور نشہ دار شرابیں بناتے ھو۔

خدا ہی نے مکھی کو سکھایا کہ پہاڑوں میں ، درختوں میں ، اونچے مکانوں میں ، اپنے گھر بنائے اور ہر قسم کے میووں کو چوسے اور پھر اپنے پیٹ میں سے رنگ برنگ کے شہد نکالے اور خدا ہی نے تم کو بھی تو پیدا کیا ہے پھر تم کو مار ڈالے گا ۔ تم میں سے کسی کو نہایت بڈھا کر دیتا ہے ۔

خدا نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا ، کان دیے ، آنکھیں دیں ، دل دیا تاکہ تم شکر کرو ۔ پرند جانوروں کو نہیں دیکھتے جو اکاش میں اُدھر تھمے ہوئے ہیں کوئی اُن کو نہیں تھامتا بجز خدا کے ۔ اسی میں تو ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۔ خدا ہی نے تمھارے رہنے کے گھر اور جانورں کی کھال کے ڈیرے ، اُن کی اون سے اور اُن کے بالوں سے اسباب ، گرمی سے بچنے ، لڑائی میں زخموں سے محفوظ رہنے کا لباس بنایا ہے ۔ اس پر بھی اگر وہ پھر جاویں تو اے پیغمبر ! الٰہی (یعنی نیچر کے) پیغاموں کا پہنچا دینا تیرا کام ہے ۔

خدا ہی حباب سے بادلوں کو ہنکاتا ہے ، پھر اُن کو اکٹھا کرتا ہے ، پھر تہ بہ تہ جماتا ہے ، پھر اُن میں سے بوندیں گرتی ہیں ، آسمانی کالے پہاڑوں میں سے سفید سفید اولے پڑتے ہیں ، بجلی چمک کر آنکھوں میں چکا چوند کر دیتی ہے ، خدا ہی رات کو دن کر دیتا ہے، انھی باتوں میں عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے ۔

خدا کی یہ نشانی ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا ، پھر تم چلتے پھرتے آدمی ہو ۔ خدا کی یہ نشانی ہے کہ تمھیں میں سے تمھارا جوڑا بنایا اور اُن میں محبت ڈالی ۔ خدا کی یہ نشانی ہے کہ آسمان پیدا کیے ، تمھاری بولیاں اور تمھارے رنگ جدا جدا بنائے ۔ خدا کی یہ نشانی ہے کہ رات کو تم سو رہتے ہو اور دن کو روزی ڈھونڈتے پھرتے ہو ۔

خدا نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اُس سے رنگ برنگ کے میوے پیدا کیے - پہاڑ میں سے سفید، سرخ، چتکبرے، کالے، بھنور، پتھر کے ٹکڑے نکالے، آدمیوں اور جانوروں کے بھی طرح طرح کے رنگ بنائے -

فرعون نے موسیٰ سے پوچھا کہ خدا کون ہے؟ موسیٰ نے نیچر ہی سے سمجھایا اور کہا کہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ کہ اُن میں ہے اُن کا خدا - فرعون نے اپنے ہالی موالی سے کہا کہ تم سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے - موسیٰ نے کہا کہ تمھارا اور تمھارے باپ دادا کا خدا - فرعون بولا کہ یہ پیغمبر جس کو ہمارے پاس بھیجا ہے یہ تو کچھ دیوانہ ہے -

موسیٰ پر کیا موقوف ہے - جتنے پیغمبر گزرے ہیں سب نیچری تھے - خدا خود نیچری ہے - جب لوگوں نے نیچر کے قوانین کو چھوڑا تب ہی اُس نے پیغمبر بھیجا - جو پیغمبر آیا اُس نے کیا کیا - پھر لوگوں کو نیچر کا رستہ بتایا اور جتنا بگاڑا تھا اُتنے کو پھر سنوارا، جب موسیٰ سے نیچرلسٹ کو لوگوں نے مجنون کہا تو پھر ہم کس گنتی میں ہیں ہم کو جو چاہیں کہیں -

خدا نے ہم کو، ہماری جان کو، ہماری سمجھ کو، ہمارے قیاس کو، ہمارے دل و دماغ کو، ہمارے روئیں روئیں کو، نیچر سے جکڑ دیا ہے، ہمارے چاروں طرف نیچر ہی نیچر پھیلا دیا ہے، نیچر ہی کو ہم دیکھتے ہیں، نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہیں، نیچر سے خدا کو پہچانتے ہیں، پھر نیچری نہ ہوں تو کون ہوں، کوئی کیسا ہی مسلمان ہو ہم تو بلا شبہ فطرتی مسلمان ہیں، ہمارے باپ دادا بھی کچھ کرشمہ و کرامات دیکھ کر ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی فطرتی مسلمان تھے - ہمارا ہی دادا تھا جس کے دل میں

فطرتی ایمان نے جب جوش کیا تو گھبرا گیا اور نیچر کو ، فطرت کو ، خدا کے دین کو ، ڈھونڈنے لگا ۔ خدا ھی نے اُس کو "ملکوت السموات و الارض" دکھلا دی ۔ وہ ملکوت کیا تھی ۔ وھی نیچر ، فطرت ، خدا کا دین تھا ، رات کے اندھیرے میں ایک روشن ستارہ نیچر کا پرکالہ دیکھا ، جانا کہ یہی خدا ھے ، چاند کو نور کا ٹکڑا پایا اُسی پر خدا ھونے کا دھوکا کھایا ، سورج کو سب سے زیادہ چمکیلا دیکھا اُسی پر خدا ھونے کا گمان کیا ۔ مگر جب دیکھا کہ یہ سب تو ڈوب جاتے ھیں تو بول اٹھا کہ میں اُس پر ایمان لایا جس نے فطرت نیچر کو بنایا اور پکا فطرتی مسلمان ھوا ۔ پس جب ھمارا دادا ابراھیم نیچری تھا تو ھم اُس کی ناخلف اولاد نہیں ھیں جو نیچری نہ ھوں ۔ نیچر ھمارے خدا کا ، ھمارے باپ دادا کا تمغہ ھے ۔ ھم نیچری ، ھمارا خدا نیچری ، ھمارے باپ دادا نیچری ۔ اگر کوئی اس مقدس لفظ کو بری نیت سے استعمال کرتا ھے ، وہ جانے اور اُس کا دین ایمان ۔ وہ صرف ھم ھی کو نہیں کہتا بلکہ خدا کو ، پیغمبر کو ، ابراھیم کو سب کو کہتا ھے ۔ پھر لوگوں کو جو وہ چاھیں کہنے دو ۔ ھم کو اُن کی نسبت بھی حسن ظن رکھنے دو ۔ اُن کو اُن کی راہ پر ، ھم کو اپنی راہ پر ، اپنے خدا کی راہ پر ، اپنے باپ دادا کی راہ پر ، پیغمبروں کی راہ پر ، رسولوں کی راہ پر ، آزر کے بیٹے ابراھیم کی راہ پر چلنے دو ۔ بیت :

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار
فکر ھر کس بہ قدر ھمت اوست

نیچری

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۲۹۶ھ از صفحہ ۱۸ تا ۲۱)

ہمارے دوست ہم سے کہتے ہیں کہ نیچری اور دہریہ مرادف الفاظ ہیں - پھر ہم نے اپنی طرف سے اُس کا منسوب ہونا کیوں گوارا کیا اور کیوں اُس کو مقدس لفظ کہا اور جس لفظ کے معنی ہی اچھے نہیں ہیں اُس کے استعمال میں اچھی و بری نیت کو کیا دخل ہے -

مگر سمجھنا چاہیے کہ ''نیچرلسٹ'' کا لفظ جب وضع ہوا تو اُس کو مذہب سے کچھ لگاؤ نہ تھا - وہ ایک علمی اصطلاح تھی اور نیچرلسٹ اُس شخص کو کہتے تھے جو نیچر کی اور اُس کے قوانین کی چھان بین کرتا تھا اور علم نیچر کے عالم کو بھی نیچرلسٹ کہتے تھے - جس نے حیوانات، نباتات اور معدنیات کی پیدائش کے قوانین کو جانا ہو اور مادہ کے قوانین اور اُس کی صورتوں کی تبدیل کے اصول کو تحقیق کیا ہو - ابتداء میں یہ علم محدود تھا - مگر جس قدر زیادہ تحقیقات ہوتی گئی اُسی قدر زیادہ وسیع ہوتا گیا اور ثابت ہو گیا کہ جس قدر چیزیں دکھائی دیتی ہیں یا جانی گئی ہیں یہاں تک کہ انسان کے کام اور انسان کے خیالات اور اُس کے اعتقادات، سب کے سب نیچر کے قوانین کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں -

جس طرح کہ تمام انسان اُس خیال سے جس کو کبھی مذہب

سے اور کبھی لامذھب سے تعبیر کرتے ھیں خالی نہیں - اسی طرح اس علم کے عالم بھی اُس خیال سے خالی نہ تھے - بعض لوگوں کو یہ خیال ھوا کہ جب ھم نیچر ھی کو تمام چیزوں میں ، اُن کے پیدا ھونے میں ، اُن کی بقا میں ، اُن کی فنا میں پاتے ھیں تو جو کچھ ھے نیچر ھی نیچر ھے اور اُس کے سوا اور کچھ نہیں - اُنھوں نے اُس کا بھی جس کو ھم تم خدا کہتے ھیں انکار کیا اور کہا کہ یہ دنیا آپ ھی آپ ھوئی اور آپ ھی آپ قائم ھے اور ھمیشہ سے ھے اور ھمیشہ رھے گی - بعضوں نے کہا کہ وہ جس کو ھم تم خدا کہتے ھیں شاید ھو نہ ھو کچھ ٹھیک نہیں ھے - شاید انھیں کے مشابہ وہ لوگ ھوں گے جن کو ھمارے علماء اسلام نے دھریہ کا خطاب دیا ھے -

ان ھی عالموں میں ایسے لوگ بھی ھیں کہ اُنھوں نے جس قدر زیادہ نیچر کی اور اُس کے قوانین کی تحقیقات کی اُسی قدر اُس کو ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام سے پایا جس سے وہ حیران رہ گئے اور اُنھوں نے یقین کیا کہ یہ سب چیزیں آپ ھی آپ ایسی عمدگی سے نہیں ھو سکتیں - بے شک اُن کو کسی بڑے کاری گر نے سمجھ بوجھ کر بنایا ھے اُنھوں نے اُس علۃ العلل کا جس کی یہ سب چیزیں معلول ھیں یا نیچر کے قوانین بتانے والے کا یا ان سب چیزوں کے پیدا کرنے والے کا - یا اُس کا جس کو ھم تم خدا کہتے ھیں اقرار کیا اور ٹھیک وھی رستہ چلے جو ”اُور کلدانیاں“ کے رھنے والے ایک نوجوان نے جس کو ابراھیم کہتے ھیں اختیار کیا تھا - یہی لوگ مذھبی خیال سے نیچرلسٹ ھیں - وہ خود بھی مقدس ھیں اور وہ لفظ بھی مقدس ھے - اسی لیے میں نے اُس کو مقدس کہا اور نیچرلسٹ ھونا اپنا فخر سمجھا اور یہ کہا کہ ” اگر کوئی اس مقدس لفظ کو بری نیت

سے استعمال کرتا ہے وہ جانے اور اُس کا دین ایمان ۔"

خدا کی شان اور خدا کی عظمت اور اُس کا جاہ و جلال اور انبیاء کی شان اور اُن کی قدر و منزلت بھی بغیر نیچرلسٹ کے کوئی نہیں جان سکتا ۔ تھوڑی دیر کے لیے خدا کا اور انبیاء کا اُس طریقہ پر جیسا کہ علماء اسلام نے قرار دیا ہے تصور باندھو ۔ اگر مسجمیہ ہو تو اُس کو ایک نہایت قوی ہیکل ، گراں ڈیل لمبے لمبے ہاتھ پاؤں ، بلور کی سی پنڈلیاں ، انسان کی سی صورت ، گوری گوری رنگت ، نورانی چہرہ ، سفید داڑھی ، سر پر تاج یا لال پھندنے دار ٹوپی ، تخت پر بیٹھا ہوا ، اردگرد حالی موالی دست بستہ کھڑے ہوئے خیال کرو ۔ اگر اُن کو گم راہ سمجھو تو اتنا تو ضرور یقین کرو کہ قیامت میں ضرور اُس کو دیکھیں گے ، گو صورت شکل نہ معلوم ہونے سے پہچاننے میں مشکل پڑے ۔ اُس کا دربار لگا ہوا ہوگا وہ تخت پر بیٹھا ہوا ایک خوشی و غرور سے کہتا ہوگا "لمن الملک الیوم" اُس کے حالی موالی کہتے ہوں گے "للہ الواحد القہار" عدالت لگی ہوگی ، انصاف ہو رہا ہوگا ، مجرم پیش ہوتے ہوں گے ، گواہ گواہی دے رہے ہوں گے ، ہر ایک کا اعمال نامہ پڑھا جاتا ہوگا ، ترازو میں کچھ تل رہا ہوگا ۔ ایک طرف کالی کالی بد ہیئت ڈراؤنی صورت دوزخ کے فرشتے اور دوسری طرف گورے گورے جنت کے فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے ۔ ادھر دوزخ جوش مار رہی ہوگی ۔ اُس کی آتشیں زبانیں ھل من مزید ، ھل من مزید کہہ کر چلاّ رہی ہوں گی ۔ اُدھر جنت میں میوے لٹک رہے ہوں گے ، پھول کھلے ہوئے ہوں گے ، دودھ و شراب کی نہریں بہ رہی ہوں گی ، حوریں اور غلمان اپنے اپنے دوستوں کے انتظار میں ٹہل رہے ہوں گے ۔ انصاف بھی بے مثل ہوگا ۔ تقدیر کا مسئلہ اگر صحیح ہو تو جو کام خود حضرت نے

کیے ھیں اُس کی سزا دوسروں کو دی جاوے گی - چھوٹے بچوں کو اس لیے سزا ملے گی کہ تم کافروں کے ھاں کیوں پیدا ھوئے - غرض کہ آخرکار فی صدی دو تین بہشت میں جاویں گے[1] باقی سب دوزخ میں - بلکہ اُن میں سے بھی کچھ کسی الزام سے کچھ کسی الزام سے - کچھ نیچری ھونے کے الزام سے چھنٹ جاویں گے - صرف دو چار اھل حدیث ، یا دس پانچ مقلد وھابی جاویں گے - دوزخ بھرپور اور بہشت خالی ویران رہ جاوے گی - نیچری اُس وقت بھی پکاریں گے کہ بہشت میں جانا نہ یہودی ھونے پر موقوف ھے ، نہ عیسائی ھونے پر ، نہ وھابی ھونے پر موقوف ھے ، نہ اور کچھ ھونے پر ، بلکہ اصل یہ ھے کہ " من اسلم وجهه لله و هو محسن فله اجره عند ربه و لا خوف عليهم و لا هم يحزنون " پھر دیکھیے اُن کی یہ صدا سنی جاتی ھے یا نہیں - ھم کو تو یقین ھے کہ ضرور سنی جاوے گی - اگر سنی گئی تو پھر نیچریوں ھی کی بدولت سب کا بیڑا پار ھے -

انبیاء کو انھوں نے ایک ایسا شخص سمجھا جو اپنی بہادری سے ، یا اتفاق سے سلطنت کو پہنچ گیا ھو اپنے ھی سے ایک گروہ پر حکومت کرتا ھو اور کہتا ھو کہ یہ کرو اور یہ مت کرو یا وہ خود کچھ نہ ھو بلکہ بانسلی کی طرح صرف بجانے والے کی اُس میں سے آواز نکلتی ھو ، مگر نیچریوں نے انبیاء کی قدر و منزلت اس سے بہت زیادہ سمجھی ھے - اُنھوں نے انبیاء کو انسان مگر دوسرے نیچر کا سمجھا ھے - اُنھوں نے خود اُس بانسلی ھی کی کو بولنے والی جانا ھے مگر اُنھیں لفظوں کی جو بانسلی بنانے والے کے لفظ تھے نہ اور کسی کے -

---

۱- اس زمانہ میں دنیا کی مردم شماری سے بھی مسلمانوں کے اور مذھب کے لوگوں کے ساتھ یہی نسبت نکلتی ھے -

مسلمانوں نے اُس سیدھے سادھے مذہب کو دیو پری کا قصہ بنا دیا - عجائبات و کرشمہ کرامات سے بھر دیا اور جو خوبی اُس کی تھی اُسی کو مٹا دیا - یہ کاٹ کی ھنڈیاں بہت دنوں سے جل چکی ہوتی مگر علماء کے اقتدار اور سلاطین وقت کو اپنا تابع‌دار کر لینے سے اُس پر خاک پڑتی گئی - سچائی پر اُنھوں نے خاک ڈالی اور مثل آتش زیر خاک اُس کو چھپا دیا - متعدد طرح سے کبھی کبھی اُس نے خاک کے نیچے سے سر نکالا - مگر جس سوراخ سے سر نکلا پھر اُسی کو خاک سے بھر دیا - کفر کے فتوے دیے گئے ، قتل کیے گئے ، کتابیں جلائی گئیں ، ایذائیں دی گئیں ، جو کچھ ھو سکا سب کچھ کیا گیا - اسرار اسلام کے سمجھانے والے سب مٹ گئے اور صرف اسلام کا بھجن گا کر روٹی کمانے والے اور اپنا دوزخ بھرنے کو تمام دنیا کو دوزخ میں بھیجنے والے باقی رہ گئے ، جو بہشت کو خاص اپنی جاگیر سمجھتے ھیں ، کفر کے خزانے کے مالک ھیں - اُس میں سے ھر ایک کو جتنا جتنا مناسب سمجھتے ھیں تحفہ دیتے ھیں -

یہ حالت کسی وقت ظاھر میں سلطنت کے مناسب معلوم ھوتی تھی مگر در حقیقت ایک دق کی بیماری تھی جس کا اثر بہت دیر بعد ظاھر ھوتا ھے - اس حالت کا قدرتی نتیجہ قومی ھم‌دردی کا زوال آپس میں عداوت اور ایک دوسرے کی حسد تھا ، جو مسلمانوں میں پیدا ھوا اور اس زمانہ میں مذھب اسلام کا خاصہ سمجھا جاتا ھے - اس نئی پیداوار کا لازمی نتیجہ زوال سلطنت و اقتدار تھا جو تاریخ کی کتابوں میں اور زندہ تاریخ میں بھی موجود ھے - جس سے میری مراد سلطنت عثمانیہ ٹرکی ھے - ایسی حالت میں اُس کاٹ کی ھنڈیا کو کوئی بجانے والا نہ رھا اور علوم و فنون کے شعلہ عالم افروز نے اُس کو جلانا شروع کیا - اُن لوگوں نے

جن کے باپ دادا اُس کو فولاد یا اسپات کی هنڈیا سمجھتے تھے اپنی آنکھ سے جلتے ہوئے دیکھا اور بعضوں نے ھاتھ سے اور بعضوں نے دل سے اُس کو پھینک دیا اور الگ کھڑے ہو گئے - مگر وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ تو جعلی هنڈیا تھی اصل هنڈیا تو فولاد اور اسپات سے بھی زیادہ مستحکم ہے - ھمارا مطلب نہ کسی ملکی معاملہ سے ہے نہ کسی مذھبی جھگڑے سے بلکہ ھم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ھماری موروثی هنڈیا کون سی تھی - وھی کاٹ کی جو جل رھی ہے یا اور کوئی - اُس کی شناخت کو وھی قانون قدرت ھماری آنکھ کے سامنے ہے - اُس سے ھم اُس کو پر تالتے جاتے ھیں اور خوش ہو کر کہتے ھیں کہ وہ کاٹ کی هنڈیا جو جل رھی ہے اور جس نے ھمارے دین کو ھماری دنیا کو، ھماری معاشرت کو، ھمارے اخلاق کو، ھماری عزت کو، ھمارے علم کو، ھمارے ھنر کو، ھمارے بزرگوں کے نام کو، خاک میں ملایا ھماری موروثی نہیں ہے - اُس کو جلنے دو - جب کہ ھمارے پاس نیچر ھی سچائی کی معیار ہے تو ھم نیچری ہونا کیوں نہ گوارا کریں اور کیوں علماء زمانہ کی طرح لوگوں سے التجا کریں کہ ھم کو وھابی مت کہو، حنفی کہو - ھم کو لا مذھب و غیر مقلد مت کہو، موحد و اھل حدیث کہو - ھم تو سب کو اجازت دیتے ھیں کہ ھم کو جو چاھو سو کہو، پھر نیچری ہونے میں کیا برائی ہے جس کو ھم گوارا نہ کریں -

سید کے لفظ کا استعمال
غیر بنی فاطمہ پر

(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۱۰ (دور سوم)

بابت یکم رجب ۱۳۱۳ھ)

سید کا لفظ بنی فاطمہ علیہا السلام پر بطور اظہار سلسلہ نسب عام طور پر مستعمل ہے اور اس لفظ کا ان معنوں میں ایسا عام استعمال ہے کہ کوئی شخص اس کے سوا دوسرے معنی اور دوسرا مطلب سمجھتا ہی نہیں اور عرف عام دلیل شرعی ہے - پس اس لفظ کا استعمال اپنے نام کے ساتھ ایسے شخص کو جو بنی فاطمہ نہیں ہے جائز نہیں اور جو شخص بنی فاطمہ نہ ہو اور اس لفظ کو اپنے نام کے ساتھ استعمال کرے وہ وعید داخل النسب اور خارج النسب میں داخل ہے -

گریجویٹ اور تجارت

(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۴ (دور سوم)
بابت یکم محرم الحرام ۱۳۱۳ھ)

یہ امر بلا شبہ غور طلب ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو جو انگریزی تعلیم پاتے ہیں ایک خاص اسٹینڈرڈ تک پہنچنے کے بعد آئندہ زندگی کے واسطے کیا بہتر ہوگا۔

اول تو ہم کو یہ کہنا چاہیے کہ ہندوستان میں بی۔ اے۔ ڈگری تک تعلیم پانے کو جو اعلیٰ اسٹینڈرڈ تعلیم کا سمجھا گیا ہے محض غلط ہے۔ بی۔ اے۔ اسٹینڈرڈ کی تعلیم کو معمولی عام درجہ کی تعلیم کا اسٹینڈرڈ سمجھنا چاہیے کہ بغیر وہاں تک تعلیم پائے کوئی شخص دنیا کے معمولی کاروبار کے بھی لائق نہیں ہوتا۔

اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ سرکاری نوکریاں بغیر انگریزی تعلیم کے نہیں مل سکتیں اس وقت جو اسٹینڈرڈ انگریزی تعلیم کا گورنمنٹ نے سرکاری عام نوکریوں کے لیے قرار دے رکھا ہے وہ نہایت ادنیٰ درجہ کا ہے۔ جس دن گورنمنٹ اُس اسٹینڈرڈ کو بی۔ اے۔ ڈگری تک اور کم سے کم ایف۔ اے۔ کی ڈگری تک بڑھا دے گی اس وقت ملک کو، گورنمنٹ کو، ہماری قوم کو نہایت فائدہ ہوگا۔ چند روز اُن کو مشکل پڑے گی مگر وہ مشکل ہی انجام کار اُن کو نہایت مفید ہوگی۔

جو لوگ انگریزی پڑھتے ہیں اور روز بروز اُس تعلیم کو ترقی

ہوتی جاوے گی اُسی کے ساتھ وہ بہ خوبی اور بہ یقین کامل جانتے ہیں کہ گورنمنٹ کے پاس اس قدر نوکریاں نہیں ہیں کہ اُن سب لوگوں کو دے سکے جو انگریزی میں تعلیم پاتے ہیں ۔ ہاں بے شک یہ بات ضرور ہے کہ ہر ایک انگریزی خواں سرکاری عہدوں کی تمنا رکھتا ہے اور ایسا ہونا ایک نیچرل امر ہے ۔

لندن میں اگر کوئی سرکاری عہدہ خالی ہوتا ہے تو اس سے زیادہ اُس کے امیدوار موجود ہوتے ہیں جتنے کہ خالی عہدہ کے لیے ہندوستان میں امیدوار ہوتے ہیں ۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر ایک انگریزی خواں اپنا حق سمجھتا ہے کہ گورنمنٹ اُس کو کوئی عہدہ دے محض غلطی ہے ۔ کیوں کہ خود انگریزی خواں بہ یقین جانتے ہیں کہ گورنمنٹ کے پاس اس قدر عہدے نہیں ہیں جو ہر ایک انگریزی خواں کو دے سکے ۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ گورنمنٹ نے یہ تصور کیا ہے ہر ایک انگریزی داں سرکاری نوکریوں کا گورنمنٹ سے خواست گار ہوتا ہے اور جب گورنمنٹ نہیں دے سکتی تو ایک قسم کی ناراضی پھیلتی ہے اس لیے گورنمنٹ یہ چاہتی ہے کہ امتحانات میں سختی کی جاوے تاکہ زیادہ تر لوگ پاس نہ ہو سکیں اور نیز فیس تعلیم میں اضافہ کیا جاوے تاکہ کثرت سے لوگ انگریزی تعلیم میں داخل نہ ہو سکیں ۔ ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے اور گورنمنٹ کا کبھی ایسا منشاء نہیں ہو سکتا کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت میں ہرج ڈالے ۔

لوگوں کا یہ خیال کہ گورنمنٹ ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے شائع ہونے کی طرف دار ہے مگر اعلیٰ درجہ کی انگریزی تعلیم کی طرف دار نہیں ہے ۔ ہم کو اس میں بھی شبہ ہے ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بعض حکام کی ایسی رائے تھی مگر بعد بحث و مباحثہ

کے جو پالیسی کہ گورنمنٹ نے اختیار کی ہے وہ اعلیٰ درجہ کی انگریزی تعلیم کے مخالف نہیں ہے -

اگر گورنمنٹ کی یہ خواہش ہے کہ خواست گاران ملازمت کی تعداد کم ہو جاوے تو اس کے لیے بہتر طریقہ یہی ہے کہ اسٹینڈرڈ ملازمت کو ایف - اے - یا بی - اے - تک بڑھا دے - اس کے سبب خواست گاران ملازمت کی تعداد از خود کم ہو جاوے گی اور ملک میں تعلیم زیادہ پھیلے گی نہ یہ کہ ایسی تدبیر اختیار کرے جس سے ملک میں اشاعت تعلیم کو نقصان پہنچے -

مسلمانوں میں انگریزی تعلیم نے اب تک کافی رواج نہیں پایا ہے - یہ بحث بے فائدہ ہے کہ یہ کس کا قصور ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس وقت امر واقع کیا ہے اور جب تک مسلمانوں میں کافی سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ کی انگریزی تعلیم رائج نہ ہوگی اس وقت تک کوئی معتدبہ فائدہ دنیاوی اور بعض حالتوں میں دینی بھی حاصل نہ ہوگا - مسلمانوں میں بی - اے - ڈگری پائے ہوؤں کی تعداد اس قدر کثرت سے ہونی چاہیے کہ اگر کوئی شخص زمین پر سے ڈھیلا اٹھاوے تو وہ بھی گریجویٹ ہو -

مگر اسی کے ساتھ مجھ کو یہ بھی کہنا لازم ہے کہ علاوہ اس کے جو اور نقص مسلمانوں میں ہیں وہ بھی اس تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ رفع ہونے لازم ہیں - ہم اپنی تمام قوم کو مردہ دلی کی حالت میں پاتے ہیں ، اعلیٰ اور ادنیٰ غریب اور امیر سب کو دیکھتے ہیں کہ ان میں بشاشی کا نشان تک نہیں ہے - سب کے دل مردہ اور چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سستی اور کاہلی ، پست ہمتی اور مایوسی گویا ان کے خمیر میں پڑ گئی ہے اور اس سبب سے کسی کام کی جرأت اور ہمت اور اولوالعزمی ان میں نہیں رہی اور قومی ترقی کی فیلنگ

اُن میں سے معدوم ہوگئی ہے - یہ نقص صرف تعلیم سے رفع نہیں ہو سکتا بلکہ اس چیز سے رفع ہو سکتا ہے جس کو ہم تربیت کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور ہم کو یقین کامل ہے کہ جب تک مسلمانوں کی یک جائی تعلیم اور یک جائی سکونت کا نہ بطور خیرات خوروں کے بلکہ بطور اشراف باغیرت لوگوں کے انتظام نہ ہوگا اُس وقت تک یہ نقص رفع نہیں ہو سکے گا -

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ بعض مدبران سلطنت انگریزی کی یہ رائے تھی کہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجہ کی انگریزی تعلیم نہ دی جاوے اور بعض کی رائے اس کے برخلاف تھی - ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پچھلوں کی رائے غالب آئی اور گورنمنٹ نے یہی پالیسی اختیار کی کہ ہندوستانیوں کو انگریزی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جاوے اور اسی بنا پر ہندوستان میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں مگر اس بات کا تجربہ باقی تھا کہ اس تعلم کا نتیجہ کیا ہوگا اچھا یا برا - اب تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ اچھا نتیجہ نہیں ہوا - تعلیم یافتہ لوگوں میں بے جا آزادی اور نا واجب خود سری پیدا ہو گئی ، جا بیجا گورنمنٹ کی مذمت ہر ایک کی زبان پر جاری ہوگئی ، گورنمنٹ سے اُن حقوق کے دعویدار ہوئے جو گورنمنٹ اُن کو نہیں دے سکتی - پس جب تجربہ سے ایسا خراب نتیجہ اس تعلیم کا حاصل ہوا تو اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں سختی امتحانات یا اضافہ فیس تعلیم سے یا لوگوں کو مشرقی تعلیم یا بے سود ٹیکنیکل ایجوکیشن پر توجہ دلا کر اعلیٰ درجہ کی تعلیم کو گھٹانا ضرور تھا - اگرچہ مسلمان اُن لوگوں کے ساتھ جو اس طوفان بے تمیزی میں پڑے تھے بالفعل شامل نہیں ہوئے مگر جب وہ بھی اُس درجہ تعلیم پر پہنچ جاویں گے تو وہ بھی اُن کے ساتھ شریک ہو جائیں گے جیسے کہ اب بھی

بعض تعلیم یافتہ مسلمان علانیہ یا خفیہ اُن کے شریک ہیں -

مگر ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نزدیک جو حالت جہالت اور بے تعلیمی کی بالفعل مسلمانوں کی ہے جو نہ ملکی انتظام سے واقف ہیں اور نہ اپنی حالت آئندہ کو سمجھ سکتے ہیں ، اُس کے سبب سے زیادہ تر اندیشہ تھا کہ وہ بھی اُس طوفان بے تمیزی میں طوفان زدہ لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاویں گے - لیکن جب اُن میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ کثرت سے ہو جاویں گے اور اپنے ملک کی حالت کو دیکھیں گے جس میں مختلف قومیں بستی ہیں اور جن کی اغراض اور سوشل حالت مختلف ہے اور اپنی قوم کی آئندہ حالت کو سوچیں گے تو ممکن نہیں ہے کہ اس طوفان بے تمیزی میں شامل ہوں -

اس وقت جو چند تعلیم یافتہ مسلمان اُس طوفان بے تمیزی میں شامل ہوگئے ہیں (وکیل یا بیرسٹر) اُنھوں نے اپنے ذاتی فائدہ پر نظر کی ہے اور اپنے ذاتی فائدہ پر ملکی اور قومی فائدہ کو قربان کر دیا ہے - ایک یا دو ایسے بھی ہیں جو دل سے اور سچائی سے اُن طوفان زدہ لوگوں کے ساتھ شریک ہیں مگر اُن کی مثال اُس شخص کی مانند ہے جو فاروقی شیخ تھا اور شیعہ ہوگیا اور اُس نے کہا کہ گو مجھے اپنے باپ دادا پر تبرا کرنا پڑے گا مگر میں تو شیعہ ہی ہوں گا -

اس قدر بیان کرنے پر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو جو انگریزی تعلیم پاتے ہیں ایک خاص اسٹینڈرڈ تک پہنچنے کے بعد آئندہ زندگی کے واسطے کیا بہتر ہوگا اس کے جواب میں ایک دانا دھقان نے جو اپنے نوجوان بیٹے کو جواب دیا تھا وہی جواب دینا مناسب ہے -

ایک دھقان کے بیٹے نے بہت اضطراب سے اپنے باپ سے کہا

که گاؤں کے تالاب میں پانی چلا آتا ہے - جب تالاب بھر جاوے گا تو پانی کہاں جاوے گا - اُس کے باپ نے کہا کہ بیٹا اندیشہ مت کر ، جب تالاب بھر جاوے گا تو پانی اپنے نکاس کا آپ رستہ نکال لے گا یہی حال مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ہے - ابھی اُن کی ایسی قلت ہے کہ وہ کوئی راستہ آئندہ زندگی کے واسطے نکال نہیں سکتے - ہاں جب کثرت سے ہوں گے تو کوئی نہ کوئی رستہ نکال لیں گے ، رستوں کی کمی نہیں ہے مگر ابھی تک تالاب بھرا نہیں ہے -

ہندوستان بہت وسیع ملک ہے - اُس میں جان و مال کا امن ہے ، تجارت کے لیے بہت کچھ وسعت ہے - کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر مسلمان نوجوان لائق اور صفات حمیدہ سے معمور اور اُن عادات و افعال سے بری ہو جاویں جو تجارت کے منافی ہیں تو اُس سے کیوں فائدہ نہ اٹھا سکیں -

میمن ، بوھرے ، خوجے ، پنجابی سب مسلمان ہیں اور تجارت سے ایسے فائدے اٹھاتے ہیں کہ سرکاری نوکریوں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے نہ اُس کی پروا کرتے ہیں - مگر تجارت دو قسم کی ہے - ایک سویلائزڈ اور ایک اَن سویلائزڈ - اَن سویلائزڈ تجارت سے ہماری مراد شخصی سے ہے جو کوئی شخص اپنا ذاتی روپیہ لگا کے تجارت کرے گو اس کو کیسی ہی ترقی ہو جاوے اور کتنا ہی بڑا کارخانہ اُس کا پھیل جاوے وہ اَن سویلائزڈ تجارت ہی کہلاوے گی ، کیوں کہ اُس سے خاص اسی شخص کو فائدہ ہے نہ ملک اور قوم کو اور نہ اس قسم کی تجارت کو بہت زیادہ وسعت ہو سکتی ہے - بلکہ وہ چند ذی مقدور اشخاص میں محدود رہتی ہے -

سویلائزڈ تجارت وہ ہے جس میں قوم کے مختلف سرمایہ کے

لوگ شریک ہوں اور ہر ایک کو بقدر اُس کے سرمایہ کے منافع پہنچے ۔ اس قسم کی تجارت ملک کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی ہے اور رفتہ رفتہ اس قدر وسیع ہو سکتی ہے کہ کوئی شخصی تجارت کرنے والا ، گو وہ کیسا ہی دولت مند ہو ، اس کی برابری نہیں کر سکتا ۔

مسلمانوں میں جو لوگ دولت مند ہیں وہ تجارت کی طرف مائل نہیں ہیں اور نہ اُن کو ضرورت ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے کچھ روپیہ پیدا کریں ۔ ضرورت ہے اُن مسلمانوں کو جو قلیل سرمایہ رکھتے ہیں اور جب تک کہ کثرت سے لوگ آپس میں شریک نہ ہوں اُس وقت تک کوئی کام تجارت کا جاری نہیں کر سکتے ۔

اس طرح پر لوگوں کا تجارت میں شریک ہونا متعدد امور پر منحصر ہے سب سے مقدم یہ ہے کہ اُن شرکاء میں پوری پوری اونسٹی اور ایمان داری موجود ہو اور اُن کی تمام ہمت نہایت ایمان داری سے اس بات میں مصروف ہو کہ اُس کارخانہ تجارت کو ترقی اور فائدہ مندی حاصل ہو ۔ مجھ کو میرے دوست معاف کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ مسلمانوں میں یہ صفت بہت ہی شاذ و نادر ہے اور ایک کو دوسرے پر طانیت نہیں ہے اور اسی سبب سے اس قسم کا کوئی کام وہ جاری نہیں کر سکتے ۔

دوم ۔ تجارت کے کام کے لیے مستعدی اور وقت کی پابندی اور اپنی ڈیوٹی کا پورا کرنا سب سے زیادہ مقدم چیز ہے ۔ میں اکثر مسلمانوں کو ان فرائض کے پورا کرنے میں قاصر پاتا ہوں ۔

سوم ۔ تجارت صرف گھر بیٹھے نہیں ہوتی ۔ بلکہ اُس کے لیے سفر کرنا اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا بھی لازمی اور ضروری ہے ۔ اس بات میں بھی میں مسلمانوں کو نہایت کاہل اور سست پاتا ہوں ۔

چہارم - تجارت میں ایک بہت بڑا کام ایجنٹی کا ہے - یعنی کسی ملک سے کوئی چیز خرید کر کے لانا اور کسی چیز کو کسی ملک میں لے جا کر بیچنا اور اس بات کا یقین کہ جس چیز کے خریدنے یا بیچنے کی وہ قیمت بتلاتا ہے وہ بالکل صحیح اور سچی ہے اور کچھ دغا اور فریب اُس میں نہیں ہے، اُس ایجنٹ کی ایمان داری پر منحصر ہے - اکثر تجارت پیشہ مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ ایجنٹ کا ہاتھ آنا تجارت میں سب سے مشکل کام ہے اور اس لیے ہم اپنے بیٹے بھائیوں کو ایسے کاموں کے لیے متعین کرتے ہیں - وہ شخصی تجارت میں ایسا کر سکتے ہیں مگر جس تجارت کی، میں مسلمان نوجوانوں کے لیے سفارش کرتا ہوں وہ شخصی تجارت نہیں ہے اور اس لیے اُن کو ایسا ایمان دار ایجنٹ ملنا نہایت مشکل کام ہے - یہ صفت میں اُن نوجوانوں میں جنھوں نے انگریزی تعلیم پائی ہے اور نیز عمدہ اصول پر اُن کی تربیت بھی ہوئی ہے اور قومی فیلنگ ان میں پیدا ہو گئی ہے، بہ نسبت اُن کے جو انگریزی خواں نہیں ہیں، زیادہ پاتا ہوں -

اس مقام پر میں مدرسۃ العلوم کے طالب علموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں - انھوں نے صرف قومی ہمدردی سے بغرض اعانت اپنے غریب قومی بھائیوں کے دو سوسائٹیاں قائم کی ہیں ایک کا نام فری بورڈنگ ہاؤس سوسائٹی ہے اور ایک کا نام الفرض ہے - اور اُس کے ممبر مختلف طرح پر اس کام کے لیے چندے جمع کرتے ہیں اور اس خوبی اور ایمان داری سے اس کام کو انجام دیتے ہیں جس سے توقع ہو سکتی ہے کہ مستعدی اور ایمان داری اور قومی ہمدردی اُن کے خمیر میں پڑ گئی ہے - اور اس نمونہ پر میں یقین کرتا ہوں کہ جب ہمارے نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ سویلائزڈ تجارت میں شریک ہوں گے تو نہایت خوبی اور ایمان داری سے کام انجام دیں گے -

تجارت کی بہت شاخیں کھلی ہوئی ہیں اور میں اُن انگریزی خواں طالب علموں کو جو خاص اسٹینڈرڈ تک یعنی بی۔ اے۔ کی ڈگری تک پہنچ گئے ہیں، صلاح دیتا ہوں کہ وہ اپنے تئیں سویلائزڈ یعنی متفقہ تجارت میں مشغول کریں۔ اس سے بہتر اُن کے لیے کوئی بات نہیں اور جب ایسے تعلیم یافتہ کثرت سے ہو جاویں گے تو خواہ مخواہ اُن کو یہی کام کرنا پڑے گا۔ مگر اس کام کے کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگوں کو ان پر اعتماد ہو اور ہم کو خدا سے امید ہے کہ ہمارے کالج سے ایسے نوجوان تعلیم یافتہ نکلیں گے جو اس قسم کے کاموں میں نہایت خوبی اور مستعدی اور ایمان داری سے مصروف ہوں گے۔ اس وقت چوں کہ مسلمان تعلیم یافتہ قلیل ہیں اس لیے اس قسم کے کام نہیں کر سکتے۔ اور بہ مجبوری نوکریوں کی تلاش میں ہیں۔ بنگالی اور ہندو اس قسم کے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور ملک کو اور قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اُنھوں نے نیشنل بنک بھی قائم کی ہے اور میوچل فیملی پنشن فنڈ کا کارخانہ بھی قائم کیا ہے، نوکریوں کی تلاش میں بھی ہیں، مگر اس اصلی ترقی سے بھی غافل نہیں ہیں۔

ہمارے عزیز دوست مولوی سید ممتاز علی نے جو متعدد سرکاری نوکریاں کر چکے ہیں، ملازمت سرکاری سے ہاتھ اٹھایا ہے اور دیو بند میں سوت کی تجارت کا کارخانہ کھولا ہے۔ اگرچہ وہ بھی اُن سویلائزڈ یعنی شخصی کام ہے، مگر ہم سنتے ہیں کہ بہت فائدہ اٹھاتے ہیں اور بہ نسبت ملازمت کے نہایت خوش حال ہیں۔

یہ بھی ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دو نوجوان انگریزی خواں گریجویٹ نے مکھن بنانے کا کام سیکھا اور چاہا کہ مکھن کا کارخانہ جاری کریں۔ اُن کے بزرگوں نے کہا کہ مکھنئے کہلاؤ گے اور وہ مجبور ہو گئے۔ مگر یہ بے ہودہ خیالات چند روزہ کے مہمان

ھیں اور بہت جلد جاتے رھیں گے -

ہم نے خود اپنے ایک حقیقی بھانجے کے لیے جو کسی قدر دواؤں اور دوا سازی سے واقف تھا ، عطاری کی دوکان کرنا پسند کیا ھے - چناں چہ وہ دوکان کرتا ھے اور کافی فائدہ اُس سے اٹھاتا ھے -

بنگالیوں نے لائف انشورنش سوسائٹی اور میوچل فیملی پنشن فنڈ قائم کیا ھے جس سے قوم کو فائدہ ھے - ھم سنتے ھیں کہ کایتھوں نے بھی خاص اپنی قوم کے لیے میوچل فیملی فنڈ قائم کیا ھے - یہ بھی ھم کو معلوم ھوا ھے کہ حکیم فضل الدین صاحب نے پنجاب میں بھی مسلمانوں کے لیے ایسا ھی فنڈ قائم کیا ھے - مگر ھم کو اُس کا کچھ زیادہ حال معلوم نہیں - پس ھم اپنے نوجوان تعلیم یافتہ گریجویٹوں کو صلاح دیتے ھیں کہ اول وہ بی - اے - تک کی ڈگری حاصل کریں اور اُسی کے ساتھ وہ صفتیں بھی اپنے میں پیدا کریں جن کا ھم نے اوپر ذکر کیا ھے اور اُس تجارت میں جس کا ھم نے سویلائزڈ تجارت نام رکھا ھے مشغول ھوں - اس سے بہتر کوئی طریقہ اُن کی اور قوم کی اور ملک کی بھلائی کا نہیں ھے -

سرسید کے خواب

تفسیر القرآن لکھتے ہوئے جب سرسید سورہ یوسف کی تفسیر پر پہنچے تو اس مشہور تاریخی خواب کی تشریح کی ضرورت پڑی جو فرعون مصر نے دیکھا تھا اور جس کی تعبیر بتلانے پر حضرت یوسف کو سلطنت کا اعلٰی ترین منصب ملا تھا ۔

اس موقع پر سرسید کو اس امر کے معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ خواب کی اصلیت اور حقیقت کیا ھے اور ان پر کہاں تک واقعات کی بنیاد رکھی جا سکتی ھے ؟ چناں چہ اس سلسلے میں غور و فکر کے بعد وہ جس نتیجہ پر پہنچے اس پر اطمینان حاصل کرنے کے لیے آنھوں نے اپنے دوست احباب اور ملنے والوں سے ان کے خوابوں کا حال پوچھنا شروع کیا تاکہ وہ خواب کے فلسفہ پر غور کر سکیں ۔ اس دوران میں ان کو ایک دن یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ان خوابوں کو یک جا کر کے ان پر غور کیا جائے ۔ جو میں نے وقتاً فوقتاً دیکھے ھیں ۔ اس پر سوچ سوچ کر آنھوں نے اپنے خواب کاغذوں پر لکھے اور جب وہ سب جمع ھو گئے ، تو پھر ان کو ایک کاتب سے صاف اور خوش خط لکھوایا ۔

انیسویں صدی کے آخر میں جب حضرت شمس العلماء

مولانا خواجه الطاف حسین حالی نے جو سرسید کے بہت بڑے رفیق اور دوست تھے ان کی مفصل سوانح عمری لکھنے کا کام شروع کیا تو سرسید سے یہ خواب بھی مانگ لیے، مگر اتفاق ایسا ہوا کہ حیات جاوید میں کہیں ان کو درج کرنے اور ان پر اظہار خیال کرنے کا مولانا حالی کو موقع نہ ملا - جب کتاب ۱۹۰۱ء میں چھپ کر شائع ہونے لگی تو مولانا کو ان خطوط کا خیال آیا - چوں کہ یہ خواب سرسید کی سوانح کا دل چسپ حصہ تھے - لہذا مولانا ان کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے، مگر کتاب میں انہیں درج کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا - اس لیے مولانا نے ان سب خوابوں کو کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا لیکن جب ۱۹۰۳ء میں مولانا نے حیات جاوید کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا، تو اس میں سے یہ ضمیمہ بھی دوسرے ضمیموں کے ساتھ کتاب کا حجم زیادہ ہونے کے خیال سے خارج کر دیا - اس کے بعد مختلف ایڈیشن حیات جاوید کے شائع ہوئے ان میں بھی یہ ضمیمہ نہیں ہے - (سوائے انجمن ترقی اردو کے ایڈیشن کے) حال میں جو ایڈیشن اس قابل قدر کتاب کا مولانا صلاح الدین احمد صاحب نے اکادمی پنجاب کی طرف سے بڑے اہتمام اور نفاست کے ساتھ شائع کیا ہے اس میں بھی یہ ضمیمہ نہیں ہے - میں سرسید کا یہ دل چسپ مضمون حیات جاوید میں سے لے کر یہاں درج کر رہا ہوں اگر خواب انسان کے اندرونی خیالات کا آئینہ ہوتے ہیں تو ان سے سرسید کی شخصیت پر کافی روشنی پڑے گی -

یہ سارے خواب سرسید نے اس طریقے سے قلم بند کیے تھے - جیسے کوئی دوسرا آدمی ان کے خواب لکھ رہا ھے اس لیے یہاں بھی یہ خواب اسی طرز سے بیان کیے گئے ھیں - میں نے سرسید کے ان الفاظ یا عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ مجھے اس کا حق تھا - (محمد اسماعیل پانی پتی)

پہلا خواب

انھوں نے اپنے نہایت چھٹپن کے زمانے میں پہلے ھی پہل حالت بے داری میں قیدیوں کو دیکھا - جو جیل خانہ کے کپڑے پہنے ہوئے اور بیڑیاں پاؤں میں پڑی ہوئی پریشان ، سر کے بال اُلجھے ہوئے ، سڑک بنانے کا کام کر رہے تھے - اس پر رات کو اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ باھر سے محل سرا کے اندر آتے ھیں - جب وہ ڈیوڑھی کے چھتے میں پہنچے تو ایک نہایت سیاہ رنگ کا دیو جس کے دانت بڑے بڑے اور سر پر کھڑے بال تھے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں - ایک کونے میں سے نکلا اور ان کو دونوں ھاتھوں سے اٹھا کر اور سر سے اُونچا کر کے زمین پر پٹک دیا - ان کی آنکھ کھل گئی - ان کو ایسا خوف چڑھا کہ جاگنے کے بعد بھی کئی گھنٹے تک ان کا دل کانپا کیا اور مدت تک یہ حال رہا کہ جب رات کو اس چھتّے میں جاتے تو ان کو خوف معلوم ہوتا اور ایک آدمی ساتھ لے کر جاتے -

دوسرا خواب

ان کی دس بارہ برس کی یا کچھ زیادہ عمر ہوگی کہ انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے رہنے کی حویلی میں سے اپنے نانا کی حویلی میں جس میں صرف ایک سڑک بیچ میں تھی جاتے ھیں - سامنے سے

ایک بہت بڑا ھاتھی جس پر گدی کسی ھوئی ھے ان کے مارنے کو دوڑا - وہ بھاگے اور اپنے نانا کی حویلی میں گھس گئے - تھوڑی دیر بعد وہ ایک بارہ دری میں جس کی ایک طرف بازار یا سڑک پر مشرف تھی ، گئے تاکہ دیکھیں کہ اگر وہ ھاتھی چلا گیا ھو تو اپنے گھر جاویں - اتفاق سے وہ ھاتھی عین اسی بارہ دری کے نیچے کھڑا تھا - اس نے ان کو جھٹ سونڈ میں لپیٹ گدی پر جو اس کی پیٹھ پر کسی ھوئی تھی ، ڈال دیا - گدی پر ایک شخص بیٹھا ھوا تھا - اس نے ان کو چت لٹا کر چھری سے گلا کاٹنا شروع کیا ، مگر نہ کٹا - فیل بان نے کہا یہ سید ھیں - سیدھی طرف سے گلا نہیں کٹے گا - گردن کی طرف سے کاٹو - اس نے ان کو پلٹ کر گردن پر چھری رکھی - سید نے اس وقت پورا کلمہ پڑھا وہ ظالم چھری چلانے نہ پایا تھا کہ قبلہ کی طرف سے ایک شخص سبز پوش سبز جریب ھاتھ میں لیے نمودار ھوئے اور زور سے اس ظالم کو جریب ماری - وہ مع ھاتھی کے معدوم ھو گیا اور سید گویا اس کی پیٹھ پر سے زمین پر گر پڑے اور آنکھ کھل گئی - اگر سچ مچ وہ ظالم مار ڈالتا تو کیا اچھی موت ھوتی -

تیسرا خواب

ان کی چودہ پندرہ برس کی عمر ھوگی - یا کم و بیش ، مگر اس زمانے میں تیراندازی کا چرچا تھا اور بعض رشتہ دار حج سے واپس آئے تھے - انھوں نے دیکھا کہ وہ بازار میں چلے جاتے ھیں - لوگوں نے ان سے کہا کہ تم حج کو جانے والے تھے ، گئے نہیں ؟ انھوں نے کہا کہ ابھی حج کے بہت دن باقی ھیں - لوگوں نے کہا کہ تین چار دن ھی تو رہ گئے ھیں - انھوں نے کہا تو میں جاتا ھوں اور وہ اڑے اور زمین سے بلند ھو گئے -

مکہ کی طرف اڑتے ہوئے جانے لگے ۔ شہر کو طے کیا ، میدان ملا ، اس کو طے کیا ، سمندر ملا ، اس کو طے کیا اور ایک مسجد کے دروازے پر آترے مسجد کے اندر گئے ۔ ایک چھوٹا سا مسجد کا دالان تھا اور اس کے آگے لکڑی کے ستونوں کا سائبان تھا اور بوریہ کا فرش بچھا ہوا تھا ۔ وہاں کوئی بزرگ سر جھکائے ، سیاہ داڑھی ، سفید چادر اوڑھے بیٹھے تھے ۔ سید ان کے پاس جا کر بیٹھے ۔ انھوں نے کچھ بات نہیں کی ، مگر تین چیزیں ان کو دیں ۔ ایک تو سرخ عقیق کی شست تیر لگانے کی تھی ، جو انگوٹھے میں پہن کر تیر لگانے کے لیے تھی اور دو چیزیں اور دیں جو سید کو یاد نہیں رہیں ۔ وہ ان چیزوں کو لے کر چلے ۔ نصف صحن مسجد میں ایک اور شخص دراز قد ، چھریرا بدن کھڑے ہوئے تھے ۔ ان سے سید نے پوچھا کہ مسجد میں جو بیٹھے ہیں وہ کون ہیں ۔ آنھوں نے کہا کہ ہیں ؟ تم نہیں جانتے کہ یہ حضرت علیؓ ہیں ! سید پھرے اور دوڑے کہ جا کر ان کے پاؤں کو بوسہ دوں ، مگر دوڑنے میں آنکھ کھل گئی اور خواب ہی میں از خود ان کو یہ خیال ہوا کہ جن سے میں نے پوچھا تھا وہ حضرت عمرؓ تھے ۔

چوتھا خواب

جس زمانے میں ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور تنخواہ قلعہ کی بند ہو گئی تھی ۔ سید کو یہ خیال ہوا کہ جس قدر روپیہ ان کی والدہ کے پاس ہے وہ لے کر سود میں لگایا جائے تو آمدنی معقول ہو سکتی ہے بعض مکانات اور کٹڑے جن سے آمدنی کم ہے اگر فروخت کر کے ان کا روپیہ بھی سود میں لگایا جائے تو کثیر آمدنی ہو سکتی ہے ۔ اس پر انھوں نے ایک رات خواب

میں دیکھا کہ وہ جامع مسجد کے حوض میں تیر رہے ھیں - اس کا نصف پانی نہایت صاف اور ٹھنڈا ھے ، مگر کم گہرا ھے - جس میں اچھی طرح تیرا نہیں جاتا - دوسرا نصف پانی کسی قدر گرم اور میلا ھے ، مگر بہت گہرا ھے جس میں بخوبی تیرا جا سکتا ھے - سید نے ارادہ کیا کہ اس نصف پانی میں جا کر تیروں - انھوں نے دیکھا کہ کنارے پر سفید لباس پہنے ھوئے سیاہ ڈاڑھی والے ایک شخص کھڑے ھیں اور انھوں نے خواب ھی میں جانا کہ علی مرتضیٰ ھیں - انھوں نے خواب ھی میں کہا کہ اس نصف میں مت نہاؤ - یہ پانی خراب ھے - جہاں ھو وھی پانی اچھا ھے اور زیادہ ھو جائے گا - اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور جو خیال ان کے دل میں پیدا ھوا تھا اس سے باز آئے -

پانچواں خواب

سید بجنور میں تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص سفید پوش آئے ھیں اور ان کو ایک قلم دان کشمیر کا بنا ھوا نہایت نفیس دے کر چلے گئے اور خواب ھی میں ان کو یقین ھوا کہ وہ علی مرتضیٰ تھے -

چھٹا خواب

بجنور ھی میں انھوں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ چاندنی رات ھے اور چاند نکلا ھوا ھے اور وہ اپنے مکان کے سامنے صحن چبوترے پر بیٹھے ھیں - سید کی نگاہ اپنے بائیں پاؤں پر پڑی تو دیکھا کہ ان کے پاؤں کی انگلیوں کی ایک ایک پور کٹ گئی ھے ، مگر کچھ درد نہیں ھے اور نہ اس سے لہو بہتا ھے مگر کٹی ھوئی پوروں کے سرے جہاں سے کٹے ھیں ، نہایت سرخ لہو کی مانند ھو رھے ھیں - سید نہایت حیران ھوئے کہ اب کیا کروں - اتنے میں ایک بزرگ آئے اور انھوں نے ان کٹی ھوئی

آنگلیوں کے سروں پر اپنا لب مبارک لگا دیا ۔ اسی وقت ان آنگلیوں میں نمو شروع ہوا اور سب انگلیاں درست ہو گئیں اور ان میں چاند سے زیادہ روشنی تھی ۔ سید چاند کو دیکھتے اور ان نئی آنگلیوں کو دیکھتے اور ان میں چاند سے زیادہ روشنی پاتے تھے ۔ خواب ھی میں ان کو کسی طرح یقین ھوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اتھے جنھوں نے لب مبارک لگایا تھا ۔

ساتواں خواب

مراد آباد میں ان کی بیوی کا انتقال ھوا ۔ چند روز بعد آنھوں نے خواب دیکھا کہ وہ ایک نہایت عمدہ مکان میں بیٹھی ھیں اور نہایت عمدہ سبز لباس پہنے ھوئے ھیں اور ان کا بدن اور چہرہ چاند کے مانند روشن ھے ۔ سید نے ان کو ھاتھ سے چھونا چاھا ۔ آنھوں نے کہا یہ جسم ھاتھ میں نہیں آ سکتا ۔ یہ نورانی جسم اور لباس ھے ۔ دنیا میں جو جسم اور لباس تھا وہ نہیں ھے ۔

آٹھواں خواب

جب سید دھلی میں مصنف تھے ۔ آنھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے کمرے میں موجود ھیں اور جس طرح وہ خانقاہ میں بیٹھے تھے ، اسی طرح ایک سوزنی پر جو صدر مقام پر بچھی ھوئی تھی ۔ سید ان کے پاس بیٹھے ھیں ۔ شاہ صاحب ان پر اسی طرح جیسی کہ ان کی عادت تھی ۔ مہربانی فرماتے ھیں اور یہ کہا کہ اب تم بھی بیعت کر لو ۔

نواں خواب

دھلی میں آنھوں نے دیکھا کہ وہ خانقاہ میں گئے ھیں وھاں ان کے والد اور شاہ ابو سعید صاحب جو بعد میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے سجادہ نشین ھوئے اور جن کا اس زمانے

میں انتقال ہو چکا تھا اور لوگ جو خانقاہ میں ہوتے تھے، موجود ہیں اور شاہ احمد سعید صاحب جو بعد شاہ ابو سعید صاحب کے سجادہ نشین ہوئے علیحدہ ایک طرف بیٹھے ہوئے ہاشم علی خاں کو جو سید کے ماموں کے بیٹے تھے۔ حدیث کی کسی کتاب کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ سید کے والد نے یا شاہ ابو سعید صاحب نے سید سے کہا کہ تم بھی ہاشم علی خاں کے ساتھ سبق میں شریک ہو جاؤ۔

دسواں خواب

سید دھلی میں منصف تھے اور ان کو کچھ ترددات اور رنج تھے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تم بیس رکعتیں نماز کی تین دن تک بطور تراویح پڑھو اور پہلی رکعت میں فلاں سورہ اور دوسری میں فلاں سورہ پڑھو اور رکعتوں کے بعد کے جلسے میں یہ آیت پڑھو۔ کوئی رنج و تردد کی بات نہیں، مگر سید جب اٹھے تو بھول گئے کہ کون سی سورتیں اور کون سی آیت پڑھنے کو بتلائی تھی۔ انھوں شاہ سعید صاحب کو ایک رقعہ لکھا کہ میں وہ سورتیں اور آیت بھول گیا ہوں۔ چار پانچ روز تک شاہ احمد سعید صاحب نے کچھ جواب نہیں بھیجا اس کے بعد ایک پرچے پر ان سورتوں کے نام اور ایک آیت لکھ بھیجی اس وقت سید کے خیال میں یہ بات آئی کہ یہی سورتیں اور آیت بتلائی تھی۔ سید نے جس طرح خواب میں دیکھا تھا نماز پڑھی۔ چند روز بعد جب سید شاہ احمد سعید صاحب سے ملے تو پوچھا کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا کہ وہ سورتیں اور آیت بتلائی تھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت شاہ صاحب کی روح سے پوچھا اور ان کی روح نے بتلایا کہ یہ سورتیں اور آیت بتائی تھی۔

گیارھواں خواب

وہ دلی میں منصف تھے کہ آنھوں نے (خواب میں) دیکھا کہ وہ گویا بیعت کے ارادے سے خانقاہ جانے کو اپنے کمرے پر سے اترے ھیں ۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ ان کو خیال ھوا کہ نذر کے لیے کچھ لے لینا چاھیے اس وقت آنھوں نے دیکھا کہ ایک ھندو دوست ان کے پاس کھڑا ھے ۔ سید نے پندرہ روپے اس سے قرض لیے اور خانقاہ میں گئے ۔ وھاں دیکھا کہ شاہ ابو سعید صاحب اور ان کے پاس شاہ احمد سعید صاحب اور ان کے پاس شاہ عبدالغنی صاحب اور سب کے پیچھے میاں محمد مظہر بیٹھے ھیں شاہ ابو سعید صاحب نے بیعت کر لینے کو فرمایا ۔ سید نے کہا میں تو اسی ارادے سے آیا ھوں ، لیکن بالکل جو طریقہ مسنون ھے اسی طرح پر بیعت کرنی چاھتا ھوں ۔ فرض کرو کہ اس قسم کے زھد و مجاھدہ میں جو مسنون نہیں ھیں ۔ صفائی قلب جلد حاصل ھوتی ھو اور جو طریقہ مسنون ھے اس میں یہ دیر میں حاصل ھوتی ھو تو مجھے وہ جلدی نہیں بلکہ دیر پسند ھے ۔

ھنوز شاہ صاحب نے جواب نہیں دیا تھا کہ میاں مظہر بولے کہ دیکھیے حضرت ! یہ کیسی وھابیوں کی سی باتیں کرتے ھیں ۔

شاہ ابو سعید صاحب نے ناراضی سے جواب دیا کہ ایک شخص اتباع سنت چاھتا ھے اور تم اس کی نسبت کہتے ھو کہ وھابیوں کی سی باتیں کرتا ھے ۔

اس کے بعد وہ سید کی طرف متوجہ ھوئے اور سید سے کہا کہ نقش بندی طریقے میں کوئی امر بھی خلاف سنت نہیں ھے سید نے کہا کہ بہت اچھا ۔ اس وقت سید نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر بعد بیعت نذر دی جائے گی ۔ تو گویا اس کا معاوضہ ھوگا ۔

بہتر ہے کہ پہلے نذر دی جائے اور اس کے بعد بیعت ہو - پس سید نے پانچ روپیہ نکال کر شاہ ابو سعید صاحب کے نذر کیے اور پانچ روپیہ شاہ احمد سعید صاحب کے - دونوں صاحبوں نے نذریں لیں - جب شاہ عبدالغنی صاحب کو نذر دی تو انھوں نے کہا کہ تم انگریزوں کے نوکر ہو میں نہیں لیتا - سید نے کہا میری تنخواہ کا روپیہ نہیں ہے - میں تو ایک ہندو سے قرض لے کر آیا ہوں - اس پر بھی انھوں نے لینے سے انکار کیا - شاہ ابو سعید صاحب نے فرمایا کہ یہ نہیں لیتے تو ان کی والدہ کے پاس بھیج دو - اس گفتگو کے بعد نوبت بیعت نہیں پہنچی کہ آنکھ کھل گئی -

دھلی میں جو لوگ مقدس تھے وہ انگریزوں کی ایسی نوکری کو جس میں انفصال مقدمات کا کام نہیں ہوتا تھا بلکہ عملہ کے طور پر کام کرنا ہوتا تھا اور نیز پولیس کی نوکری کو جائز سمجھتے تھے اور جن عہدوں میں انفصال مقدمات کا کام ہوتا تھا - جیسے منصفی اور صدر الصدوری - اس نوکری کو نا جائز سمجھتے تھے - کیوں کہ خلاف شرع بہ موجب انگریزی قانون کے مقدمات فیصل کرنے پڑتے تھے - شاہ عبدالغنی صاحب کا بھی یہی حال تھا اور اسی سبب سے آنھوں نے نذر لینے سے انکار کیا تھا -

بارھواں خواب

چند مہینے ہوئے کہ علی گڈھ میں سید نے دیکھا کہ وہ دھلی میں کسی مقام پر ھیں اور شاہ غلام علی صاحب کی نسبت جو کہ بیمار ھیں لوگ کہتے ھیں کہ اب اخیر وقت ہے - سید نہایت بے قرار ہوئے اور اس خیال سے کہ ان کی اخیر زیارت کر لیں - اس جگہ گئے - جہاں شاہ غلام علی صاحب تھے - دیکھا کہ پلنگ پر لیٹے ھیں منہ اور پاؤں کھلے ہوئے ھیں اور سارا بدن کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے - سید کہتے تھے کہ میں نے بعینہ وہی حالت دیکھی اور

ویسا ھی پلنگ اور تمام چیزیں دیکھیں جیسے کہ حضرت کے انتقال کے دو ایک روز پہلے میں نے دیکھا تھا ۔ غرض کہ سید مضطرب ھو کر ان کے پاؤں کی آنگلیوں سے اپنی آنکھیں ملنے لگے ۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم سید ھو ایسا مت کرو ۔

ایک عجیب بات سید نے یہ کی کہ اس خواب کے چند روز بعد جب وہ دھلی گئے تو شاہ غلام علی صاحب کے مزار پر گئے اور کہا کہ دادا حضرت اب آپ تو زندہ نہیں ھیں ورنہ میں آپ کے پاؤں سے آنکھیں ملتا ۔ مگر میں آپ کی قبر سے آنکھیں ملتا ھوں ۔ یہ کہہ کر قبر کی پائنتی سے آنکھیں ملیں ۔ سید کی اس حرکت کو سن کر لوگ نہایت متعجب ھوں گے ۔ مگر ان کی یہ حرکت صرف محبت کی وجہ سے تھی ، نہ کسی اور خیال سے ۔

سرسید نے ایک دفعہ شاہ صاحب کا ذکر کرتے ھوئے ھمارے سامنے یہ کہا تھا کہ ”گو اس قسم کی عقیدت جیسی مریدوں کو اپنے شیخ کے ساتھ ھوتی ھے ۔ مجھ کو نہیں ھے لیکن نہایت قوی تعلق اور رابطۂ اخلاص میرے دل میں شاہ صاحب کے ساتھ ھے اور میں چاھتا ھوں کہ میری لائف میں اس کی تصریح کر دی جائے ۔“

اس کے سوا سرسید کی تصنیفات کی فہرست میں جو ایک رسالہ موسوم یہ ”نمیقہ“ بہ زبان فارسی تصور شیخ کے بیان میں ھے آس کی نسبت سرسید کہتے تھے کہ ”میں نے اسے شاہ احمد سعید صاحب کو دکھایا تھا ۔ آنھوں نے اس کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ جو باتیں رسمیں لکھی گئی ھیں وہ اھلِ حال کے سوا کوئی نہیں لکھ سکتا ۔ پس یہ آس توجہ کی برکت ھے جو شاہ صاحب کو تمھارے ساتھ تھی اور اب تک ھے ۔“

ضمیمه

بیان مسئله تصور شیخ

(تصانیف احمدیه ، جلد اول ، حصه اول ، مطبوعه ۱۳۰۰ھ
مطابق ۱۸۸۳ء ، صفحه ۱۳۸)

ملاذا ، انچه در باب تصور شیخ ازیں هیچمداں استفسار رفته منکه ازیں مقام آگاه نیستم کدام زمزمه توانم سرود و چوں دریں وادی گامی نرفته ام ازیں نشیب و فرازچه باز توانم نمود ، کار آگاهان میگویند که ایں رمزیست که بگفت در نگنجد و به شنیدن راست نیاید تا نه بینی باور نکنی و تا در برنکشی بوصال ترسی ایں جلوه را به چشم سر نتواں دید و ایں جاده را بپائے خاکی نتواں برید لذت ایں باده وجدانی است نه بیانی گفت را دریں پرده به خاموشی پناه بریں است و سخن را دریں خلوت به سکوت بر خوردن دریں صورت من کجا و ایں حرف زدن از کجا ۔ اما چوں مرا در بجا آوری او امر بزرگان مجبور داشته اند ۔ هر چه از نتائج افکار نا رسا ، وره آورده اندیشه جاده پیمائے من است بعرض می آرم و اند که از بسیار می نگارم چوں پیش از تحریر مطلب از تمهید مقدمات چند ناگزیر است زبان قلم را بتقریر آں رخصت میدهم که بے بدرقه ایں رهبر ها گام به منزل زدن دشوار و بے به مقصود بردن دور از کار است ۔

مقدمه اول

از مسلمات کرام و متفق علیه خواص و عوام است که صحبت را اثرے هست اگر با نیک بنشینی نیک بر آئی و اگر با بد همنشیں گردی نقاب از چهره قبح بر کشای و ایں معنی است که ازیں سر تا آں سر کس زبان بحرف انکارش نیا لا بدخواهی از گیرد ترسا باز پرس و خواهی از زاهد و پارسا باز جو - ولله در من قال -

”صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند“

وما را حدیث رسول مقبول صلی الله علیه وسلم که دلم خاک راه و جانم فدائے فرق آں عرش دستگاه باد دریں باب بس است - اخرجه البخاری عن ابی موسیٰ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک و نافخ الکیر فحامل المسک اما ان یخدیک و اما ان تبتاع منه و اما ان تجد منه ریحا طیبة و نافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک و اما ان تجد منه ریحا خبیثة پس در اثر صحبت که آں را به عرف عام فیض صحبت نامند کسی را جاے گفت نماند -

مقدمه دوم

هر گاه فیض صحبت را قبول نمودی به بداهت خواهی دانست که ایں فیض نه در جوارح می شود و نه از جوارح که آنرا بچشم ظاهر می بینی و یکے را چشم و یکے را دست و یکے را با نام می تهی در نه باید که از نابینا هیچ نکشاید و از بے دست و پا هیچ نیابد و ایں بر باطل است نزد آنکه عالم باشد با جاهل کسی را که ایزد بے همتا چشم بصیرت کشاده باشد از بستگی ایں دو چشم ابلق

چه زبان زاید و کسے که دست گرفته ید قدرت قادر حقیقی باشد از بے دست و پائے ناکام نیابد دریں پرده خاک آلود و دریں نمود بے بود شاهدیست نورانی که اینهمه نیرنگیهائے اوست و ایں همه بوالعجبی ها از دست ایں فیض هم از دست و هم در دست حکماء آنرا به نفس ناطقه بر گزارند و کبرائے ما آنرا روح نام گزارند چوں ایں دریافتی دانستی که ایں فیض صحبت هم از روح است و هم دو روح ایں دست و پا و چشم ظاهر نما را در آں مدخلی نیست ۔

مقدمه سوم

مسلم جمیع امم است که تا تحسین فاعل در تو جائے نگیرد فعل فاعل در تو اثر نکند و همیں تحسین فاعل را بحسب مراتب جداگانه نام نهاده اند سوخته جانان آتش عشق آنرا محبت دانند و آداب دانان طریق ارادت آنرا عقیدت نامند و در حقیقت مدار وصول فیض ها بر آنست و ملاک حصول لذتها هاں چه نفس ناطقه موثر بمنزله باران رحمت الٰهی است و نفس ناطقه موثر بمنزله کشت و محبت و موثر با موثر ماده قابل آں تا آں ماده قابل خواه آنرا محبت خوانی و خواه عقیدت دانی در تو پیدا نشود صحبتی در تو اثر نکند ۔

''باراں که در لطافت طبعش خلاف نیست''
''در باغ لاله روید و در شور بوم خس''

''عن انس ابن مالک انه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من نفسه و ولده و الناس اجمعین و فی حدیث عمرانت احب الی یا رسول الله من کل شیئی الا من نفسی التی بین جنبی فقال له علیه الصلوٰة و السلام لا تکون مومنا حتیٰ اکون احب الیک من نفسک فقال عمرولذی انزل علیک الکتاب لانت

احب الی من نفسی التی بین جنبی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الان یا عمر قد تم ایمانک ۔" ادنی فیض صحبت بنی حصول ایمان کامل است و آں بے حصول محبت صورت نه بندد صدیق را رضی الله عنه که به بلندی درجات برداشند و ابوجهل را به پستی درکات انداختند منشا و آں وجود و عدم گوهر شب چراغ داغ محبت رسول مقبول بوده است صلی الله علیه وسلم ورنه صحبت آنحضرت را که هر دور دریافته بودند یکی را که ایں حبل المتیں بدست آمد به بلند تریں مراتب ترقی کرد و دیگرے که ایں عروة الوثقی را از کف فروهشت کمترین مرتبه که حصول ایمان کامل است نیز بدست نیامد پس مستفیض را باید که محبت مفیض بر خود واجب داند تا در نفس هر دو مناسبتی پیدا آید و تاثیر و تاثر در هردو رو نماید و شاید همیں مقام را سالکان طریقت فنافی الشیخ نام نهاده باشند وارفته راه مقصود داند که بے وصول ایں مقام کارے بر نیاید و اثرے رخ نکشاید ما بے بصران بسر رشته ازیں کار گاه پے برده ایم دیگر کار آگاهان دانند ۔

"رموز مصلحت ملک خسرواں دانند"
"گدائی گوشه نشینی تو احمد امخروش"

مقدمه چهارم

اصل اصول بهم رسیدن محبت مفیض تذکر اوست ، قال الله تبارک و تعالی و فاذکرونی اذکرکم و احادیث بے شمار مثبت ایں مدعا است که ایں مختصر کنجائے آں را بر نتابد و ایں مدعا را به بداهت عقل نیز تواں دریافت لیلی را که بر سر مجنوں آورد و شیریں را در غم فرهاد که سیاه پوش ساخت مذاق اشنایان عشق مجازی روزی نیست که لذت یا گوره تذکر را بکام در نیابند آرے ایں هم آغوشی خیالی و ایں وصال فکری محبوب را بر سر بازار

آورد و آں چناں هم رنگ خود سازد که معشوق عاشق گردد -

"عشق آں خانماں خرابی هست"
"که ترا آورد به خانۂ ما"

و تذکر را خیال مذکر کا هو لازم است که گاهی ازاں منفک نه شود به نفس خود در آی و خیال کن آنگاه سے توانی دریافت که او در دل تو باشد و او را به یاد آوری و محبت و ذوق و شوق و عشق تو در جوش باشد و صورت خیالیه آں بتعینه و تشخصه در خیال تو نه باشد حاشا وکلا و هم چناں که تذکر متلزم تصور است هم چناں تصور که مستلزم تذکر است باعث محبت مه به شود فی‌الحدیث عن حسن ابن علی قال سلت خالی بند بن ابی هالته وکان وصافا عن حلیة النبی صلی الله علیه وسلم وانا اشخصی ان یصف لی منها شیئاً اتلعق به - یعنی محبت گزینم به سبب آں اے به سبب تصور جمال باکمال حضرت صلی الله علیه و سلم هرگاه این مقدمات را دانستی بداں و آگاه باش که حضرات نقش بند یه ما رضوان الله علیهم اجمعین به همیں مراقبه امر فرموده اند که طالب را تصور شیخ لازم است هم در حال ذکر و هم غیر آں تا به آں تذکر دلی و خیالی محبت شیخ در دل طالب به جوش آید و رفته رفته مرتبه فنافی الشیخ صورت گیرد و در نفس ناطقه شیخ و طالب مناسبتی پیدا شود تا فیض محبت و ارشاد در نفس ناطقه طالب جائے گیرد و از رزائیل پاک و صاف نموده بمدارج اعلی رساند دریں مقام ایں تصور را هر چه بگویم رواست اگر بگویم که تصور شیخ انبوب رحمت الٰهی است حق گفته باشم و اگر بدانم که بدوں تصور شیخ راهی بجناب الٰهی و درگاه رسالت پناهی نمی یابم هم حق دانسته باشم و ایں محبت شیخ غالب است که دو قسم بود باشد یکی وهبی

و دویم کسی که بتصور قصدی و تذکر ارادی دست داده باشد ما
اول را رابطه مے دانم و ثانی را تصور اگرچه در مال هر دو فرق
نیست وان چه کذابان بر بسته اند که این بزرگان در حالت مراقبه
شیخ را حاضر و ناظر و عالم دانا در هر وقت و هر حال می دانند و
مراد از مراقبه همیں می گویند که شیخ موجود است و بے آله و
واسطه ما را می نه گردد از حال ذاکر بے سبب و وسیله واقف و
آگاه به شود حاشا که دامن پاک این بزرگان ازیں اعتقاد آلوده باشد
بل چناں که دانستی این مراقبه بالکلیه از حال و ارادت صحابه
تابعین و تبع تابعین ماخوذ است و اقوال سرور ما و سرور انبیا
صلی الله علیه وسلم برآں دال است و علما هم در خطاب
الصلواة والسلام علیک ایها النبی و رحمة الله
و برکاته به همیں معنی تصریح کرده اند پس چگونه بدعت و
ممنوع باشد با آں که این بزرگان این مراقبه را هم آله و واسطه
ترقی به اعلیٰ مے دانند ما فی الجمله تزکیه نفس بہم رسد و فنا
فی الرسول که نصیب کافه مومناں پاک دین باد حاصل آید ما را
تعرض یا کسی نیت آں چه دانسته ایم ما را کافی است گونافہماں
سر به سنگ زده باشند و آں چه مولانا اسماعیل علیه الرحمة در
صراط المستقیم فرموده اند این هم مقتضائے مقامی است که به دانست
من بنده کیفیت آں مقام در رگ و پے مولانا سرایت کرده بود و
جمله تصانیف شان مبنی بر هماں کیفیت معهذا مولانائے مرحوم
با آں که نوشتن آں چناں بود خدمت کسانی که مراقبه و مواظبت
رابطه وظیفه شبا روزی شان بود تا نفس واپسیں پیشوا و مقتدائے خود
شان دانسته اند و گاهی راه سوء ظن نسبت به آں بزرگاں نه رفته۔

"والسلام علی من اتبع الهدیٰ"

تحقیقِ لفظِ نصاریٰ

(حیات جاوید ، صفحہ ۱۶۰)

"غدر ۱۸۵۷ء" میں جہاں اور ہزاروں مصیبتیں انگریزوں کی طرف سے ہندوستان کے غریب اور مظلوم مسلمانوں پر نازل ہوئیں ۔ وہاں ایک آفت یہ بھی تھی کہ اُس زمانہ میں جن جن مسلمانوں نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں انگریزوں کو "نصاریٰ" لکھا تھا ۔ یا اپنی تقریروں میں بیان کیا تھا ، انگریزوں نے اپنے تعصب اور دشمنی کے جوش میں جو اُن کو اُس وقت مسلمانوں سے تھے اپنی سخت توہین سمجھا اور یہ خیال کیا کہ "مسلمان باغیوں" نے ہمیں ذلت اور حقارت کے طور پر "نصاریٰ" لکھا اور کہا ہے ۔ چناں چہ بعض مسلمانوں کو اس "جرم" میں پھانسی کی سزا دی گئی اور بعض کو دوسری سخت سخت سزائیں دی گئیں جو اُن بد قسمتوں کی قسمت میں تھیں ۔

اس لفظ کے استعمال کے متعلق اُس وقت کے انگریزوں کا کہنا تھا کہ جس طرح یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حقارت کے ساتھ ناصری (یعنی قصبہ ناصرہ کا باشندہ) کہتے تھے ۔ اس طرح یہودیوں کی تقلید میں مسلمان بھی انگریزوں کو حقارت سے "نصاریٰ"

(منسوب بہ ناصرہ) کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔

سرسید کو جب انگریزوں کے اس تعصب کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے فوراً ایک مختصر رسالہ ''تحقیق لفظ نصاریٰ'' کے نام سے لکھا اور اسے اردو اور انگریزی میں چھپوا کر پبلک میں بھی تقسیم کیا اور گورنمنٹ کے حکام اور بعض معزز انگریزوں کو بھی بھیجا ۔ تاکہ گورنمنٹ انگریزی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر مسلمانوں پر ظلم کرنے سے باز رہے ۔ مگر یہ مضمون اس قدر نایاب اور ناپید ہے کہ مولانا حالی کو بھی حیات جاوید لکھتے وقت دستیاب نہیں ہو سکا ۔ خود سرسید کے پاس بھی اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں تھا ۔ نہ وہ کہیں سے مہیا کرکے ''حیات جاوید'' کی تصنیف کے وقت مولانا کو دے سکے ۔ مجبوراً مولانا حالی نے سرسید سے اس مضمون کا خلاصہ زبانی پوچھا اور اسی خلاصہ کو حیات جاوید میں درج کر دیا اس لیے ہم بھی سرسید کا بیان کردہ وہی خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ یہ تحریر محفوظ ہو جائے ۔

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

سرسید نے مولانا حالی سے بیان کیا کہ ''نصاریٰ'' کا لفظ ''ناصرہ'' کے قریہ سے مشتق نہیں بلکہ لفظ ''نصر'' سے مشتق ہے (جس کے معنی مدد اور نصرت کے ہیں) چناں چہ قرآن شریف میں صاف طور پر آیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا : ''من انصار الی اللہ'' تو حواریوں نے فوراً لبیک کہا اور جواب دیا کہ ''نحن انصار اللہ'' اس لیے ان حواریوں کی پیروی کرنے والوں کو اس صفت کے ساتھ جس کی

حواریوں نے حامی بھری تھی موصوف کیا گیا ہے - اور آن پر "نصاریٰ" کا اطلاق کا اعلان کیا گیا ہے - قرآن مجید میں کہیں قریہ ناصرہ کا ذکر نہیں آیا اور نہ کہیں قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ناصری" کہا گیا ہے - اس کے علاوہ قرآن کریم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خود اپنے تئیں "نصاریٰ" کہتے تھے - جیسا کہ سورۃ مائدہ کی اس آیت میں بیان ہوا ہے - ولتجدن اقربھم مودۃً للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ - (یعنی اے محمد! تو پائے گا اهل کتاب میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا دوست آن لوگوں کو جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں) -"

اس خلاصہ کو درج کتاب کرنے کے بعد مولانا حالی آخر میں اپنی طرف سے تحریر فرماتے ہیں کہ "جہاں تک کہ معلوم ہوا ہے اس رسالہ (تحقیق لفظ نصاریٰ) کی اشاعت کے بعد پھر کسی سے اس لفظ پر مواخذہ نہیں ہوا - ہم نے سنا ہے کہ جب رسالہ شائع ہوا تو کسی انگریزی اخبار میں یہ لکھا گیا تھا کہ "سرسید احمد خاں کا یہ بیان غلط ہے کسی شخص کو "نصاریٰ" کا لفظ لکھنے پر سزا نہیں ہوئی -" اس پر ایک معزز یورپین افسر نے اس کا یہ جواب دیا اور لکھا کہ "خود ہمارے سامنے ایک شخص کو اسی جرم میں کان پور میں پھانسی دی گئی -"

رائے درباب تعلیم اہلِ ہند

(حیات جاوید ، صفحہ ۱۴۳)

۱۸۵۹ء میں جب کہ سرسید یو - پی - کے مشہور شہر مراد آباد میں صدر الصدور تھے ایک یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ہندوستانیوں کو تعلیم کس زبان میں دی جائے - آیا اردو میں جو اکثر و بیش تر اہل ہند کی مادری زبان ہے ، یا انگریزی میں جو حکومت کی زبان ہے اور جس میں ہر قسم کے علوم و فنون کا کافی ذخیرہ موجود ہے؟ اس پر سرسید نے ایک مضمون اردو اور انگریزی میں چھاپ کر بطور پمفلٹ عام طور سے تقسیم کیا اور حکومت کو بھی اس کی کاپیاں بھیجیں - اس مضمون میں سرسید نے اپنے خیال کے مطابق اس امر پر زور دیا کہ ہندوستانیوں کو ابتدائی تعلیم انگریزی زبان میں دینی چاہیے - تاکہ وہ ایک طرف تو حکمران قوم کے افکار و خیالات اور جذبات و محسوسات سے واقف ہوں - دوسرے اس عظیم علمی ذخیرے سے بھی با خبر ہوں جو انگریزی زبان میں موجود ہے اور جس سے اردو کا دامن ابھی تک خالی ہے -

افسوس ہے کہ ہمیں یہ پورا مضمون نہیں مل سکا - البتہ مولانا حالی نے اس مضمون کا خلاصہ حیات جاوید میں شائع کیا ہے جو ہم یہاں نقل کرتے ہیں -

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

" گزشتہ چند سالوں سے گورنمنٹ نے جو انتظام رعایائے ہندوستان کی تعلیم کا کیا ہے۔ سب سے اول اُس میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ آیا فی نفسہٖ وہ انتظام ایسا ہے یا نہیں کہ رعایا کا اُس سے ناراض ہونا اور خواہ مخواہ بد گمانی کرنا ضرور ہے؟ ہماری رائے یہ ہے کہ بلا شبہ ایسا ہی ہے گورنمنٹ نے یہ خیال کیا کہ جب کسی قوم کی تربیت کا ارادہ کیا جائے تو جو اُس قوم کی زبان ہے اُسی میں اُس کی تربیت ہو تو آسانی ہوگی اور دوسری زبان کی لغت اور محاورے سیکھنے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے وہ بچے گا۔ بظاہر اس کی نظیریں بھی موجود تھیں کیوں کہ تمام اہل یورپ اور اہل عرب نے اپنی ہی زبانوں میں علوم سیکھے ہیں مگر یہ رائے غلط تھی۔ کل زبانوں پر ایسا خیال کر لینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ہم کو چاہیے کہ اس بات پر غور کریں کہ جس زبان میں ہم کسی قوم کی تعلیم چاہتے ہیں۔ آیا اُس زبان کی حالت ایسی ہے یا نہیں کہ اُس زبان میں تعلیم کا ہونا ممکن ہو؟

ہمیشہ تعلیم سے مقصود یہ رہا ہے کہ انسان میں ایک ملکہ اور اُس کی عقل اور ذہن میں ایک جودت پیدا ہو، تاکہ جو امور پیش آئیں اُن کے سمجھنے کی، برائی بھلائی جاننے کی اور عجائب قدرت الٰہی پر فکر کرنے کی اُس کو طاقت ہو، اُس کے اخلاق درست ہوں، وہ معاملات معاش کو نہایت صلاحیت سے انجام دے اور امور معاد پر غور کرے۔ گورنمنٹ کا یہ کہنا کہ " ہم کو اس قدر تربیت سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ ہم اس قدر تعلیم کے خواہاں ہیں جو امور معاش سے علاقہ رکھتی ہے اور جو منحصر ہے صرف جغرافیہ، حساب اور ہندسہ پر نہایت بے جا ہے۔

سررشتہ تعلیم جو چند سال سے جاری ہے وہ تربیت کے لیے ناکافی ہی نہیں بلکہ خراب کرنے والا تربیت اہل ہند کا ہے۔ اُردو

زبان جس کے وسیلے سے اکثر جگہ تعلیم جاری ہے ۔ اُس کی حالت ایسی نہیں ہے جس سے تعلیم کا ہونا ممکن ہو ۔ کیوں کہ جس زبان میں ہم کسی قوم کی تعلیم کا ارادہ رکھتے ہیں ، اُس زبان کی نسبت اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اُس میں علمی کتابیں کافی موجود ہیں یا نہیں ؟ کیوں کہ اگر یہ نہ ہو تو تعلیم ممکن نہیں ۔ دوسرے یہ کہ وہ زبان فی نفسہٖ اس قابل ہے یا نہیں کہ اُس میں علمی کتابیں تصنیف ہو سکیں ؟ کیوں کہ پہلی بات کا تو علاج ہو سکتا ہے مگر دوسری بات لاعلاج ہے ۔ تیسرے یہ کہ آیا وہ ایسی زبان ہے یا نہیں کہ اُس میں علوم پڑھانے سے جودت طبع ، جدت ذہن ، سلامتی فکر ، ملکۂ عالی ، قوت ناطقہ ، پختگی تقدیر اور تربیت نفس کا سلیقہ پیدا ہو سکے ؟ ان تینوں باتوں میں سے اُردو زبان میں کوئی بات بھی نہیں ۔ پس گورنمنٹ پر واجب ہے کہ اس طریقہ تعلیم کو جو در حقیقت تربیت انسان کو خراب کرنے والا ہے اور خود بخود لوگوں کے دلوں میں بد گمانی پیدا کرنے والا ہے ، بالکل بدل دے اور اُس زبان میں تربیت جاری کرے جس سے تربیت کا جو اصلی نتیجہ ہے ، وہ حاصل ہو۔

میری صاف رائے ہے کہ اگر گورنمنٹ اپنی شرکت دیسی زبان میں تعلیم دینے سے بالکل اُٹھاوے اور صرف انگریزی مدرسے اور سکول جاری رکھے تو بلا شبہ یہ بد گمانی جو رعایا کو گورنمنٹ کی طرف سے ہے ، جاتی رہے ۔ صاف صاف لوگ جان لیں کہ سرکار انگریزی زبان کے وسیلے سے تربیت کرتی ہے اور انگریزی زبان بلا شبہ ایسی ہے کہ انسان کی ہر قسم کی علمی ترقی اس میں ہو سکتی ہے ۔"

سرسید کے مضمون کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد مولانا حالی نے سرسید کے اس خیال پر حیات جاوید میں نہایت دل چسپ تبصرہ

بھی کیا ہے - جو اگرچہ انتہائی طور پر مختصر ہے مگر ہے بالکل مبنی بر حقیقت - مولانا فرماتے ہیں :

"یہاں سرسید کے ان فقروں کو نقل کرنے سے ہمارا صرف یہ مدعا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ انگریزی زبان کی تعلیم کو دیسی زبان کی تعلیم پر ترجیح دینے کی نسبت جو کچھ سرسید کی رائے اس زمانہ میں تھی - یہی رائے اب سے ۳۶ برس پہلے تھی - مگر ۳۰ برس کے تجربے سے انھیں اس قدر ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ انگریزی زبان میں بھی ایسی تعلیم ہو سکتی ہے جو دیسی زبان کی تعلیم سے بھی زیادہ نکمی ، فضول اور اصلی لیاقت پیدا کرنے سے قاصر ہو -"

خطاب بہ طرف مسلمانانِ ہندوستان

(برائے مدرسة العلوم علی گڈھ)

وہ زمانہ یاد ہوگا جب کہ ہم سب پڑے سوتے تھے اور قوم کی بہتری کا کسی کو خیال بھی نہ تھا اُس وقت ضرورت تھی کہ قوم کو جگایا جاوے اور قوم پر جو زوال آ گیا ہے اور جو زوال شدید آنے والا ہے اُس کو جتلایا جاوے۔ لوگوں نے تابمقدور اس پر کوشش کی اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کوشش کام یاب ہوئی۔ لوگ جاگے اور ہر ایک گوشۂ ہندوستان سے قومی ہم دردی کی صدا آنے لگی۔

لوگ جاگے اور اُٹھے مگر اچھی طرح ہوشیار نہ ہوئے۔ نیند کے خمار میں راہ راست اور شارع عام کو چھوڑ کر بٹیا کا رستہ چلنے لگے یعنی بجائے اس کے کہ سب لوگ اپنی قوت کو ایک جگہ جمع کرکے کسی کام کو تکمیل پر پہنچاتے، اُنھوں نے اپنی قوتوں کو متفرق کرنا شروع کیا اور ہر ایک نے پانی کا ایک ایک بندھنا ہاتھ میں لے کر ایک وسیع چٹیل ریگ کے بیابان کے مختلف کونوں میں ڈالنا شروع کیا اور خیال کیا کہ ہم اس پانی سے اس ریت کے بیابان میں نہایت عمدہ سرسبز اور پُر ثمر باغ لگا لیں گے۔ یہ خیال محال تھااور محال ہے۔ اُن کی کوششیں ضائع ہوئیں اور ضائع ہوتی ہیں اور ضائع ہوں گی اور وہی مثل صادق آئی کہ ریت میں پانی ڈالا نہ آسان کا رہا نہ زمین کا۔

ہم کو مدت سے خیال تھا کہ اس بے سود کام سے قوم کو متنبہ کریں اور سمجھاویں کہ اس طرح اپنی قوتوں کو متفرق کرکے ضائع نہ کریں ، مگر مجھ کو ہمیشہ یہ خیال ہوا کہ لوگ بجائے اس کے کہ ہمارے اس کہنے کو نیک نیتی اور قومی ہم دردی سمجھیں ہماری بد نیتی اور خود غرضی پر محمول کریں گے اس لیے ہم نے اس مطلب کو مگہم مگہم طور سے تو بیان کیا مگر صاف صاف اور بلا خوف لومتہ لائم کبھی بیان نہیں کیا ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھ سے بلاشبہ یہ قومی گناہ ہوا کہ میں نے اپنی نسبت بدگمانی پیدا ہونے کے خوف سے قومی بھلائی کی جو بات تھی اُس کو صاف صاف بیان نہیں کیا اور قوم کو اُس طرف متوجہ کرنے پر کما حقہ' کوشش نہیں کی لیکن میرا کانشنس مجھ کو ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ : مصرع

از خدا شرم دار د شرم مدار

اب میں تمام پردوں کو اُٹھائے دیتا ہوں اور اپنی قوم کے لیے جو بہتر سمجھتا ہوں ، وہ کہتا ہے :

ہر کسے ہر چہ خواهد بد اند و ہر چہ خواهد بگوید

ع باد ل آرا ے مرا خاطر خوش است
کزدلم یک بارۂ بُرد آرام را

قومِ ما اے قوم ما از بہر تو
دادہ ام برباد ننگ و نام را

میں صاف صاف قوم کو بتانا چاھتا ہوں کہ قوتوں کے متفرق کرنے سے قوم کو نقصان شدید پہنچتا ہے ان کو ایک جگہ جمع کرو ۔

میں قوم سے صاف صاف کہنا چاھتا ہوں کہ جو چھوٹے چھوٹے کام اُنھوں نے قوم کی بھلائی کے خیال سے شروع کیے ہیں وہ قوم

کو بجائے نفع کے شدید نقصان پہنچا رہے ہیں اور بعوض اس کے کہ قوم کے خیالات کو اُس کی ہمتوں کو اور اُس کے جوشوں کو ایک جگہ جمع کریں پریشان و متفرق کر رہے ہیں اور بے سود ضائع کرتے ہیں -

میں صاف صاف جتلانا چاہتا ہوں کہ جو کام تم نے بغرض ثوابِ آخرت اختیار کیے ہیں ہر شخص کو ثواب کمانے کا اختیار ہے کوئی مانع نہیں مگر تم نے جو اُس کو قومی ہم دردی اور قومی بھلائی کا لباس پہنایا ہے وہ صرف دھوکا ہے اور قوم کو دھوکا دیا جاتا ہے - قوم کو دھوکا مت دو وہ قوم کے ساتھ دغا بازی اور مکر ہے جس سے قوم دھوکے میں پڑ کر برباد ہو جاوے گی -

میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ قوم کے لیے بہت کچھ کرنا ہے قوم کو بہت چیزوں کی ضرورت ہے اس کی مثال ایسے مریض کی ہے جو متعدد امراض میں مبتلا ہو بعض ایسے امراض ہیں جن سے اُس کی ہلاکت کا اندیشہ نہیں - بعض ایسے ہیں جن سے اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے - پس اگر تم اُن امراض کے علاج پر متوجہ ہو گئے جن سے ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے اور سب مل کر اُس مہلک مرض کے علاج پر متوجہ نہ ہو گے جو ایسا مرض ہے کہ بغیر اس کے کہ سب یک دل ہو کر اُس کے علاج پر متوجہ ہوں علاج پذیر نہیں ہے اور چند آدمیوں کے متوجہ ہونے سے اس کا علاج نہیں ہو سکتا تو اُس بیمار کو شفا ہونے کی توقع نہیں ہے بلکہ آخرکار یقینی اس کے لیے موت ہے -

پس اگر تم اس کی شفا چاہتے ہو تو ایک دانا طبیب کا سا کام کرو - چھوٹے چھوٹے امراض کو جو درحقیقت اصلی مرض نہیں بلکہ اصلی مرض کے سبب سے پیدا ہوئے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو اور سب متفق ہو کر اصلی مہلک مرض

کے علاج پر پوری پوری متفقه همت مصروف کرو تاکه اصلی مرض زائل هو اور بیمار شفا پاوے - وه چھوٹے چھوٹے مرض بھی مہلک مرض سے شفا پانے کے ساتھ از خود زائل هو جاویں گے -

اب غور کرو که قوم کی فلاح اور بہبودی کے لیے هم کو کیا کرنا چاهیے - همیں اپنی قوم کو انگریزی زبان کی جس کو خدا نے اپنی مرضی سے هم پر حکومت دی هے اور جس کے جانے بغیر هم دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے بلکه میں کہوں گا که دین کی بھی خدمت نہیں کر سکتے ، تعلیم دینا هے مگر ایسی تعلیم جس سے قوم کو کڑمڑ انگریزی آ جاوے اور اس طرح سے وه انگریزی بولنے لگیں جیسے هندوستان میں کمپو کے خدمت گار یا سوداگر یا انگلستان کے قلی اور کیپ مین ، تو قوم کو کچھ فائده نہیں - ان کو پوری تعلیم اور اعلیٰ درجه کی انگریزی زبان کی تعلیم هونی چاهیے که خود اپنی لٹریچر دانی سے آن کو عزت هو اور اس کو قومی ، دنیاوی ، مذهبی کاموں میں کام میں لا سکیں اور لوگ اس کی قدر کریں اسی قدر همارے لیے کافی نه هوگا بلکه یه بھی ضرور هوگا که ان هی میں چند ایسے بھی هوں جو فرنچ ، جرمن ، لیٹن اور گریک کو بخوبی جانتے هوں -

اسی کے ساتھ هم کو عربی کی بھی تعلیم دینی ضرور هے جو قطع نظر اس کے که وه مسلمان کی زبان هے ایک ایسی اعلیٰ درجه کی زبان هے جس کی قدر کی جا سکتی هے اور کسی طرح علمی زبان کے دائرے سے علیحده نہیں ره سکتی اور مسلمانوں کی ضروریات سے خارج نہیں هو سکتی اور اگر مذهبی خدمت کا بھی لحاظ هو تو عربی کے ساتھ عبری زبان سے بھی واقفیت پیدا کرنی لازم آ جاتی هے - ایک مجمع میں مولانا شاه عبدالعزیز مرحوم نے چار سطریں توریت کے شروع کی نہایت فخر سے عربی زبان میں

پڑھیں اور نواب فتح اللہ بیگ خاں نے جو شاہ صاحب کے نہایت معتقد تھے ان کو یاد کر لیا تھا اور کبھی کبھی شاہ صاحب کے حالات بیان کرنے میں ان کو پڑھا کرتے تھے -

فارسی کو ہم نہیں چھوڑ سکتے جس کا تعلق بہت کچھ مسلمانوں کی تربیت اور مذاق کے ساتھ ہو گیا ہے اور وہ فی نفسہ خود بھی نہایت لطیف و بامذاق زبان ہے اور مسلمانوں کے علوم اور تواریخ کا اس قدر سرمایہ اس میں موجود ہے جس سے مسلمان قطع نظر نہیں کر سکتے -

مسلمانوں کو مذہبی تعلیم دینا بھی ادنیٰ درجہ کی یا اوسط درجہ کی یا اعلیٰ درجہ کی ہم پر فرض ہے کیوں کہ مختلف اقوام کو جس چیز نے ایک قوم بنا دیا ہے وہ صرف اسلام ہے - اگر ہم اسی کا فکر نہ کریں تو قومیت قائم نہیں رکھ سکتے کم سے کم یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو ضروری عقائد مذہبی اور احکام مذہبی کی تعلیم دیں جس کو ہم نے ادنیٰ تعلیم سے تعبیر کیا ہے -

ان سب باتوں کے ساتھ ھمیں ان کو مختلف علوم میں اور بالتخصیص علوم جدیدہ میں تعلیم دینا ہے جو ایک بہت بڑا امر اہم ہے اور فی الواقع جو اس کی ضرورت اور عظمت ہے وہ ما فوق البیان ہے - مختصراً اس طرح بیان ہو سکتی ہے کہ بغیر اس کے نہ قوم بن سکتی ہے نہ دنیا میں کوئی درجہ اور عزت اور قدر حاصل کر سکتی ہے اور اگر سچ پوچھو تو نہ دین کی خدمت کر سکتی ہے -

یہ حالت تو صرف تعلیم کی تھی مگر صرف تعلیم سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا - کیا صرف تعلیم سے انسان انسان بن جاتا ہے اور کمثل الحمار یحمل اسفارا سے زیادہ

رتبہ پا سکتا ہے کیا صرف تعلیم سے قوم قوم بن جاتی ہے ۔ کیا صرف تعلیم سے کوئی قوم دنیا کی قوموں میں عزت پا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ بلکہ جب تک وہ انسان نہ بنیں اور قوم قوم نہ بنے اُس وقت تک معزز نہیں ہو سکتی ۔

پس ہم کو مسلمانوں کے لیے تعلیم سے زیادہ وہ چیز کرنی ہے جس کو ہم تربیت کہتے ہیں اور جو قوم کو قوم بننے کے لیے ایسی ہے جیسے جان بدن کے لیے اور بغیر اس کے قوم کا قوم بننا اور زندہ قوم بننا محالات سے ہے ۔

اس مطلب کے لیے ہم کو کیا کرنا چاہیے ۔ اول ہمارا کام یہ ہونا چاہیے کہ قوم کے بچوں اور نوجوانوں کو جس قدر ہو سکے ہم ایک جگہ جمع کریں وہ ساتھ رہیں ۔ ایک جگہ پڑھیں ایک جگہ کھاویں ، ایک جگہ جاگیں ، ایک جگہ سوئیں ، ایک جگہ کھیلیں اور ایک جگہ جیئیں ، ایک جگہ مریں اسی کے ۔ ساتھ اُن کی تربیت کا کافی سامان مہیا کریں ۔

اُن کی صحت جسمانی کا خیال رکھیں علاوہ تمام اسباب و سامان معالجہ کے مہیا رکھنے کے ایک مکان وسیع خوش آب و ہوا پُر فضا مہیا کرنا چاہیے جس میں ان کو رکھا جاوے ۔ ان کو ایسے کھیلوں اور ورزشوں کی رغبت دلائی جاوے جو صحت جسمانی کے لیے ضرور ہوں ۔ پھر ان کے قویٰ پر نظر ڈالی جاوے اور ایسی ورزشیں ان کو بتائی جاویں جو ان کے قویٰ کے مناسب ہوں ۔ جو کم زور ہوں ان کے لیے ایسی ورزشیں تجویز کی جاویں جو اُن کی جسمانی قوت کی کمی کو پورا کریں اور جو قوی اور طاقت ور ہیں اُن میں زیادہ قوت اور طاقت پیدا ہو ۔ گھوڑے کی سواری کی تعلیم ہو اور اُن میں جرأت اور دلیری پیدا کی جاوے جس کے بغیر انسان نہ دین کے کام کا ہوتا ہے نہ دنیا کے کام کا ۔

پھر ان کے لیے تفریح کے سامان مہیا رکھنے چاھئیں تاکہ ان کی طبیعت پژمردہ نہ ھونے پاوے اور آن کی آمنگیں مٹ کر معدوم نہ ھو جاویں - صرف آن پر اس قدر بندش رھے کہ ان کی آمنگیں بد راہ پر نہ پڑنے پاویں اور سیدھے اور نیک رستے پر پڑ جاویں -

پھر اس سب کے ساتھ اس کا خیال رھے کہ یہ کھیل و کود اور ورزشیں تعلیم اور لکھنے پڑھنے میں حارج نہ ھوں بلکہ اس کے ممد و معاون ھوں - تعلیم کے ایسے سامان مہیا کرنے چاھئیں جن سے آن کو شوق اور رغبت اور ان کے دل کو خوشی ھو اور آس میں شریک ھونے کا اور جو کچھ آنھوں نے پڑھا ھے آس کو ترقی دینے کا ان کو شوق پیدا ھو - درخت کو صرف پانی ھی دیے جانا کافی نہیں ھے جب تک کہ اس کے پتے اور ٹہنیاں ھوا کے جھونکوں سے ملتی جلتی اور لہلہاتی اور ھوائے محیط کو اور اس کے اجزاء کو جذب کرتی نہ رھیں ، کبھی پھول پھل نہیں لا سکتے -

آن کے اخلاق اور مذھبی خیالات درست رکھنے کو اور فرائض مذھبی ادا کرنے کو آس خوبی کے ساتھ ایک یا دو مقدس با وقار پاکیزہ صورت پاکیزہ سیرت سمجھ دار مقدس عالم کا رکھنا چاھیے جس کا ادب لوگوں کے دلوں پر ھو تاکہ اس کے فیض صحبت سے آن کی طبیعتیں از خود نیکی اور دین داری کی طرف مائل ھوں -

اگر ھم اپنی قوم کے نوجوانوں کی نسبت چاھتے ھیں کہ نیکی اور راہ راست اختیار کریں تو یہ مطلب تاکید و تنبیہ سے اور آن پر قیود مالایطاق کے لگانے سے حاصل نہیں ھو سکتا - پروفیسر مارلیسن کا نہایت عمدہ قول ھے کہ ”کوئی شخص اس کا

دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہزار نوجوانوں کے خیالات و خواہشوں کو اپنی مرضی کا بالکل تابع کرے - ہم انسان کے خیالات کو، جو اپنے احاطہ غیر متناہی میں کہیں کے کہیں پہنچ سکتے ہیں، اس طرح سے اپنا مطیع نہیں کر سکتے - جس طرح ایک فوجی افسر قواعد دان سپاہیوں کی ایک جماعت کو اپنے حکم کا تابع رکھتا ہے اس لیے ہماری یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ہم اپنے طلباء کے واسطے ایسے اسباب مہیا کریں اور اُن کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسی عمدہ صحبتیں پیدا کر دیں جس سے اُن میں نیکی کی طرف رغبت اور برائی سے نفرت پیدا ہوتی رہے - و للہ در من قال -

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

و ھذا ما وعظنی جدی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک و نافخ الکیر فحامل المسک اما ان یھدیک ان تبتاع منہ واما ان تجد منہ ریحاً طیبۃ و نافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک و اما ان تجد منہ ریحاً خبیثۃ -

بس ہم کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے اور اُن کو انسان بنانے کے لیے اور اپنی قوم کو قوم بنانے کے لیے اُن کو دین و دنیا دونوں میں معزز کرنے کے لیے ایسے سامانوں کا جمع کرنا اور اس طرح پر اُن کو تربیت کرنا لازم و ضرور ہے -

پھر اے محبان قوم اور اے فاروقانِ قوت قوم و اے مدعیان صلاح و فلاح قوم تم انصاف کرو، دیکھو اور سمجھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو کیا اس سے قوم کو یہ فائدہ ہو سکتا ہے - کیا اس سے قوم قوم ہو جاوے گی - کیا اُس سے قوم خاک مذلت سے

اٹھ کھڑی ہوگی - حاشا و کلا -

سمجھو ! تم نے جو جابجا چھوٹے چھوٹے اسکول یا بے وقعت اور بے حقیقت کالج کھولے ہیں کیا اُن سے تم قوم کو کچھ بھلائی پہنچا سکتے ہو ، قوم کی تعلیم اور تربیت کے لیے جو سامان ضروری ہیں اُن کو تم اسکولوں و کالجوں میں مہیا کر سکتے ہو ؟ ہرگز نہیں -

تم اپنی قوم کے ساتھ سلوک نہیں کرتے بلکہ قوتوں کو متفرق کر کے اس کو نقصان پہنچاتے ہو اپنی قوم کے بچوں کے ساتھ بھلائی نہیں کرتے بلکہ سخت دشمنی کرتے ہو - اُن کی عمر کو ضائع کرتے ہو جو کچھ وہ بغیر تمہارے اس نادان دوستی اور ناسمجھ مہربانی کے کر سکتے تھے اس کو بھی تم برباد کرتے ہو -

مثلاً کسی ضلع میں گورنمنٹ کالج یا اسکول ہے یا کوئی مشنری کالج و اسکول ہے جس میں ماسٹر و ٹیچر پرنسپل و پروفیسر نہایت عمدہ لیاقت کے اور عالم ولایتؔ کی یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ تعلیم دیتے ہیں اُن کالجوں اور اسکولوں کا عمدہ انتظام ہے باقاعدہ ان کی نگرانی ہوتی ہے - اب تم نے اُس ضلع میں ایک کالج یا اسکول چندہ کے لوگوں کو اسلام کی چمک دکھا کر کھولا اور مسلمان لڑکوں کو گھیر گھار کر اُس میں داخل کیا جس میں نہ اعلیٰ درجہ کے ماسٹر ہیں ، نہ ٹیچر ، نہ پرنسپل ، نہ پروفیسر اور نہ اُن میں انتظام ہے نہ باقاعدہ نگرانی تو در حقیقت تم نے اپنی قوم کے بچوں کے ساتھ دشمنی کی ہے نہ دوستی کہ اُن کو اچھی تعلیم سے محروم رکھ کر ناقص تعلیم میں ڈالا اور ان کی عمر کو ضائع کیا - اگر تم اسی درجہ کا کالج یا اسکول قائم کر سکتے جس درجہ کا گورنمنٹ یا مشنری اسکول اُس ضلع میں ہے تب بھی

صبر آتا مگر تم نے جو کیا اُس سے رہی سہی قومی تعلیم کو بھی خاک میں ملا دیا ۔ پھر کیا یہ قوم کے ساتھ بھلائی و نیکی ہے ؟ بے شک تمھاری نیت بخیر ہے اور تم نہایت نیک نیتی اور قوم کی بھلائی کے لیے کام کرتے ہو مگر مثل نادان دوست کے تم اپنے بچوں کو نیم ملا و نیم حکیم کے سپرد کر کے ان کو خطرہ میں ڈالتے ہو۔

انجمن ہائے اسلامیہ جو جا بجا قائم ہوئی ہیں اگر وہ کسی مرض کی دوا ہیں تو ایسے مرض کی ہیں جو قوم کے لیے مرض مہلک نہیں ہے ۔ اگر تم نے ان ہی پر بس کیا اور جو مہلک مرض ہے ، اُس کے علاج پر قوتوں کو جمع کرکے توجہ نہیں کی تو بیمار کو شفا ہونی معلوم اور افسوس کہ آخرکار وہ مرض مہلک لا علاج ہو جاوے گا پھر نہ کسی ہم دردی کی ہم دردی کام آوے گی اور نہ کسی مسیحا کی مسیحائی ۔

اب تم آؤ اور مدرسۃ العلوم علی گڈھ کو دیکھو کہ وہ ان تمام باتوں پر غور کرکے قائم کیا گیا ہے ، جو مسلمانوں کے لیے ضرور ہیں اور جن کو میں نے ابھی بیان کیا ہے اور جن سے قوم قوم بن سکتی ہے ۔ تم مت سمجھو کہ میں کچھ شیخی کرنی چاهتا ہوں مگر سچ اور بالکل سچ اور نیک نیتی اور قومی بھلائی کی نظر سے کہتا ہوں کہ قوم کے معززین اور فیاض لوگوں کی اعانت سے اب وہ ایسی حالت پر پہنچ گیا ہے کہ اگر تم جا بجا اور متفرق مقامات میں کتنی ہی کوشش کرو ، اُس کے دسویں حصہ تک بھی کسی کالج یا اسکول یا بورڈنگ ہاؤس کو نہیں پہنچا سکتے ۔ جو سامان کہ ہماری قوم کی تعلیم و تربیت کے لیے درکار ہے بہت کچھ اس میں جمع ہو گیا ہے ۔ میں قبول کرتا ہوں کہ اُس میں کچھ نقصان بھی ہے اور بہت کچھ کرنے کو باقی ہے ۔ جس کے لیے زر کثیر کی حاجت ہے ۔ پس تم سب اپنی قوتوں کو ایک جگہ جمع

کرو اس میں جو نقص ہو اس کو دور کرو اور جو کچھ اس میں کرنا باقی ہے اس کے پورا کرنے کو سب متفق ہو کر اور قوتوں کو جمع کرکے روپیہ فراہم کرو۔ بھیک مانگ کر آپس میں چندہ کرکے جس طرح ہو سکے اُس کو مکمل کر دو۔

میں قبول کرتا ہوں کہ ایک علی گڈھ کا مدرسۃ العلوم تمام قوم کے لیے کافی نہیں ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو کام شروع ہو گیا ہے اور ایسے درجہ تک پہنچ گیا ہے جس کو دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ کیوں کر پہنچا۔ اول اس کو متفق ہو کر پورا کر دو اور اس کے بعد دوسرا شروع کر دو اور سب متفق ہو کر اُسے پورا کر دو اور پھر اسی طرح تیسرا شروع کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنی قوتوں کو متفرق رکھا تو کوئی ایک کام بھی پورا نہ ہوگا اور سب کے سب ناقص رہیں گے اور سب کے سب برباد و معدوم ہو جاویں گے۔

سچ ہے کہ مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لیے زر کثیر درکار ہے اور شاید اس کے خیال سے لوگوں کی ہمت پست ہو جاوے مگر در حقیقت یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر قوم متفق ہو اور اپنی قوتوں کو مجتمع کرے اور صحیح رستہ پر چلے تو ایسے ایسے دس کالج یکے بعد دیگرے قائم کر سکتی ہے پس اس تحریر سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تمام قوم متفق ہو کر اول مدرسۃ العلوم کو پورا پورا مکمل کر دے اس کے بعد دوسرے کام پر ہاتھ ڈالے۔

اس کی تدبیر اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنی تمام قوم سے اور اس کے ہر متنفس زن و مرد سے ایک ایک جَو کے برابر بھی چاندی ایض نورانی علیہ الرحمۃ تحصیل کریں تو کروڑوں روپیہ جمع کر سکتے ہیں اور قوم کی تمام حاجتوں کو پورا کر سکتے ہیں

پس میں کہتا ہوں :

چرا نستانم از ہر یک جوئے سیم
که گرد آید مرا فی الحال گنجے

ہاں جیسا یہ طریقہ آسان ہے اتنا ہی اس کا عمل درآمد ہونا نہایت مشکل ہے لیکن اگر قوم متفق ہو جاوے تو کچھ مشکل نہیں ۔ مثل مشہور ہے کہ مشکل کشا علیؓ سب مشکلوں کو آسان کر دیتے ہیں ؎

مشکلے نیست که آساں نشود
مرد باید که ہر اساں نه شود

ایک با ہمت شخص کا قول ہے کہ جب کوئی کام شروع کرو تو یقین کر لو کہ ”نا ممکن کوئی چیز نہیں ہے ۔“

پس اگر ہر شہر و قصبہ میں دو چار با ہمت شخص مستعد ہو جاویں جو ”بینی فیکٹر“ قوم کے ہوں اور ہر ایک مسلمان زن و مرد باشندۂ اس شہر و قصبہ سے شیئاً للہ یا شیئاً للقوم وصول کریں تو چند روز میں لاکھوں روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور مدرسۃ العلوم کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں ۔ پس خدا ہر شہر و قصبہ کے مسلمانوں کو ایسا کرنے کی توفیق دے ۔

ہیضہ کا علاج ہومیو پیتھک طریقہ سے

(سرسید کا ایک نایاب اور ناپید مضمون)

(اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ بابت ۱۸۶۸ء)

دنیا میں جس قدر مشاہیر گزرے ہیں وہ سب کے سب قریباً ایک ایک علم یا ایک ایک فن کے ماہر تھے - بہت ہی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مختلف علم و فنون میں یکساں مہارت رکھتے ہوں - سرسید موخر الذکر مشاہیر میں سے ایک نمایاں فرد تھے - ''آثار الصنادید'' کی تصنیف کے وقت وہ ایک ماہر آثار قدیمہ کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہوئے - سرکاری ملازمت کے ایام میں وہ ایک نہایت عادل ، منصف اور قانون سے واقف مجسٹریٹ کے روپ میں نظر آتے ہیں - قرآن کریم ، حدیث نبوی اور فقہ کی واقفیت میں وہ ایک عالم دین کی شان سے جلوہ گر ہوتے ہیں - تحقیق اور تنقید کے میدان میں وہ ایک بالغ نظر فلسفی معلوم ہوتے ہیں - وہ بیک وقت مصنف بھی تھے اور شاعر بھی - وہ مؤرخ بھی تھے اور تذکرہ نویس بھی وہ معلم الاخلاق بھی تھے اور مصلح قوم بھی - وہ اعلیٰ درجہ کے ادیب بھی تھے اور بلند پایہ خطیب بھی - آن کی سیاسی

حیثیت بھی مسلم تھی اور اُن کی لیڈرانہ شان بھی عیاں تھی۔ علی گڈھ کالج کی تعمیر کے وقت وہ ایک اعلیٰ درجہ کے انجنیئر معلوم ہوتے ہیں اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں ایک ماہر تعلیم کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں ۔ وہ بہت بڑے صحافی بھی تھے اور نہایت زود نویس مضمون نگار بھی ۔ چناں چہ وہ مختلف موضوعات اور مختلف عنوانات پر ٹھوس اور بہترین مضامین کا اس قدر عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں ۔ جو مجھ ناتواں اور ضعیف انسان سے سمیٹے نہیں سمٹتا ۔ نہ معلوم اُن کو مختلف النوع علمی مشاغل کی کثرت میں اتنے لمبے لمبے تحقیقی اور تنقیدی مضامین لکھنے کی فرصت کس طرح مل جاتی تھی ۔

سخت تعجب ہوتا ہے کہ اس قدر مختلف اور متضاد قابلیتیں سرسید میں کس طرح جمع ہو گئی تھیں ؟ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

من جملہ بہت سی مختلف لیاقتوں کے ہومیو پیتھک علاج کی جو اُس زمانہ میں نیا نیا ایجاد ہوا تھا ، واقفیت بھی سرسید میں حیرت انگیز تھی ۔ اس علم سے اُن کو دل چسپی بھی بہت تھی اور اس فن کی ترویج و اشاعت میں اُنھوں نے کوشش بھی بہت کی ۔ اس کی کیفیت مولانا حالی اپنی مشہور کتاب ”حیات جاوید“ میں اس طرح بیان کرتے ہیں :

”۱۵ اگست ۱۸۶۷ء کو سرسید عہدۂ جج سمال کاز کورٹ پر ترقی پا کر علی گڈھ سے بنارس چلے گئے ۔ غالباً

بنارس پہنچ کر اُن کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہومیو پیتھک علاج کے طریقے سے بہتر کوئی طریقہ علاج کا عمدہ اور بے خطر نہیں ہے اور جیسا کہ اُن کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جو کام یا جو بات یا جو تجویز ملک کے لیے مفید سمجھی، اُس کے پورا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے ۔ ہومیو پیتھک علاج کو مفید سمجھ کر اُنھوں نے اس کی بھی حمایت کرنے اور اسے تقویت دینے کا ارادہ کر لیا ۔ چناں چہ اسی ۱۸۶۷ء میں اُنھوں نے ایک کمیٹی قائم کی ۔ جس کا مقصد ہومیو پیتھک طبابت کا ہندوستان میں پھیلانا اور ہندوستانیوں کو اس کی طرف مائل کرنا تھا ۔

اس کمیٹی کے پریزیڈنٹ مہاراجہ بنارس اور سکریٹری سرسید قرار پائے اور کمیٹی کی تجویز سے ۲۵ ستمبر ۱۸۶۷ء کو بنارس میں ایک شفا خانہ بنام "ہومیو پیتھک ڈسپنسری اینڈ ہوسپٹل" کھولا گیا اور سرسید نے ہر طریقہ سے جو اُن کے اختیار میں تھا ۔ لوگوں کو اس ڈسپنسری کی طرف توجہ دلائی ۔ اُنھوں نے بعضے اپنے دوستوں کو جو کسی مرض مزمن میں مبتلا تھے ۔ بنارس بلانے کے لیے خط لکھے اور جو وہاں نہ پہنچ سکے اُن کے لیے دوائیں بھجوائیں ۔ اس طرح اس شفاخانہ کا چرچا چند دن میں دور و نزدیک ہو گیا ۔ انگریزی اخبار پایونیر الہ آباد کے پرچہ مورخہ ۴ دسمبر ۱۸۶۷ء میں اس شفا خانہ کی نسبت یہ چھپا تھا کہ "پہلے ہی مہینے میں ۵۱۶ بیمار معالجہ کے لیے ہوسپٹل میں آئے" حالاں کہ اس سے پہلے کوئی اس طریقہ علاج سے مطلق واقف نہ تھا ۔

۱۷ دسمبر ۱۸۶۷ء کو سرسید نے ایک طول طویل لکچر ھومیو پیتھک طبابت کی تاریخ اور اُس کے اصول پر اور اس بات پر کہ یہ طریقہ علاج تمام طریقوں سے زیادہ مفید اور بے خطر ہے - کمیٹی کے عام جلسے میں دیا اور ۱۸۶۸ء میں ایک رسالہ ھیضہ کے علاج پر بموجب اصول ھومیو پیتھک کے لکھا - یہ لکچر اور یہ رسالہ سوسائٹی اخبار کی جلدوں میں چھپا ھوا موجود ہے -" (حیات جاوید ، صفحہ ۱۹۱ ؛ - ۱۹۲)

ھومیو پیتھک طریق علاج کی تاریخ اور اُس کے فوائد پر جو لکچر سرسید نے ۱۸۶۷ء میں دیا تھا ، وہ میں مقالات سرسید کے بارھویں حصہ میں درج کر چکا ھوں - اس کے علاوہ ھومیو پیتھک طریقہ سے ھیضہ کے علاج پر جو مضمون سرسید نے اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ میں چھپوایا تھا - وہ عرصہ دراز کی تلاش کے بعد بھی مجھے نہیں مل سکا - خوش قسمتی سے پچھلے دنوں میرے نہایت ھی محترم بزرگ جناب مولانا محمد مقتدی خاں صاحب شروانی نے علی گڈھ سے مشتاق حسین صاحب کا مرتبہ مکاتیب سرسید کا ایک نسخہ مجھے بھجوایا - اُس کے مطالعہ سے معلوم ھوا کہ یہ مضمون رسالہ ھومیو پیتھک میگزین' لاھور میں بھی چھپا تھا اس پر میں نے اُس رسالہ کے ایڈیٹر صاحب کو خط لکھا کہ اگر رسالہ مذکور کا وہ پرچہ از راہ عنایت مرحمت فرماویں تو نقل کے بعد فوراً واپس کر دوں گا - وھاں سے جواب آیا کہ پرچہ نایاب ہے ، دیا نہیں جا سکتا - یہاں بیٹھ کر نقل کرلو - چناں چہ میں نے اپنے لڑکے

مبارک محمود کو بھیجا اور وہ نہایت احتیاط کے ساتھ سارے مضمون کی نقل کر لایا - یہی وہ مضمون ھے جو میں آج قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ھوں - اُمید ھے ناظرین اس سے عملی فائدہ بھی اٹھائیں گے اور سرسید کے ایک نایاب مضمون کی حیثیت سے اسے محفوظ بھی رکھیں گے - (محمد اسماعیل پانی پتی)

"دوا ذریعہ ھے اور خدا شفا دینے والا ھے"

"دنیا میں اس سے زیادہ سخت، تیز اور تھوڑی سی دیر میں ھلاک کرنے والا کوئی مرض نہیں ھے بعض دفعہ طبیب کو بلاتے بلاتے اور دوا لاتے لاتے مریض کا کام تمام ھو جاتا ھے - اکثر ایسا ھوتا ھے کہ اگر فی الفور اس کی روک تھام کی دوا نہ دی جائے تو چند لمحہ کی دیر میں یہ مرض ایسے درجہ تک پہنچ جاتا ھے کہ پھر لا علاج ھوتا ھے، یا نہایت مشکل میں پڑ جاتا ھے - پس سب سے بڑی تدبیر یہ ھے کہ اس مرض کے علاج میں جہاں تک ممکن ھو دیر نہ کی جاوے -

ان چند سطروں کے لکھنے سے ھمارا مطلب یہ ھے کہ لوگ اس مرض کے حالات سے اور تھوڑا بہت اس کے ابتدائے علاج سے اور ان دواؤں سے، جو فی الفور اس مہلک مرض میں بموجب علاج ھوسیوپیتھی کے دی جاتی ھیں، واقف ھو جائیں - تاکہ جب کسی کو یہ مرض لاحق ھو، فی الفور ان دواؤں کو جو بیان کی جاتی ھیں، استعمال کرے اور ان تدبیروں کو جو لکھی جاتی ھیں، عمل میں لاوے تاکہ علاج میں تاخیر ھونے کے سبب سے یہ مرض ایسے درجہ کو نہ پہنچ جاوے کہ لا علاج ھو جاوے، بلکہ اگر زیادہ مشکل اور سختی پیش آوے تو طبیب کے بلانے اور زیادہ موثر علاج کرنے کی بخوبی فرصت ملے -

هیضہ وبائی کے شروع ہونے کے سبب

جس مطلب سے کہ ہم یہ چند سطریں لکھتے ہیں اس کے لیے ہیضہ وبائی کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے اور نہ چند سطروں میں وہ بحث ختم ہو سکتی ہے ۔ مگر غالباً باعث ہیضہ وبائی کا ہوا کی برقی حالت میں ایسا تغیر آ جانا ہے جس سے ہیضہ وبائی پیدا ہوتا ہے ۔ ہوا کی برقی حالت میں تغیر ہو جانے کے بہت سے سبب ہوتے ہیں ۔ کبھی کثرت امراض معتدبہ کی اور کبھی صعود آبخروں کا جو گندی اور سڑی ہوئی بدبو دار چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی بکثرت ایک جگہ آدمیوں کا جمع ہونا اس کے سبب ہوتے ہیں ۔ اولاً یہ حالت متغیرہ ایک جگہ پیدا ہوتی ہے اور جس طرف ہوا جاتی ہے اس طرف پھیلتی جاتی ہے اور جب ہوا ٹھہری ہوئی ہوتی ہے تو وہ ایک ہی ضلع یا شہر میں رہ جاتی ہے اور جس جگہ سے وہ ہوا نکل جاتی ہے وہاں وبا نہیں رہتی ۔ یہی سبب ہے کہ ایک محلہ یا شہر یا ضلع میں ہیضہ شروع ہوتا ہے اور دور دور تک پھیلتا جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شہر کے ایک محلے میں شروع ہوتا ہے اور دوسرے محلہ سے نکلا چلا جاتا ہے اور باقی محلے اس سے محفوظ رہتے ہیں ۔ انھی سببوں سے ہم یہ بات سنتے ہیں کہ آج ہیضہ فلاں محلہ میں ہے اور کل فلاں محلہ میں اور آج فلاں شہر یا گاؤں میں ہے، اور کل فلاں شہر یا گاؤں میں اور ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا وبائی ہیضہ منزل بہ منزل اور کوچ بہ کوچ چلا آتا ہے ۔

ہیضے سے محفوظ رہنے کی تدبیریں

جب ہیضہ پھیل رہا ہو تو پیٹ کو سردی سے بچانا چاہیے ۔

فلالین کی ایک پیٹی یا پیٹی دافع ھیضہ پیٹ پر لپیٹے رکھنی چاھیے۔ پیٹی دافع ھیضہ میں تانبے کا پترہ لگا ھوتا ھے جس سے تمام پیٹ ڈھکا رھتا ھے -

سردی سے اپنے تئیں بچانا چاھیے اور برسات اور جاڑے کے موسم میں اگر ھوا میں سردی یا رطوبت ھو تو مکان میں آگ جلانی چاھیے -

مکان کو اندر سے اور چاروں طرف سے صاف رکھنا چاھیے تاکہ ھوا صاف رھے اور تغیر قبول نہ کرے -

ھر روز موریوں اور پاخانوں میں اور جہاں پیشاب کرنے کی جگہ ھو تھوڑا سا کلورائڈ آف لائم (Chloride of Lime) یا کنسن ٹریٹڈ سلوشن آف لائم (Cencentrated Solution of Lime) ڈالنا چاھیے -

چونا جو پان میں کھایا جاتا ھے وہ بھی اس کام میں آ سکتا ھے - بن بجھا چونا پاخانوں کی کھڈیوں میں اور موریوں میں چھلنی سے ھر روز چھان دینا چاھیے اور جو لمبی لمبی پٹی ھوئی موریاں ھیں ، ان میں چونے کو پانی میں گھول کر بہا دینا چاھیے - زمین پر ھرگز سڑنا نہ چاھیے -

اگر بدن سرد معلوم ھو تو فی الفور رومال یا فلالین سے رگڑ کر گرم کر لینا چاھیے -

غذا میں بہت احتیاط کرنی چاھیے

دیر ھضم اور بہت قوی گوشت اور نہایت عمدہ اور امیرانہ غذا اور کچے پھل اور ساگ پات اور اقسام کے بقولات اور کھیرے ککڑی اور تربوز ھرگز نہ کھانا چاھیے -

غذا نہایت اعتدلال سے ھمیشہ کسی قدر بھوک رکھ کر کھانی چاھیے -

اگر طبیعت پرستی اور کمزوری معلوم ہو تو جو لوگ شراب پیتے ہیں ایک چمچہ برانڈی شراب کا استعمال کریں لیکن اگر حرارت یا بخار معلوم ہو تو اس کا استعمال نہ کرنا چاہیے۔

سوکھا یا باسی یا سڑا ہوا گوشت یا ایسے جانوروں کا گوشت جس میں بہ شدت بساند ہوتی ہو، ہرگز نہ کھانا چاہیے۔

پانی کو کوئلہ اور ریت سے چار گھڑوں کو اوپر تلے رکھ کر جیسا کہ سب جانتے ہیں، چھان کر پینا چاہیے۔ پانی چھاننے کی ایک نہایت عمدہ انگریزی کل ہے اس میں اوپر تلے کوئلہ وغیرہ کی تہہ بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے اوپر کے خانے میں پانی بھر دیتے اور خود سب سے نیچے کے خانے میں پانی چھن کر آ جاتا ہے اس کا نام کاربن فلٹر (Carbon Filter) ہے۔ بیس روپے سے سو ڈیڑھ سو تک کو آتی ہے۔ جو لوگ امیر ہیں وہ اس کل کو خرید کر ہمیشہ چھنا ہوا پانی پی سکتے ہیں۔

تانبا ہیضے سے محفوظ رہنے کے لیے نہایت عمدہ چیز ہے۔ یہ بات کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ جو ہیضہ پھیلا تو جو لوگ تانبے کے کارخانوں میں کام کرتے تھے وہ لوگ ہیضہ سے بالکل محفوظ رہے۔ اس لیے گلے میں تانبے کی تختی بطور تعویز کے ڈال دینی مفید ہے۔

جس مقام پر ہیضہ وبائی کی کثرت ہو وہاں ان لوگوں کو جو صحیح اور تندرست ہیں اور اپنی معمولی عادتوں کے موافق رہتے ہیں، یہ بات مناسب ہے کہ صبح کو ایک دن ٹنکچر آف کیوپرم (Tincture of Cuprum) اور دوسرے دن ٹنکچر آف وریٹرم (Tincture of Veratrum) کی چوتھائی بوند سے ایک بوند تک کھا لیا کریں۔ تیسرے دن کچھ نہ کھاویں۔ چوتھے دن ٹنکچر آف وریٹرم اور پانچویں دن ٹنکچر آف کیوپرم کھاویں۔ چھٹے ساتویں دن

کچھ نہ کھاویں ، آٹھویں دن پھر ٹنکچر آف کیوپرم اور نویں دن ٹنکچر آف وریٹرم کھاویں - دسویں گیارویں دن کچھ نہ کھاویں بارھویں دن ٹنکچر آف وریٹرم اور تیرھویں دن ٹنکچر آف کیوپرم کھاویں - پھر چھ سات دن تک کچھ نہ کھاویں - سات دن بعد ٹنکچر آف کیوپرم اور پھر ساتویں دن ٹنکچر آف وریٹرم کھاویں اور جب تک ہیضے کا زور رہے سات سات دن پر باری باری سے یہ دوا کھاتے رہیں اور اگر چاہیں تو ان دواؤں کے بدلے ہر روز ایک بوند سے پانچ بوند تک ٹنکچر آف کیمفر (Tincture of Camphor) کھا لیا کریں ہیضہ کی بہت شدت میں ٹنکچر آف کیمفر کو صحیح تندرست آدمی دن میں کئی دفعہ استعمال کر سکتے ھیں - اگر یہ دوائیں نہ ہوں تو ایک رتی سے پانچ رتی تک بقدر عمر و طاقت آدمی کے کچا کافور ہر روز کھا لینا بھی ہیضہ سے محفوظ رکھتا ہے - کافور کی ڈبی ہر وقت ساتھ رکھنی اور کبھی کبھی اس کو سونگھ لینا بھی ہیضہ سے محفوظ رہنے کو نہایت مفید ہے ، مگر جب ان دواؤں کا استعمال کریں تو گرم مصالحوں سے اور خوش بو دار چیزوں سے اور ساگ پات کھانے اور قہوہ اور چائے اور شراب پینے سے اور دانتوں میں ایسا منجن ملنے سے جس میں دوائیں پڑی ہوں پرہیز کریں -

ہیضہ وبائی کی علامت

اسہال ابتدائی : جب ہیضہ پھیلا ہوا ہوتا ہے تو بعض دفعہ ہیضہ کے پہلے ایک قسم کے صفراوی دست آتے ھیں اور سبزی یا زردی مائل ہوتے ھیں وہ دست ہیضہ کے تو نہیں ہوتے لیکن اگر بند نہ ہوں تو انھی دستوں سے ہیضہ لاحق ہوتا ہے اور اسی لیے ان کو اسہال ابتدائی یعنی ہیضہ کے پہلے دست کہتے ھیں مگر چوں کہ ان دستوں کا عام دستوں سے پہچاننا اور خصوصاً

ہیضہ کے موسم میں نہایت مشکل ہے ۔ اس لیے ان کو سہل نہ سمجھنا چاہیے ۔ اس کا علاج ہم آگے بیان کریں گے ۔

خاص ہیضے کی علامتیں : جس کسی کو ہیضہ کی بیماری ہوتی ہے تو پہلا درجہ اس کا یہ ہے کہ وہ یکایک گر پڑتا ہے اور سرد ہو جاتا ہے ، ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے ہو جاتے ہیں ، چہرے کا رنگ زرد اور کبھی سیسہ کی مانند ہو جاتا ہے اور ناخن نیلے پڑ جاتے ہیں ، آنکھیں بیٹھ جاتی ہیں اور ان کے گرد نیلے یا کالے حلقے پڑ جاتے ہیں ۔ ہاتھ پاؤں اور ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں سکڑ جاتی ہیں اور ان کی رگیں تن جاتی ہیں ، نبض نہیں معلوم دیتی ، بدن ٹھنڈا اور پوست سخت ہو جاتا ہے ، بدن کا چمڑا نم دار چمڑے کے مانند ہوتا ہے ، سانس بھی ٹھنڈی آتی ہے اور زبان اور منہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے ۔ صورت ایسی بدل جاتی ہے کہ دیکھا بھالا آدمی پہچانا نہیں جاتا ۔

پھر دوسرے درجہ میں اکثر دست اور قے شروع ہوتی ہے اور بہت بڑے بڑے دست و قے آتے ہیں ۔ بعض دفعہ چاولوں کی پتلی پیچ کی صورت کے دست ہوتے ہیں اور کبھی پچکاری کی طرح زور سے دست و قے نکلتی ہے اور بعض دفعہ دھار باندھ کر آہستہ سے ۔ تمام بدن کی رگیں تن جاتی ہیں ، اینٹھن اور تشنج معلوم ہوتا ہے ، بدن ٹوٹنے لگتا ہے ، پیشاب بند ہو جاتا ہے ، پیاس کی شدت ہوتی ہے اور آواز ایک عجیب قسم کی دھنسی ہوئی ہوتی ہے ، جیسے کوئی کنوئیں میں بولتا ہے ۔ جب آرام آنے لگتا ہے تو آہستہ آہستہ پھر گرمی آنے لگتی ہے اور دست اور قے بند ہو جاتی ہے اور دستوں کی رنگت بدل جاتی ہے اور پیشاب کھل جاتا ہے ، مگر ابھی تک اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ ہیضہ تیسرے درجہ تک نہ پہنچ جاوے ۔

تیسرے درجہ میں ایک قسم کا بخار لاحق ہوتا ہے جس کو ٹائی فائڈ کہتے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے والا بخار، لیکن ہومیوپیتھی کے قاعدہ پر علاج کرنے میں تیسرے درجے تک ہیضہ کے پہنچنے کا بہت ہی کم اندیشہ ہوتا ہے۔

یہ کم بخت بیماری ایسی سخت ہے کہ بعض دفعہ لاحق ہوتے ہی پہلے ہی درجہ میں جان نکل جاتی ہے اور کبھی دوسرے درجہ تک نوبت پہنچتی ہے اور بدن کی رطوبت نکل جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور کبھی تیسرے درجہ تک نوبت پہنچتی ہے اور بخار آ کر آدمی مر جاتا ہے۔

مرتے دم تک آدمی کے ہوش درست رہتے ہیں مگر دل میں خوف اور مزاج میں تشویش اور فکر اور مرنے کا ہول ہوتا ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ جیسے کوئی کسی بات، سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ موت کسی سے نہیں رکتی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ ہومیوپیتھی کے قاعدہ کے مطابق علاج کرنے میں بہ نسبت اور طرح کے علاجوں کے زیادہ آدمی صحت پاتے ہیں اگر اور طرح کے علاج میں آدھے آدمی یا اس سے زیادہ مرتے ہیں تو ہومیوپیتھی کے قاعدہ پر علاج کرنے میں چوتھائی بلکہ چوتھائی سے بھی کم مرتے ہیں۔

طریقِ علاج

علاج اسہال ابتدائی: جب کسی شخص کو اس قسم کے دست آویں اور کوئی علامتیں خاص ہیضے کی نہ ہوں، تو اول دست آنے کا سبب خیال کرنا چاہیے۔ اگر بد ہضمی اور

غذا کے ثقیل کھانے کے سبب ہوں توں ٹنکچر آف پلسیٹلا (Tincture of Pulsatilla) کا اور اگر کسی قسم کا میوہ کھانے سے دست آتے ہوں تو ٹنکچر آف آرسینیکم (Tincture of Arsenicum) کا اور اگر غصہ اور غصہ میں رنج اٹھانے کے سبب سے ہوں تو ٹنکچر آف کموملا (Tincture of Chamomilla) کا اور اگر رات کے جاگنے یا کسی نشہ آور چیز کے پینے کے سبب ہوں تو ٹنکچر آف نیکس وامیکا (Tincture of Nex Vomica) اور اگر کسی غم کے سبب آتے ہوں تو ٹنکچر آف اگنیشیا (Tincture of Ignatia) اور اگر اس قسم کے رنج سے ہوں جو رنج ہتک عزت ہوجانے سے ہوتا ہے تو فاسفورک ایسڈ (Phosphoric Acid) کا استعمال کرنا چاہیے -

اگر یہ دوائیں فائدہ نہ دے ویں تو ٹنکچر آف مرکیوریس کروسیو تھرڈ ڈلوشن (Tincture of Mercurius Corrosive 3d Dilution) دینا چاہیے اور جب اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو یوں تصور کرنا چاہیے کہ اب اسہال ابتدائی نہیں رہا بلکہ ہیضہ شروع ہو گیا - پس خاص ہیضہ کا علاج کرنا چاہیے -

ہیضہ کا خاص علاج

۱- بہ مجرد لاحق ہونے کے ہیضہ کے مریض کو پلنگ پر لیٹ جانا اور بدن پر کمبل یا لوئی یا طوس لپیٹ دینا چاہیے اور فی الفور ٹنکچر آف کیمفر (Tincture of Camphor) دیا جائے اور پانچ پانچ منٹ یا دس دس منٹ کے فاصلے پر اس دوا کو برابر دیتے رہیں اگر بیماری گھٹنے لگے اور اس دوا سے دو تین چار گھنٹے بعد بخار آ جائے اور پسینہ آنے لگے تو یہ علامتیں صحت کی ہیں اور ضرور آرام ہونے کی توقع ہے -

۲- اگر یہی دوا اسہال ابتدائی میں بھی شروع ھی سے دی جائے تو بجز اس کے کہ بخار کی شدت ہو جانے کا شبہ ھے اور کسی چیز کا اندیشہ نہیں بلکہ اس اسہال کو بھی اور اگر ھیضہ کے دست ھوں تو ان کو بھی یہ دوا نہایت مفید ھے -

۳- صحت کی علامتیں جو اوپر بیان ھوئیں ان کے ظاھر ھونے کے بعد تھوڑا تھوڑا سا ٹھنڈا پانی یا برف کا ٹھنڈا کیا ھوا پانی دینا چاھیے - جب بخار جاتا رھے ، یخنی یا سوجی یا روہ کا حریرہ جس میں گھی یا تیز مٹھاس نہ ھو بہ طور غذا کے دینا چاھیے -

۴- اس دوا کے پے در پے پینے سے کبھی کبھی چونک اٹھنا اور زیادہ پسینہ آنا اور معدہ میں سوزش اور سستی اور کم زوری اور ھاتھ پاؤں کا سن ھونا زیادہ محسوس ھوتا ھے - ان کے دفعیہ کے لیے ٹنکچر آف کافی (Tincture of Coffea) یا ٹنکچر آف اوپیم (Tincture of Opium) دینا چاھیے - اگر یہ دوائیں نہ ھوں تو بھنی ھوئی بن کو کوٹ کر اور جوش دے کر اس کا ایک چمچہ پلا دیا جائے یا منمنہ برابر افیون کھلا دینی چاھیے -

۵- اگر ٹنکچر آف کیمفر کے دینے سے قے اور دست بند نہ ھوں تو دس دس منٹ پر یا پاؤ پاؤ گھنٹہ پر باری باری ٹنکچرآف آرسینیکم (Tincture of Arsenicum) اور ٹنکچرآف ویریٹرم (Tincture of Veratrum) دینا چاھیے ، یعنی ایک دفعہ آرسینیکم دیں اور دس منٹ بعد ویریٹرم اور پھر دس منٹ بعد آرسینیکم اور اسی طرح باری باری دیتے رھیں -

۶- اگر بیماری میں اعضا شکنی اور تشنج بہ نسبت دست اور قے کے زیادہ ھوں تو بجائے آرسینیکم کے ٹنکچر آف کیوپرم اسیٹیکم (Tincture of Cuprum Aceticum) اسی طرح باری باری دینا چاھیے -

۷- اگر دستوں کے بہ نسبت قے زیادہ ہوتی ہو تو ٹنکچر آف اپیکاک (Tincture of Ipecac) دینا چاہیے -

۸- بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک دو دست آتے ہیں تو برا حال ہو جاتا ہے اور نبض جاتی رہتی ہے یعنی اس کی حرکت نہیں معلوم ہوتی - ایسی حالت میں فی الفور ہائڈروسیانک ایسڈ (Hydrocyanic Acid) دس دس پندرہ پندرہ منٹ پر دینا چاہیے -

۹- اس دوا کے دینے سے اگر دست اور اینٹھن دفعۃً بند ہو جائے اور قے بھی کم ہو جاوے اور تنفس ہونے لگے یا سانس رک کر آنے لگے اور بدن ٹھنڈا پڑ جاوے اور نبض بھی جاتی رہے تو اسی دوا کو دو تین مرتبہ دیے جاویں کہ اسی سے دست جاری ہو جاویں گے اور یہ علامت صحت ہونے کی ہے، مگر جب دست جاری ہو جاویں تو پھر دست اور قے بند کرنے کے لیے ٹنکچر آف وریٹرم (Tincture of Veratrum) دینا چاہیے -

۱۰- اگر مرض میں زیادتی ہوتی جاوے، علامت روی بڑھتے جاویں اور مریض نچڑ جاوے اور بدحواس ہونے لگے اور بدن کا ناخنوں کا رنگ زیادہ نیلا ہو جاوے اور بدن زیادہ سرد معلوم ہونے لگے تو ٹنکچر آف وریٹرم (Tincture of Veratrum) اور ٹنکچر آف کاربو ویجی ٹیبلس (Tincture of Carbo Vegetabilis) باری باری سے دینا چاہیے -

اگر دیکھیں کہ بیماری اچھی ہوتی جاتی ہے اور چہرے کا رنگ درست ہوتا جاتا ہے اور بدن پر گرمی آتی جاتی ہے اور اعضاء شکنی اور تشنج موقوف ہوتا جاتا ہے اور آواز بھی اصلی حالت پر آتی جاتی ہے اور نبض بھی معلوم ہوتی ہے اور سانس میں بھی گرمی آتی جاتی ہے اور پاخانہ کی صورت بھی بدلتی جاتی ہے اور پیشاب بھی ہوتا ہے اور طبیعت پر جو سوچ اور فکر تھا

اور دل غوطہ میں پڑا جاتا تھا وہ بھی کم ہوتا جاتا ہے، تو یہ سب علامتیں صحت کی ہیں تو ایسی صورت میں دوا بیس منٹ بعد پھر آدھ گھنٹہ بعد پھر ایک گھنٹہ بعد پھر دو گھنٹے بعد دینی چاہیے، مگر جب تک دست و قے بند نہ ہو جاویں اور پیشاب نہ آوے سوائے ٹھنڈے پانی کے کوئی غذا نہ دینی چاہیے۔

۱۱۔ اگر اصل بیماری میں آرام ہو مگر تمام بدن میں اینٹھن معلوم ہو تو سکیل کارنیوٹم (Secale Cornutum) دینا چاہیے۔

۱۲۔ اگر قے میں یا دستوں میں کوئی کیچوا نکلے یا چہرہ تمتماتا ہو اور آنکھیں چڑھی ہوئی اور آلٹی اور سرخ ہوئی ہوں اور ابکائی آتی ہوں اور منہ سے پانی یا رال بہتی ہو، زیر ناف درد رہتا ہو، گلے میں رکاوٹ معلوم ہوتی ہو یا سوزش اور پیاس اور طبیعت پر انتشار اور بے چینی ہو، آنکھیں بیٹھی ہوئی معلوم ہوں، چھاتی میں اور پیٹ میں سوزش معلوم ہو تو ٹنکچر آف آرسینیکم (Tincture of Arsanicum) کھلانا چاہیے۔

۱۳۔ اگر آنکھیں سرخ ہو جاویں اور سرسام کی علامتیں معلوم ہوں اور دم رک رک کر آتا ہو تو ٹنکچر آف لاروسیریسس (Tincture of Laurocerasus) دینا چاہیے۔

۱۴۔ اگر پسینہ بہت زیادہ آوے جس سے مریض ضعیف ہو جاوے اور نبض جاتی رہے تو ٹنکچر آف کاربو ویجی ٹیبلس (Tincture of Carbo Vegetabilis) چوتھائی بوند سے ایک بوند تک بہ لحاظ زیادہ اور کمی مرض کے دس دس پندرہ پندرہ منٹ کے فاصلے پر دینا چاہیے۔

۱۵۔ اگر پیشاب نہ ہو یا قطرہ قطرہ سوزش سے آتا ہو اور ناف کے نیچے پیڑو میں درد ہو تو ٹنکچر آف کنتھریس (Tincture of Cantharis) دینا چاہیے۔

۱۶- اگر اس دوا سے ھچکی کو کچھ فاعدہ نہ ہو تو ٹنکچر آف کریوسوٹ (Tincture of Kerosote) دینا چاھیے -

۱۷- اگر دست اور قے کے بعد کیفیت بخار کی ہو، خواہ پہلے ھی سے دست اور قے کے ساتھ جسم میں حرارت ھو تو ٹنکچر آف ایکونائٹ (Tincture of Aconite) دینا چاھیے -

۱۸- اگر مریض کو سرسام لاحق ھو، آنکھیں سرخ ھو جاویں اور بے ھوش ھو اور ھذیان بکنے لگے تو ٹنکچر آف بیلاڈونا (Tincture of Belladonna) دینا چاھیے -

۱۹- اگر چھاتی پر خون جم کر چھاتی بھاری معلوم ھونے لگے تو ٹنکچر آف فاسفورس دینا چاھیے -

۲۰- اگر حرکت کرنے سے چھاتی میں درد معلوم ھوتا ھو تو ٹنکچر آف برائی اونیا (Tincture of Bryonia) دینا چاھیے -

۲۱- اگر باوصف جاتے رھنے ھیضے کے علامتوں کے معدہ درست نہ ھو، پیڑو یا ناف کے نیچے سختی ھو تو اس کے لیے بھی وھی دوا مفید ھے -

۲۲- اگر ھیضہ کی علامتیں سب جاتی رھیں اور نقاھت اور بخار جو ھمیشہ چڑھا رھے اور جس کو ٹائی فائڈ کہتے ھیں - معلوم ھو تو ٹنکچر آف برائی اونیا (Tincture of Bryonia) اور ٹنکچر آف رسٹوکس (Tincture of Rhustox) باری باری سے ایک ایک یا دو دو گھنٹہ کے بعد دیا جاوے -

۲۳- اگر نیند نہ آئے اور بچھونے پر سے بے قراری کے سبب اٹھ اٹھ بیٹھے تو ٹنکچر آف ھیوسیامس (Tincture of Hyoscyamus) دینا چاھیے -

۲۴- بعض دفعہ ایسی حالت ھو جاتی ھے کہ آدمی بے قراری سے بچھونے پر سے اٹھ کر دوڑنا چاھتا ھے اور کاٹنے کو دوڑتا ھے

اور اسی قسم کی حرکتیں کرنے لگتا ہے ایسی حالت میں ٹنکچر آف اسٹرمونیم (Tincture of Stramonium) دینا چاہیے ۔

۲۵- اگر دست نہ ہونے کے سبب سے پیٹ میں نفخ یا قراقر ہو یا دست کے بعد بھی نفخ معلوم ہو تو ٹنکچر آف کیپسیکم (Tincture of Capcicum) کا استعمال کرنا چاہیے ۔

۲۶- اگر ہیضہ سے اچھا ہو جانے کے بعد نقاہت رہے اور دست پتلا آوے یا غذا بغیر تحلیل کے نکلے تو ٹنکچر آف چینا (Tincture of China) دینا چاہیے ۔

۲۷- اگر سدے پڑ جاویں اور دست بے خبر نکل جاوے تو فاسفورک ایسڈ (Phosporic Acid) دینا چاہیے۔

نتیجہ

۲۸- ٹنکچر آف کیمفر Tincture of Camphor نہایت عمدہ چیز ہے اگر یہ سب دوائیں کہ جن کا ذکر اوپر ہوا ، موجود نہ ہوں تو صرف Tincture of Camphor کے استعمال کرنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے ۔ ہر شخص کو ایک یا دو شیشی اس کی اپنے پاس رکھنی چاہیے ۔

۲۹- یہ بھی خیال رہے کہ اگر ہیضہ میں قبل استعمال کرنے ہومیوپیتھی دواؤں کے اور کوئی دوا کھائی ہو تو سب سے پہلے دو تین دفعہ پانچ پانچ منٹ کے فاصلہ سے ٹنکچر آف کیمفر (Tincture of Camphor) کھلا دینا چاہیے اور بعد اس کے بہ حسب حال مریض کے ہومیوپیتھی دواؤں کا جن کا بیان اوپر ہوا استعمال کرنا چاہیے ۔

۳۰- اگر شروع ہی سے علامتیں ہیضہ کی معلوم ہوں اور ہیضہ کا ہونا بہ سبب بد ہضمی کے ہو تو اول گرم پانی سے قے

کروانا چاهیے اور جب معدہ صاف هو جاوے تو دس دس منٹ کے فاصلہ پر سب سے اول ٹنکچر آف اپیکاکیوانا (Tincture of Ipecacuanha) دینا چاهیے۔ اگر اس سے دست و قے بند نہ هوں تو جس طرح کہ اوپر بیان هوا هیضہ کا علاج کرنا چاهیے۔

۱۳- خدا سے امید هے کہ انهیں تدبیروں سے شفا هو جاوے گی۔ اگر ان تدبیروں سے بهی صحت نہ هو یا هیضہ رفع هونے کے بعد کسی قسم کا مرض محسوس هو تو علاج کے لیے کسی هومیوپیتهی حکیم سے رجوع کرنی چاهیے۔ ان چند سطروں میں وہ سب علاج بیان نہیں هو سکتے۔ اس جگہ صرف هیضہ کے اس طرح علاجوں کا بیان کرنا مقصود هے جو فی الفور کیے جاویں اور علاج میں تاخیر هونے کے سبب کچھ نقصان نہ پہنچنے پاوے۔

تدابیر خارجہ

جب کسی کو هیضہ هو تو اس کو کپڑے کے اوڑهنے بچهونے میں لپٹانا نہ چاهیے۔ اونی اوڑهنے بچهونے میں مثل کمبل یا لوئی یا طوس کے رکهنا چاهیے اور جہاں تک ممکن هو مکان کی هوا صاف رکهی جاوے اور کوٹهڑیوں اور آمد و رفت کے راستوں میں کانڈیز فلوئیڈ (Condy's Fluid) یا کاربولک ایسڈ (Carbolic Acid) چهڑکنا چاهیے اور پیشاب کرنے کے مقاموں اور پاخانوں میں کلورائڈ آف لائم (Chloride of Lime) یا چونا یا چونے کا پانی ڈالنا چاهیے۔ مکان کے دروازے کهول دیے جاویں اگر برسات کا موسم هو تو مکان کی تاریک کوٹهڑیوں میں یا تہ خانوں میں جہاں خراب هوا گهستی رهتی هے، آگ جلا دینی چاهیے۔ اور بیمار جس چیز میں پیشاب یا پاخانہ کرے اس میں

کانڈیزفلوئڈ (Condy's Fluid) یا کاربولک ایسڈ (Carbolic Acid) پڑا ہوا ہو اور فی الفور اس برتن کو اس مکان سے باہر لے جانا چاہیے - برف موجود رہے اور بیمار کو برف کے ٹکڑے منہ میں رکھنے کو دیتے جاویں اور برف کا ٹھنڈا پانی تھوڑا تھوڑا پیاس بجھانے کو دینا چاہیے - اور ہاتھ پاؤں کو برف کے پانی سے مل کر ملا لیں یا اور کوئی اونی کپڑا لپیٹ دینا چاہیے آگ سے سینک کر فلالین پیٹ پر رکھنی چاہیے اور جہاں جہاں اینٹھن ہو ، ان مقاموں پر گرم پانی کی بھری ہوئی بوتل سے یا گرم اینٹ سے اور سیلفیٹ آف کاپر (Sulphate of Copper) یعنی نیلا تھوتھا گرم پانی میں گھول کر پیٹ اور ریڑھ کی ہڈی کو سینکنا چاہیے -

پیشاب بند ہو اور پیڑو میں درد ہو تو ٹھنڈے پانی سے کپڑا بھگو کر پیڑو پر اور زیر سے ناف رکھنا اور چار چار منٹ بعد بدلنا چاہیے -

سرسام کی حالت میں سر کے بالوں کو کتروانا یا منڈوا ڈالنا چاہیے -

جو لوگ افیم کھانے کی عادت رکھتے ہیں ان کو آدھی خوراک افیم ٹنکچر آف ایکسٹریکٹ آف کافی (Tincture of Extract of Coffee) میں ملا کر دینی چاہیے -

اگر دوا گلے سے نیچے نہ اترتی ہو تو ٹنکچر آف بیلاڈونا (Tincture of Belladonna) ، ٹنکچر آف کیمفر (Tincture of Camphor) سونگھنا چاہیے - اس کی بُو سے تھوڑی دیر میں دوا گلے سے اترنے لگے گی -

اطلاع

یہ دوائیں ہم بھی منگوا کر دے سکتے ہیں اور کلکتہ سے مندرجہ ذیل پتہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں -

Messrs. BERIGNY & Co.
No. 12, Lall Bazar,
CALCUTTA.

دواؤں کے نام جو اس مرض میں کام آتی ہیں -

1. Tincture of Pulsatilla.
2. Tincture of Arsenicum.
3. Tincture of Chamomilla.
4. Tincture of Nux Vomica.
5. Tincture of Ignatia.
6. Phosphoric Acid.
7. Tincture of Mercurius Corros 3 Dec. Dilution.
8. Tincture of Camphor.
9. Tincture of Coffea.
10. Tincture of Veratrum.
11. Tincture of Cuprum Aceticum.
12. Tincture of Opium.
13. Tincture of Corbo Vegetabilis.
14. Ipecacuanaha.
15. Hydrocyanic Acid.
16. Secale Cornutum Jart.
17. Cicuta Virosa.
18. Laurocerasus.
19. Cantharis.
20. Antimonium.
21. Kreasote.
22. Aconite.
23. Belladonna.
24. Phosphorus.
25. Bryonia.
26. Hyosiamus.

27. Stramonium.
28. Capsicum.
29. China.
30. Extract Coffea.
31. Spirit Nitre Dulc.

وہ دوائیں جو خارجیہ تدابیر میں کام آتی ہیں :

1. Condy's Fluid..
2. Carbolic Acid.
3. Chloride of Lime.
4. Consentrated Solution of Chloride of Lime.
5. Sulphate of Copper.
6. Acetic Acid.
7. Vinegar.

دوا دینے کا طریقہ

جس قدر دوائیں کھلانے کی اس رسالے میں بیان ہوئی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں ، ایک تو صرف عرق ہوتا ہے اور شیشیوں میں بھرا ہوا ہوتا ہے - سب کی صورت سفید نتھرے ہوئے پانی کی ہوتی ہے اور شیشیوں پر نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں اگر نام مٹ جاویں یا پرچے آکھڑ جاویں تو پھر پہچان کرنے میں نہیں آتی -

دوسری انھیں دواؤں کی گولیاں ایک خاص قسم کی مصری میں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور شیشیوں میں رہتی ہیں ، چھوٹی گولیاں بھی ہوتی ہیں اور بڑی گولیاں بھی ہوتی ہیں - ان سب کی صورت بھی ایک سی ہوتی ہے اور شیشیوں پر نام لکھے رہتے ہیں -

مگر ٹنکچر آف کیمفر کی گولیاں نہیں ہوتیں اس کا صرف عرق ہی ہوتا ہے -

ان دواؤں کو بڑی احتیاط چاھیے ، روشنی اور گرمی اور

دھوپ ان دواؤں کی تاثیر کھو دیتی ھے - پس چاھیے کہ ان دواؤں کے صندوقچے کو فلالین یا بنات میں لپیٹ کر ٹھنڈی کوٹھڑی میں جہاں ٹھنڈک تو ھو ، مگر سیل نہ ھو ، بہت احتیاط سے رکھیں -

کافور اور ٹنکچر آف کیمفر (Tincture of Camphor) ان دواؤں کا اثر بالکل کھو دینے والا ھے - اس لیے کافور ان کے پاس نہ رھے اور ٹنکچر آف کیمفر علیحدہ صندوقچہ میں اور ان دواؤں سے الگ رکھا جاوے -

دواؤں کو جب استعمال کے لیے نکالیں تو دھوپ سے اور دن کی روشنی سے حتی المقدور محفوظ رکھیں -

ایک دوا جب دے چکیں اور دوسری دوا دینے کی ضرورت ھو تو دوسرے چمچہ یا چینی یا کانچ کے دوسرے برتن میں دیں - جس برتن میں یا چمچہ میں ایک دوا بنائی ھو ، دوسری دوا اس میں نہ بنائیں نہ اس سے پلاویں کیوں کہ ایک دوا دوسری دوا کے اثر کو کھو دیتی ھے -

جتنی دوائیں کھانے کی اس رسالے میں مذکور ھوئی ھیں ان کی مقدار ایک دفعہ کھلانے کے لیے چوتھائی بوند سے چار بوند تک ھے - بقدر عمر و طاقت آدمی کے شدت مرض کے اس کی تعداد مقرر کرنی چاھیے - مگر خیال رھے کہ دفعةً کسی کو چار بوند دی جاوے بلکہ اگر زیادہ دینے کی ضرورت ھو تو جو مقدار ثابت رھنے کی ھے وھاں تک ھر دفعہ میں بڑھاتا جاوے ، مگر ٹنکچر آف کیمفر (Tincture of Camphor) زیادہ مقدار سے دیا جاتا ھے - اس کی مقدار پندرہ بوند تک دینے کی ھے -

گولیاں جو چھوٹی ھیں وہ آدھی گولی سے دو تین گولی تک اور جو بڑی ھیں وہ ایک گولی تک دی جاتی ھیں - گولی کو نکالنے میں حتی المقدور ھاتھ نہ لگاویں - کسی موچنا یا چمچہ یا

چپٹی سلائی سے الگ نکالیں ۔

مگر چھوٹی عمر کے بچوں کی دوا کی مقدار کا یعنی قدر شربت کا یہ قاعدہ ہے کہ چھ مہینہ سے ایک برس تک کے بچے کو ایک بوند کا آٹھواں حصہ اور ایک برس سے پانچ برس تک کی عمر کے بچے کو ایک بوند کا چھٹا حصہ دینا چاہیے اور اگر گولیاں چھوٹی ہوں تو برس بھر کے بچے کو آدھی گولی اور تین برس تک کے بچے کو ایک گولی اور اس سے زیادہ عمر کے بچے کو دو گولی چمچہ بھر پانی میں دینی چاہیے ۔

گولی یا بوند کا آدھا یا چوتھائی حصہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بوند کو یا گولی کو دو تین چار چمچہ پانی میں گھول لے اور جب خوب مل جائے تو اس پانی کو آدھا یا چوتھائی کر لے اور وہی پانی مریض کو پلا دے ۔

دوا اگر عرق ہے تو اس میں سے بقدر ایک خوراک کے لے کر چمچہ بھر پانی میں ڈال دے اور وہ پانی پلا دے ۔

اور اگر گولیاں ہیں تو ان کو نگل لے خواہ ان کو بھی پانی میں گھول کر منہ میں ڈال لے ۔

جس پانی میں یہ دوا دی جائے بہتر یہ ہے کہ ٹپکایا ہوا پانی ہو ، اگر ایسا پانی نہ ہو تو پینے کے پانی کو چار تہ کپڑے میں چھان لے اور ضرورت کے وقت جیسا پانی ملے بہ مجبوری کام میں لاوے ۔

جو دوا دینی شروع ہو وہ پانچ پانچ منٹ بعد دی جاوے ۔ جب دس بارہ مرتبہ دوا دے چکیں تو مریض کا حال دیکھیں کہ مرض میں کچھ تخفیف ہے یا نہیں ۔ اگر تخفیف ہو تو وہی دوا بعوض پانچ پانچ منٹ کے دس دس منٹ بعد پھر پاؤ پاؤ گھنٹہ کے بعد پھر گھنٹہ گھنٹہ کے بعد اور اسی طرح فاصلہ ، دوا کی ضرورت

پڑے تو دوسری دوا کا استعمال کریں -

اگر باری باری دوائیں دی جاتی ہوں تو ہر ایک کا برتن اور چمچہ جدا جدا رہے -

جن کو سوائے ٹنکچر آف کیمفر کے اور کوئی دوا دی جاتی ہو تو کافور یا ٹنکچر آف کیمفر اس مکان میں نہ رہے نہ اس کی بُو مریض کو آنے پاوے -

غذاؤں کا بیان

سب لوگ جانتے ہیں کہ ہیضہ میں غذا دینے کی بڑی احتیاط ہے - جب تک بالکل علامتیں ہیضہ کی رفع نہ ہو جاویں اور بالکل ہیضہ کے مرض سے صحت نہ ہو جاوے - اس وقت تک کوئی غذا نہ دینی چاہیے - مگر اس مرض میں پانی دینا کچھ نقصان نہیں کرتا - ٹھنڈا پانی یا برف کا پانی یا برف کی ڈلی منہ میں رکھنے کو دینی چاہیے اگر کاغذی لیمو میسر ہوں تو پانی میں ملا کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں - کانجی کا پانی جو ہندو پیتے ہیں اگر نہایت نتھرا ہوا نسوت پانی ہو تو تھوڑا سا دینے کا مضائقہ نہیں - جب غذا دینے کی نوبت آئے تو تھوڑی تھوڑی اور نہایت سبک غذا دی جاوے - آب گوشت یا یخنی ، روے یعنی سوجی کا حریرہ ، شوربا پھلکا ، بنگالیوں کے مچھلی کا شوربا ، ساگو دانا پانی یا دودھ میں پکا ہوا اور ارا روٹ ، اس قسم کی غذا دینا مناسب ہے -

آنحضرتؐ کی پیشین گوئیاں اور بشارات توریت اور انجیل میں

میں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات پر ایک مفصل خطبہ خطبات احمدیہ میں لکھا ہے جس میں موافق اصول مذہب کے مقلدانہ یعنی بعد تسلیم آن امور کے جو عیسائی و مسلمان نسبت بشارات کے تسلیم کرتے ہیں، بحث کی ہے اور توریت و انجیل سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو ثابت کیا ہے۔ اس مقام پر بلا کسی بحث کے توریت و انجیل کی وہ آیتیں لکھ دی جاتی ہیں جن میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات لکھی ہیں۔

ابوالفرح مالطی یعنی مالتا کا رہنے والا جو ایک عیسائی عالم ہے اُس نے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی ہے جس کا نام "تاریخ مختصر الدول" ہے اور وہ کتاب ۱۶۶۳ء میں آکسفورڈ میں چھپی ہے اُس کے صفحہ ۱۶۵ میں یہ عبارت مندرج ہے:

وقد ادعی علماء الاسلاطین درود ذکرہ فی کتاب اللہ المنزلۃ اما فی التوریہ فقی آیۃ جاء اللہ من سینا و اشرف من ساعیروا متعلق من حیل فامان۔ قالوا ھذہ اشارۃ الی نزول للتوراۃ علی موسیٰ والانجیل علی عیسیٰ والقرآن علی محمدؐ۔ واما فی لزبور فقی آیۃ۔ یظھر اللہ من صیھون اکلیلا محمودا۔ قالوا لا کلیل رمز

علی الملک والمحمود علی محمدؐ واما فی الانجیل فقی آیۃ ۔ ان انا لم اذھب ۔ الغار قلیط لا یحبیکم ۔

توریت سفر پنجم باب ہژدہم آیت ۱۵ ، — ۱۸ میں یہ لکھا ھے ۔ ” قائم کرے گا تیرا معبود تیرے لیے نبی تجھ میں سے تیسرے بھائیوں میں سے مجھ سا مانیو ۔ اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قائم کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں دوں گا اور جو کچھ میں اُس سے کہوں گا وہ اُن سے کہہ دے گا ۔“

بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ھیں جس سے اشارہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ھے اور سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا نبی موسیٰ کی مانند نہیں ھوا اور ان الفاظ سے کہ اپنا کلام اس کے منہ میں رکھوں گا ، قرآن مجید کے نزول کرنے کی طرف اشارہ ھے ۔

توریت سفر پنجم باب سی و سوم آیت ۲ میں لکھا ھے ” اور کیا خدا سینا سے نکلا اور سعیرہ سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاھر ھوا ۔ اُس کے دھنے ھاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا ۔“

کتابِ حبقوق باب سوم ، آیت ۳ ۔ ” آئے گا اللہ جنوب سے اور قدس فاران کے پہاڑ سے آسمانوں کو جلال سے چھپا دیا اُس کی ستائش سے زمین بھر گئی ۔“ فاران خاص مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا قدیم نام ھے پس اُن آیتوں میں نبی حجازی کا ذکر لکھا ھے ۔

سرود سلیمان باب پنجم کی دسویں آیت سے سولھویں آیت تک یہ لکھا ھے ۔ ” میرا دوست نورانی گندم گوں ھزاروں میں سردار ھے اُس کا سر سرے کا سا چمک دار ھے اُس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ھیں ۔ اس کی آنکھیں ایسی ھیں جیسے پانی کے کنڈ پر کبوتر ۔ دودھ میں دھی ھوئیں ۔ نگینہ کی مانند جڑی ھوئیں

خانہ میں ۔ اُس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوش بو دار بیل چھائی ہوئی اور چکلے پر خوش بو رگڑی ہوئی ۔ اُس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوش بو ٹپکتی ہے ۔ اُس کے ہاتھ میں سونے کے ڈھلے ہوئے جواہر سے جڑے ہوئے ۔ اس کا پیٹ جیسے ہاتھی دانت کی تختی ، جواہر سے لپی ہوئی ۔ اُس کی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون ، سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے ۔ اُس کا چہرہ مانند ماہتاب کے ۔ جوان مانند صنوبر کے ۔ اُس کا گلا نہایت شیرین اور وہ بالکل محمدیم (محمد) یعنی بہت تعریف کیا گیا ہے ۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب اے بیٹو یروشلم کے ۔"

عبری زبان کے قاعدے میں نام کو بھی بلحاظ تعظیم جمع بنا دیتے ہیں جیسے لعل کو بعالیم لیکن محمدیم کو اگر صفت ھی کیا جاوے تو بھی اُس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے ۔

کتاب ھجی باب یازدھم آیت ۷ میں لکھا ہے ۔ "سب قوموں کو ملا دوں گا اور "ھمدث" (احمد) سب قوموں کا آوے گا اور اس گھر کو بزرگی سے بھر دوں گا ۔ کہا خداوند خلائق نے ۔

ھمدث عبری لفظ میں حرف (ث) مبالغہ کے لیے ہے یعنی سب قوموں کا بہت بڑا محمود اور اس عبری لفظ کے مقابلہ میں احمد کا صیغہ جو حمد کے مادہ سے نکلا ہے بالکل درست آتا ہے ۔ پس خواہ اُس لفظ کو صرف نام قرارداد و خواہ صفت اس آیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لکھا ہے ۔

کتاب اشعیاہ نبی باب بست و یکم آیت ۷ ۔ "اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور خوب متوجہ ہوا ۔"

حضرت اشعیا نبی نے اپنے مکاشفہ سے دو نبیوں کے پیدا ہونے کی خبر دی ۔ ایک کو گدھے کے سوار سے تعبیر کیا ہے جس سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں کیوں کہ جب حضرت عیسیٰ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو گدھے پر سوار تھے ۔ دوسرے کو اونٹ کے سوار سے تعبیر کیا ہے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیوں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں تو اونٹ پر سوار تھے ۔

انجیل یوحنا باب شانزدهم آیت ۷ ۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ بھلا ہے تمھارے لیے یہاں سے میں چلا جاؤں کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط (احمد) تمھارے پاس نہ آوے گا ۔

فارقلیط اصل میں یونانی لفظ نہیں ہے بلکہ در اصل کالدی زبان کا لفظ ہے جو عبرانی کی مانند زبان ہے ۔ مسلمانوں میں اس کا املا اور تلفظ عربی زبان کے موافق ہے جو کالدی یا عبری زبان سے چنداں بعید نہیں ہے مگر حضرت یوحنا نے اپنی انجیل یونانی میں لکھی تھی ، اس لیے اس لفظ کا تلفظ اور املا یونانی زبان کے موافق لکھا تھا جو کالدی یا عبری زبان سے نہایت بعید ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یونانی زبان میں اس کا تلفظ مختلف طرح پر ہوا اور اسی سبب سے قدیم و جدید یونانی نسخوں میں اس کا املا بھی مختلف طور پر لکھا گیا جس کے سبب تلفظ بھی اور معنی بھی کسی قدر بدل جاتے ہیں ۔ مسلمان تو اس لفظ کا ترجمہ موافق قدیم یونانی تلفظ و املا کے احمد کرتے ہیں ، مگر اس زمانے کے عیسائی اس قدیم املا کو تسلیم نہیں کرتے اور موافق جدید تلفظ و املا کے اس کے متعدد ترجمے کرتے ہیں ۔

نہایت قدیم عربی ترجمہ جو روم کبیر میں ۱۶۷۱ء میں چھپا اس میں تو اس لفظ کا ترجمہ ”فارقلیط“ ہی کیا ہے ۔

ایک عربی ترجمہ میں جو بطور خلاصہ چاروں انجیلوں کے فلارنس میں ۱۷۷۴ء میں چھپا ہے اس میں بھی اس لفظ کا فارقلیط ہی ترجمہ کیا ہے۔

ایک عربی ترجمہ میں جو ۱۸۱۱ء میں چھپا اس کا ترجمہ ''مسلی'' کیا ہے یعنی تسلی دہندہ اور خاص اس آیت میں اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ لفظ ''المغری، بطور اشارہ'' کے لکھا ہے۔

اس کے بعد جس قدر ترجمے فارسی اردو کے چھپے ہیں ان سب میں اس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے۔

لیکن اس املا کے تغیر و تبدل اور ترجموں یا معنی کے اختلاف سے مسلمانوں کے اس دعوے میں کہ اس آیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کچھ فرق نہیں آتا۔ کیوں کہ کسی بشارت میں اس کا جس کی بشارت ہے خاص نام بتایا نہیں جاتا بلکہ اس کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ پس اس لفظ کے کوئی صفتی معنی کو وہ سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتے کیوں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی اور نبی موسیٰ کی مانند سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوا قرآن مجید میں بھی خاص نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نہیں ہوا بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی صفت احمدؐ بیان ہوئی ہے یعنی ''یاتی من بعدی اسمہ احمد'' ای اسمہ یحمدہ لان افعل یجی لمبالغۃ الفاعل والمفعول۔ بالفرض اگر اس سے نزول روح القدس مراد ہو تو بھی حضرت عیسیٰ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نازل ہوئی ہے کیوں کہ حواریوں پر جیسا کہ انجیلوں میں بیان ہے قبل اس کے نازل ہو چکی تھی۔

انجیل لوقا باب بستم و چہارم آیت ۴۹۔ ''اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھہرو شہر یروشلم میں

جب تک کہ عطا ہو تم کو قوت اوپر سے ۔"

روح القدس تو حواریوں میں آ چکی تھی اور یروشلم میں ٹھہرا رہنا یعنی اس کو معبد سمجھنا معرفت تھا اور وہ تبدیل ہو گیا اور اس کے مبعوث ہونے پر جس نے کعبہ معبد قرار دیا پس جس کے بھیجنے کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

انجیل یوحنا باب یکم آیت بیس سے پچیس تک میں لکھا ہے "اُس نے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا اور اقرار کیا کہ میں کرسٹاس یعنی مسیح نہیں ہوں اور اُنھوں نے پوچھا اس سے کہ پھر کون ؟ کیا تو الیاس (یعنی خضر) ہے اور اس نے کہا کہ میں نہیں ہوں ۔ تو وہ نبی ہے ؟ اور اس نے جواب دیا نہیں تب اُنھوں نے اُس سے کہا کہ کون ہے تو تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو کہ جنھوں نے ہم کو بھیجا ہے ۔ اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے ؟ اُس نے کہا میں آواز اس کی جو کہ جنگل میں چلّاتا ہے ۔ سیدھا کرو رستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیاہ نے کہا ۔ اور وہ جو بھیجے گئے تھے فردوسی تھے اور اُنھوں نے اُس سے پوچھا اور اس سے کہا کہ تو کیوں اصطباغ کرتا ہے ۔ جب کہ تو نہ کرسٹاس یعنی عیسیٰ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی ۔

حضرت یحییٰ سے یہودیوں نے الیاس کو اس لیے پوچھا کہ یہودی اُن کو زندہ مانتے تھے ۔ مسیح کے آنے کے متوقع تھے اور علاوہ حضرت مسیح کے ایک اور نبی کے آنے کے متوقع تھے پس "وہ" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا جس کی نسبت خدا نے موسیٰ سے کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مثل موسیٰ کے ایک نبی پیدا کروں گا ۔

امام غزالی کے خطوط

حجة الاسلام حضرت امام غزالی رحمة اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں بعض بادشاہان اسلام ، بعض وزرائے سلطنت ، بعض روسا و اعیان دولت اور بعض اپنے زمانہ کے بعض علماء و فقہا کو متعدد پر معارف خطوط وقتاً فوقتاً لکھے تھے - ان بیش بہا جواھرات کو جو وعظ و نصیحت اور پند و موعظت کا گنجینہ تھے حضرت امام کی وفات کے بعد آن کے لائق برادر حضرت امام احمد غزالی نے جمع کیا - یہ نایاب مجموعہ مکاتیب و مواعظ قلمی حالت میں کسی طرح سرسید کے ھاتھ لگ گیا - سرسید اسے دیکھتے ھی پھڑک آٹھے اور آنھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ان قلمی جواھرات کو افادۂ عام کے لیے شائع کر دیا جائے - مگر مشکل یہ تھی کہ جو مخطوطہ سرسیّد کو ملا وہ اکثر جگہ سے غلط نقل کیا گیا تھا اور کوئی دوسرا مخطوطہ موجود نہیں تھا جس سے مقابلہ کرکے صحت کی جاتی - لہٰذا ھر طرف سے مایوس ھو کر سرسید نے ایک ادبی اور علمی خدمت سمجھ کر یہ تکلیف خود ھی برداشت کی اور بڑی محنت و کاوش کے بعد اسے درست کیا - جہاں جہاں مسودہ میں غلطیاں نظر آئیں آن کی اصلاح کی - کہیں کہیں وضاحت کے لیے اپنی طرف سے حواشی

بھی لکھے اور پھر آسے ”فضائل الامام من رسائل حجۃ الاسلام“ کے نام سے شائع کر دیا - یہ وھی خطوط ھیں جو سرسید کی یادگار کے طور پر جہاں نقل کیے جا رھے ھیں اور اب بالکل نایاب ھو چکے ھیں سرسید کے علمی کارناموں میں سے یہ ایک خاص کارنامہ ھے -

(محمد اسماعیل پانی پتی)

بسم الله الرحمن الرحیم

نسالہ الجنة و نعوذ بہ من الجحیم شکر و سپاس بے حد گذشتہ از حصر و عد ـ و سپاسے کہ آن نہایت مطلب صد یقانست ـ و غایت مقصد طالبانست ـ و راہ ھر ھمہ متحیرانست ـ سپاسے کہ آن را غایت نہ ـ مر آن خدائے را کش بدایت و نہایت نہ ـ خدائے کہ سپاس او طراز حملہ کتابانست ـ و آخر دعوی اھل جنانست ـ خدائے کہ رافت و رحمت و تقرب از فضل اوست و سطوت عذاب و جزائے نکال از عدل اوست ـ زمام ھمہ خلایق در قبضہ قدرت اوست ـ و انجام کار ھمہ سالکان راہ در عنایت اوست ـ بزرگی و منقبت صاحب شریعت صلواۃ اللہ و سلامہ علیہ از اصطفا و محبت اوست ـ ورستگاری عاصیان بشفاعت او ھم از کمال رافت اوست ـ و تخصیص یاران او بکمال فضل و مرتبت ھم از خلعت اوست ـ و صدق ابو بکرؓ و عدل عمرؓ و حیا عثمانؓ و شجاعت علی رضی اللہ عنھم از مقتضائے حکمت و مشیت اوست ـ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید ـ چون عنایت الٰہی در حق امام عصر و مقتدائے دھر ـ امام الائمہ حجة الاسلام محمد ابو الحامد غزالی رحمة اللہ تعالیٰ برضوانہ و مہدلہ فی اعلیٰ جنانہ و تغمدہ بغفرانہ ظاھر گشتہ بود ـ تا دل او بدان سبب محل انوار الٰہی گشت ـ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ ـ و سینہ او چشمہ آب حکمت و خزانہ اسرار شریعت و الفاظ او صدف

جواهر بے نظیر و در یتیم ۔ الفاظ او عذب تر از ماء زلال و معانیش دقیق تر از سحر حلال ۔

در نظر چون لفظ او الزام کردے خصم را
گر بدی گردون نهادی گردن آن الزام را

معاون کالعیون یبین سحرا
و الفاظ موردة الخدود

پس لا جرم همکنان شفاء در و خویش در سخن او یافتند و داروئے علت از آنجا طلبدند و تفصیل تریاق اکبر که نافق از زهر هائے کشنده مثل کفر و شرک و حسد و بخل و ریا و عجب و دیگر اوصاف مزموم است از رموز و اشارت و الفاظ و معانی وے گرفتند ۔ و کبریت احمر که آن کیمیاے سعادت است در تصانیف او یافتند ۔ و مخ آن کیمیا و لباب معانی در نامہاے یافتند که او نبشته است و بهر وقتے و بهر کارے تنبیهه کرده و حالت حال بدین جمله بود که بهر وقت سالکان راه و طالبان شفا و خداوندان علت و ارباب حاجت در طلب نامها و وصیتهاے او مبالغه کردند و جدها نمودند تا آن را قدوه سازند و بدان اقتدا کنند و بواسطه آن سعادت ابد حاصل کنند و از شهوات نفس خلاصی یابند و آن را کحل بصر ظاهر و نور بصیرت باطن سازند و این رسالهاے او پراگنده و متفرق بود اما از براے سد حاجت و کفایت مهم سالکان راه را ۔ و قضاے حق اخویت دین را ۔ و تبارک و تیمن بکلام ان صدر سعید و تمسک بحبل و رایت را و صله رحم را آنچه یافتم از نامهاے اوراق جمع کردم ۔ و این کتاب را به فضایل الامام من رسایل حجة الاسلام نام نهادیم و این را در سلک پنج باب در آوردیم و متوقع جود الٰهی آنست که توفیق را رفیق کند و سعادت مساعد گرداند تا این جمع تمام کرده شود ۔

باب اول - در سلطانیات و نامہاے ملوک و غیر آں -
باب دوم - در آنچه بوز را نوشته -
باب سوم - در آنچه به امر او بزرگان دولت نوشته -
باب چہارم - در آنچه به آیمه و فقہاے دین نوشته -
باب پنجم - در فصول که دراں مواعظ پراگنده نوشته -

باب اول

در سلطانیات و نامهاے ملوک وغیر آن

چون صدر سعید حجة الاسلام اکرمه الله برضوانه در ابتداء عهد و مبداء ترقی کار که بشهر نیشاپور طالب علمی می کرد از تعلیق اصول خویش مختصرے بیرون کرده بود و ترتیبے داده و آن را المنخول من تعلیق الاصول نام نهاده در آخرِ آن کتاب قریب ده کاغذ از مثالب مذهب امام ابو حنیفه رضی الله عنه جمع کرده از کتاب طهارت و نماز و غصب و سرقه و قصاص و غیر آن چیز ها که شنیع می نمود از مذهب او جمع کرده چون جماعتے از اصحاب راے آن را بدیدند عرق تعصب و حسد در ایشان بجنبید و جماعتے هم از اصحاب شافعی و اصحاب مالک رضی الله عنهما بایشان یار شدند و بروے عیبهاے عظیم زدند و نزدیک سلطان اسلام شدند و بروے آن عرضه کردند که حجة الاسلام در امام ابو حنیفه طعن و قدح میکند و مثالب او جمع کرده و وے را در اسلام هیچ عقیده نیست بلکه اعتقاد فلاسفه و ملحدان دارد و جمله کتابهاے خویش به سخن ایشان ممزوج کرده است و مکر و اباطیل به اسرار شرع آمیخته و خداے را جل جلاله نور حقیقی می گوید و این مذهب مجوس است که به نور و ظلمت میگویند و چند کلمه از کتاب مشکواة الانوار تغیر و تبدل کردند و آن را به سلطان اسلام عرضه کردند و یکے را از مغار به اعزا کردند و گفتند که حجة الاسلام در مالک قاضی ابوبکر باقلانی طعن کرده است و قدح و قطع کرده است بخطاے

قاضی ابوبکر تا آنکه او به سبب آن بروے تشنیع زدن گرفت و نزدیک ارکان دولت تخیلات و تصویرات فاسد کرد و من یستمع یختل و پس بداں سبب سلطان عالم برو متغیر گشت و قصد رنجانیدن او کرد و دراں حال کس فرستاد به حجة الاسلام و به نزدیک خویش خواند حجة الاسلام از شدن امتناع نمود و عذرات نزدیک سلطان نوشت و بفرستاد و آں نامه اینست ۔

نامه حجة الاسلام به ملک الاسلام

ایزد تعالیٰ ملک الاسلام را از مملکت دنیا برخوردار کناد وانگه در آخرت بادشاهی دها و که بادشاهے روے زمین دروے حقیر و مختصر گردد که کار بادشاهی آخرت دارد ۔ که مملکت روے زمین از مشرق تا بمغرب بیش نیست و عمر آدمی در دنیا صد در اغلب احوال بیش نیست جمله زمین نسبت با بادشاهی که ایزد تعالیٰ کسے را در آخرت دهد کلوخے است و همه ولایت هاے روے زمین گرد و غبار آں کلوخست کلوخی و گرد کلوخے را چه قیمت می باشند و صد سال را درمیان ملک ازل و ابد و بادشاهی جاوداں چه قدر باشد که بداں شاد باید بود ۔ همت بلند دار چناں که اقبال و دولت و نسب بلند است ۔ و از خداے تعالیٰ جز ببادشاهی جاودان قناعت مکن و ایں بر همه اهل جهان دشوار است و بر ملک مشرق آسان ۔ که رسول علیه الصلواة والسلام می گوید یک روز عدل از عدل سلطان عادل فاضل تر از عبادت شصت ساله است چوں ایزد آن ساز دولت بداد که آنچه دیگرے به شصت سال تواں کرد تو بیک روز بتوانی کرد چه اقبال و دولت باشد زیارت ازیں و حال دنیا چنانکه هست بداں تا در چشم تو مختصر گردد که بزرگان چنیں گفته اند که اگر دنیا کو زه زرین بودے که نماندے

و آخرت کوزه سفالین بودے که بماندے عاقل کوزه سفالین باقی اختیار گردے بر کوزه زرین فانی ۔ فکیف که دنیا کوزه سفالین است که نماند و آخرت چون کوزه زرین که هرگز نه بشکند عاقل چگونه بود کسیکه دنیا اختیار کند و ایں مثل اندیشد و همه پیش چشم خود می دارد ۔ و امروز بناحیتی رسیده است که عدل ساعت بعبادت صد ساله است بر مردمان طوس رحمتے بکن که ظلم بسیار کشیده اند و غله بسرما و بے آبی تباه شده است و درختهاے صد ساله از اصل خشک شده و هر روستاے را هیچ نمانده مگر پوستے و مشتے عیال گرسنه و برهنه با فرزندان در تنورے شوند ۔ رضا مده که پوست شان باز کنند ۔ و اگر از ایشان چیزے خواهند همگنان بگریزند و درمیان کوه ها هلاک شوند و ایں پوست بار گردن باشد ۔ اے بادشاه اسلام بدانکه ایں داعی را پنجاه سه سال عمر گذشته است چهل سال در دریا علم غواصی کرد تا بجائے رسید که سخن او از اندازه فهم بیشتر از اهل روزگار در گزشت ۔ بست سال در ایام سلطان شهید روزگار گذاشت و ازو به اصفهان و بغداد اقبالها دید و چند بارمیان سلطان و امیر المومنین رسول بود درکار هاے بزرگ و در علوم دین نزدیک هفتاد کتاب تصنیف کرد پس دنیا را چنانکه بود بدید و بجملگی بینداخت و مدتے در بیت المقدس و مکه قیام کرد و بر سر مشهد ابراهیم خلیل الله صلوات الله و سلامه علی نبینا و علیه عهد کرد که هرگز پیش هیچ سلطان نرود و مال هیچ سلطان نگیرد و مناظره و تعصب نکند و دوازده سال بریں وفا کرد و امیر المومنین و همه سلطانان دعا گوے را معذور داشتند اکنون شنیدم که از مجلس عالی اشارتے رفته است بحاضر آمدن ۔ فرمان را بمشهد رضا آمدم و نگاهداشت عهد خلیل را بلشکر گاه نیامدم و بر سر ایں مشهد میگویم که اے فرزند شفیع ۔

شفیع باش تا ایزد ملک اسلام را در مملکت دنیا از درجه پدران خویش بگزراند و در آخرت بدرجه سلیمان علیه السلام رساند که هم ملک بود و هم پیغمبر و توفیقش ده تا حرمت عهد ابراهیم خلیل الله علیه السلام نگہدارد و دل کسے را که روے از خلق بگردانید و بسوے خداے آورده بشولیده نکند و چنیں دانستم که ایں به نزدیک مجلس عالی پسندیده تر و مقبول تر است از آمدن بشخص وکالبد که آن کارے و رسمے بیفائده است و ایں کاریست که روے در حق دارد اگر پسندیده است فمرحبا و اگر بخلاف ایں فرمانے بود در عہده عہد شکستن نباشم که فرمان سلطانے باضطرار لازم بود فرمان را بضرورت منقاد باشم ایزد تعالیٰ بر زبان و دل آن عزیز آن را نادکه فرداے قیامت ازاں خجل نباشد و امروز اسلام را ازاں ضعف و شکستگی نباشد - انتہی[۱] -

چوں ایں نامه بر سلطان اسلام عرضه کردند عقیده او از آنچه بود بر گشت و گفت لابداست که من او را به بینم و چوں او بمشہد مقدس رضوی است علیٰ ساکنه السلام و لشکر گاه بیروخ و مسافت نزدیک آمدن آسان بود او را بہمه حال حاضر باید آمدن تا او را به بینم و سخن او بشنوم و صفارا اعتقاد او بدانم و حاسدان و متعصبان راز جرو تعزیر کنم - و دریں جماعتے از متعصبان او و از فحول ایمه تا بلشکر گاه جمع شده بودند و می گفتند او را تکلیف باید کرد تا حاضر شود تا باد مناظره کنیم و سخن او بشنویم و او از عہده خود بیروں آید - البته او را رها مکنید که پیش سلطان شود که او در ساعت سلطان را بمنظر و مجرد سخن خویش صید کند - پس دریں حال جماعتے از ایمه طوس برخاستند و بلشکر گاه رفتند و مجمع ساختند و متعصبان حجة الاسلام را حاضر کردند و ایمه طوس گفتند که ما شاگردان اوئیم اگر کسے را شبہتے افتاده است یا اشکالیست در سخن

او القا باید کرد تا حل آن کرده آید پس اگر ما عاجزائیم بوے نویسیم و شرح تقریر آن ازو در خواهیم تا آن اشکال برداشته شود اما شما را منصب و اهلیت آن نباشد که ازو مناظره خواهید کرد که شما با شاگردان او مقاومت نتوانید کرد پس چون ایں سخناں بشنیدند مبهوت گشتند و بار دیگر با سلطان گشتند و گفتند او مردیست ناموسی و ایں ناموسی وے انگه ظاهر شود که با ما مناظره کند سلطان اسلام معین الملک را رحمة الله گفت لابد او را الزام باید کرد تا پیش تخت حاضر شود تا ما سخن او بشنویم پس آنگاه اگر بداں حاجت بود که مناظره کند او را بمناظره فرمائیم و یا عذر آریم و با کرام تمام باز گردانیم - پس معین الملک کس بمشهد فرستاد و گفت که لا بد ترا میباید حاضر آمدن او بحکم فرمان بلشکر گاه رفت و در وثاق معین الملک نبشت تا معین الملک او را به نزدیک سلطان برد - سلطان چوں او را بدید بر پاے خاست و در بر گرفت و بر کنار تخت نشاند و حجة الاسلام را استقشعارے میبود اندک - مقرئ باوے بهم بود گفت بیار او آیتے از قرآن بر خواند - الیس الله بکاف عبده گفت بلے و آن خوف بکلی از وے زایل گشت و سخن آغاز کرد و ایں فصل در پیش سلطان گفت -

تقریرے که امام حجة الاسلام پیش ملک اسلام گفته

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمین والصلوة علی رسوله محمد وآله اجمعین والعاقبة للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین - بقاء ملک اسلام باد عادت علماء اسلام بمجلس ملوک اسلام و سنت آنست که فصلی گویند مشتملبر چهار چیز دعا و ثنا و نصیحت و رفع درجات اما مذهب من آنست که شب تاریک در خلوت خالی

دست برداشتن و با حق در سر مناجات کردن اولی که هر چه برملا بود بر یا آمیخته بود و در حضرت حق سبحانه تعالیٰ هر چه خالص نیست مقبول نیست و اما ثناء این مخلص هم چنین است که آفتاب سخت بے نیاز است ازانکه بلندی و روشنی وی بانگشت اشاره کنند چون جمال بغایت کار رسد بازار مشاطه بشکند و دست مشاطه بیکار شود و مقصود از ثناء بالا دادن کار باشد و چگونه بالا دهند حضرتے را که هر چه در جهان بالا و بلندی و رفعت است کسے را آن ازیں حضرت یافته است پس مهم نصیحت است و عرض حاجت اما نصیحت ولایتست که منشور آن جز از حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم ننویسند و وے گفته است ترکت فیکم واعظین صامتا و ناطقا الصامت الموت والناطق القرآن ـ

نگاه کن تا این نصیحت که خاموش است بر زبان حال چه میگوید و آن که گویا است بزبان مقال چه می گوید ـ مرگ خاموش چنیں می گوید که هر که را آفریده اند بدانند که من در کمین شما ام و کمین خویش ناگاه کشایم و از پیش هیچ رسول نفرستیم و اگر خواهید که نمود کار و پا داشت و عمل من به بیند با همه تان نه گفتم که با همه چه خواهم کرد ملوک باید که از جمله ملوک گذشته نه گردند و امرا از امرا گذشته نگردند و سلطان ملک شاه و الپ ارسلان و طغرل بیگ رحمهم الله تعالیٰ از زیر خاک بزبان حال می گویند و منادی می کنند که یا ملک یاقرة العین با فرزند عزیز زنهار زینهار اگر بدانی که ما بر چه کار رسیدیم و چه کار هاے باهول دیدیم هرگز یک شب سیر نخوری و بکام خویش هیچ جامه نپوشی و در رعیت تو یک کس تن برهنه و گرسنه ماند و هیچ خزانه نهی مگر آن که در قیامت بر تو عرضه کنند و کردار تو بر تو عرضه کنند که نصیحت قرآن چنین است فمن یعمل

مثقال ذرة خیرا یره و من یعمل مثقال ذرة شراً یره هر چه خواهی کن که ذره ذره باز خواهی دید و در خبر است که این شبان روز بست و چهار ساعت است بر هر بنده عرضه کنند بر هر بست و چهار ساعت خزینه یکے بلند پر ضیاء و نور و این ساعت طاعت بود چندان شادی بدل وے رسد که هشت بهشت در آن مختصر شود که مبشر بود بخوش نودی حق تعالیٰ خزانه دیگر بروے عرضه کنند خالی و آن ساعت غفلت و خواب و مشغول بودن بمباحات بود چندان حسرت و غبن بدل وے در آید که آن را نهایت نه بود که چرا این آن چنان دیگر نبود و یکے دیگر بروے عرضه کنند پر ظلمت و آن ساعت معصیت بود چندان هول و فزع در دل وے در آید که گوید کاشکے مرا هرگز نیا فریدندے - اے ملک دنیا را بسیار دولت و لشکر و خزانه ساختے آخرت را نیز بساز و بر قدر مقام و مدت آخرت بساز مدت دنیا پیداست که چند است بود که روزے یا نفسے بیش نمانده است - مدت آخرت را نهایت نیست اگر هفت آسمان و هفت زمین پرکاورس کنند و مرغے را فرمایند که هر هزار سال یکے دانه بیش نخور این هم پرسد و از ابد هیچ کمتر نشود خزانه بر مقدار مدت باید نهاد و بدانکه هیچ بنده نیست که وے را به دوزخ گذرے نیست از ساعتے که با هفت هزار سال برابر بود و این کسے را بود که ایمان بسلامت بوده باشد و از بهر آن نیز بساز که ایمان درختیست که آب از اطاعت خورد و هیچ وے از عدل بود و بدوام ذکر حق راسخ شود و چون این تربیت نیابد در سکرات مرگ یفتد که بیخ ندارد یک وصیت از من قبول کن کلمه لا الہ الا اللہ همیشه ورد زبان دار - چنان که کس نشنود و بگوئی اگر در شکار گاه باشی اگر بر تخت پایه باشی و اگر در خلوت باشی یک ساعت ازیں خالی مباش که ایمان راسخ بدیں شود و یا

ملک اگر از عذاب آخرت خلاص یابی از سوال قیامت خلاص نیابی
کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیة و اگر ترا در سیاست
بدارند و گویند بندگان خویش را و گویندگان لا اله الا الله را
رعیت تو کردیم و ترا ستورے چند بدادیم - بملکی همه دل در
ستوران خویش خوش بستی تا هر کجا مرغزارے سبز تر بود چراگاه
ایشان بود - و از بندگان ما غافل ماندے چرا عزیزان حضرت ما را
از ستوران خویش باز پس داشتے و گفته بودیم که حرمت مومن
بحضرت ما بیشتر از کعبه است ازیں سوال چه جواب داری - عمر
خطاب رضی الله عنه چنان بود که اشتر درویشے در شب تاریک
گم شد پاے برهنه در طلب آں میدوید و میگفت لو ترک جرب
علی سیفة الفرات ولم یطلاء بالدهن لمسئول عنها
یوم القیامة ویرا رضی الله عنه یکے از صحابه بخواب دید پس
از دوازده سال که غسل کرده بود و جامه روشن و سفید پوشیده
چنانچه کسے از کارے فارغ شده باشد گفت یا امیر المومنین خداے
تعالیٰ با تو چه کرد گفت چند سال است تا از دنیا رفته ام -
گفت دوازده سال است - گفت تا اکنوں در حساب بودم کار عمر
پر خطر بود اگر نه آں بودے که خداے کریم بودے - حال عادل
ترین خلق ایں بود حال خود بریں قیاس کن و در جمله راه نصیحت
دراز برهمه ملوک و لیکن بر ملک اسلام کو ته کنم لوحی بنشته
در پیش تو بهم در آں لوح مے نگر سیرت پدر خویش ملک شاه
فراپیش گیر اگر ترا گویند پدرت از فلاں ده دام بستدے توده دانگے
بستاں بگو که ایں زیادت چرا بستانم او از خداے تعالیٰ می
ترسید من نمی ترسم او عاقل بود نام نیکو و خوش نودی رعیت
دوست میداشت و چنیں من عاقل نیم اگر گویند در ولایت تو
مثلاً جهود است او را از ولایت بیروں کن گو در روزگار پدرم

کجا بود گویند در ولایت وے بود گو بس چرا قاعده کو نهد
من باطل کنیم و بدانکه هر که قاعده و راه پدر خویش باطل کند
در عدل و انصاف عاقل نباشد و عاقبت وے بهشت نشود اگرچه
بوے بهشت از پان صد ساله راه بشنوند یا ملک شکر نعمت
حق تعالی بگزار که نعمت چهار است ایمان و اعتقاد و درست
و روے نیکو و فعل نیکو این یکے باختیار تو است و این هر سه
هدیه خداے عز و جل است چو حق تعالی آن هر سه از تو دریغ
نداشت تو نیز این چهارم از خویشتن دریغ مدار که بر این هر سه
زبان بر ناسپای دراز کرده باشی و یا امیران نو دولت که بر
پاے ایستاده آید اگر خواهید که دولت پاینده و مبارک بود باید
که دولت ازلی دولت باز شناسید که شما را ملک یکے نیست بلکه
دو است این یکے ملک خراسان و آن یکے ملک زمین و آسمان است که
ملک شماست فرداے قیامت همه رابا وے بهم بدارند و در مقام
سیاست با شما گویند که حق نعمت چون گذار دید که قلوب الملوک
خزائن الله تعالی دل ملوک خزانه خداوند تعالی است که هر چه
در دنیا پدید آورد از رحمت و عقوبت بواسطه دل ملوک بود
گوید خزانه خود بشما سپردم و زبان شما کلید آن خزانه کردم امانت
نگاه داشتید در آن خزانه یا خیانت کردید هر که حال یک مظلوم
برین ملک پوشیده دارد در خزانه خیانت کرده باشد همه گوش فرا
خویش دارید که دولت شده گیر و خجلت روز قیامت مانده گیر
آمدیم بعرض کردن حاجت که دواست یکے عام و یکے خاص
اما عام آنست که مردمان طوس هوش باخته و پراگنده بوده اند
در ظلم قسمت و هرچه بود از سرما و بے آبی تباه شد و هرچه
درخت صد ساله بود خشک شد بدیشان رحمتے کن تا خدا تعالی
بر تو رحمت کند پشت و گردن مومنان از بلا و محنت گرسنگی

بشکست چه باشد اگر گردن ستوران تو از ساخت زر فرو نشکند اما حاجت خاص آنست که من دوازده سال در زوایه خانه بنشستیم و از خلق اعراض کردم پس فخر الملک رحمة الله مرا الزام کرد که نیشا پور باید شد گفتم این روزگار سخن من احتمال نکند هر که درین وقت کلمة الحق بگوید در و دیوار بمعاداة برخیزد و من دنیا را با اهلِ دنیا تسلیم کرده ام ـ وے گفت که ملکے است عادل و من در پیش وے بنصرت تو برخیزم امروز کار بجاے رسید که سخنهاے شنوم که اگرچه در خواب دید مے گفتمے اضغاث احلام است اما آنچه بعلوم عقلی تعلق دارد اگر کسے را بران اعتراض است عجب نیست که در سخن من غریب و مشکل که فهم کسے بدان نرسد بسیار است لکن و الحمد الله که من مدام بشرح هر چه گفته ام باهر که در جهانست درست می کنم و از عهده آن بیرون می آیم این سهل است اما آنچه حکایت می کنند که در امام ابو حنیفه رضی الله عنه طعن کرده ام این احتمال نتوانم کرد بالله الطالب الغالب المدرک المهلک الضار النافع الذی لا اله الا هو که اعتقاد من است که امام ابو حنیفه بخواص ترین امت مصطفیٰ است صلی الله علیه وسلم در حقایق معانی فقه و هر که جز این از عقیده من و یا از خط و لفظ من حکایت کند دروغ می گوید و عقیده من آنست که در کتاب احیاء در اول سیرت علماء شرح داده ام مقصود آنست که این حال معلوم شود و حاجت آنست که مرا از تدریس نیشا پور و طوس و شهر ها معاف دارد تا باز او به سلامت خویش شوم که این روز گار سخن من احتمال نکند ـ

جواب ملک اسلام

چون این فصل بگفت جواب ملک اسلام آن بود که مارا

چناں بایستے که جمله علماء خراسان و عراق حاضر بودند تا سخن تو بشنوندے و اعتقاد تو بدانستندے اکنوں التماس آنست که ایں فصل که رفته است بخط خویش بنویسی تا بر ما میخوانند و ما نسخه آں باطراف جهان بفرستیم که خبر آمدن تو در جهان معروف بود تا مردمان اعتقاد ما در حق علماء بدانند اما معاف کردن از تدریس ممکن نیست فخرالملک چاکر ما بود که ترا نیشا پور برد و ما براے تو مدرسها کنیم و بفرمائیم تا جمله علماء اسلام هر سال یک بار پیش تو آیند و هر چه براں پوشیده باشد بیاموزند از تو و اگر کسے را با تو خلاف است دندان کناں پیش تو آید و پرسد تا اشکال وے برداری چوں ملک اسلام از وے در خواست که ایں فصل بخط خویش بنویس حجة الاسلام رحمهم الله بشهر در آمد از لشکر گاه جمله اهل طوس باستقبال وے شدند و آں روز جشنے عظیم ساختند و نثارها کردند حجة الاسلام رحمة الله ایں فصل را بخط خویش بنوشت و نزدیک او فرستاد و ملک اسلام فرمود بوقتے بروے خواندند آں که بعد ازاں ملک اسلام بشکار رفت حجةالاسلام را شکارے فرستاد - بقرب آں روز گار - و حجةالاسلام در مقابل آں نصیحت الملوک تصنیف کرد و نزدیک او فرستاد و آں کتابیست بلیغ در انواع نصیحت و تحریص بر عدل و انصاف حجة الاسلام بخط خویش بر ظهر جز وے نوشته بود که در آں جز و فصل نصیحت ملک اسلام بود - اتفاق افتاد که در شهو سنه تسع و تسعین دار بعمائته نویسنده ایں حرفها غزالی را تکلیف کردند پس از انکه دوازده سال عزلت گرفته بود زوایه ملازمت کرده تا بدانجا پس امتثال فرمان را ایں سخنها اثبات افتاد - حجة الاسلام چوں باعزازے و اکرامے هر چه تمام تر و بنواخت ملک با طوس آمده و متعصباں او را در لشکر گاه بدیدند خجل و تشویر زده شدند

و جماعتے برخاستند و بہ نزدیک او آمدند بطوس و او در خانقاه نشستہ بود وے را پرسیدند و گفتہ ما را از تو سوالیست اگر دستورے دھی بہ پرسم دستورے داد ایشان گفت تو مذھب کہ داری گفت در معقولات مذھب برھان و آنچہ دلیل عقل اقتضا کند و اما در شرعیات مذھب من قرآن و هیچ کس را از ائمہ تقلید نمیکنم نہ شافعی بر من خطی دارد نہ ابو حنیفہ براتی چوں ایں سخن از وے بشنیدند نیز مجال سخن گفتن نیافتند برخاستند و چند الفاظ کہ آں محل اعتراض ایشاں بود از کتب او بنوشتند و بوے فرستادند حجة الاسلام جواب ایں بر یدیھہ باز نوشت و بدیشاں فرستاد ۔

وآں مسائل ایں بود

چہ گوید امام الائمہ حجة الاسلام در کسانیکہ اعتراض میکنند بر بعضے از سخنہا کہ در کتاب مشکواة الانوار و کیمیاست مثل ایں سخن کہ لا الہ الا اللہ توحید العوام است ولا ھو الا ھو توحید الخواص و آں سخن کہ نور حقیقی خداست و آں سخن کہ روح آدمی اندریں عالم غریب است و وے از عالم علوی است و شوق وے بداں عالم است چہ میگویند کہ ایں سخن فلاسفہ و نصاریٰ است و امثال ایں سخنہا است کہ آں را بشرح حاجت است تا اعتراض متعندان کوتاہ شود و معنی ایں سخن پیدا شود ۔

بجواب نوشت

باللہ التوفیق بدانکہ سوال کردن از مشکلات عرضہ کردن ۔ بیماری و علت دلست بر طبیب و جواب دادن سعی کردن است در شفا بیمار و جاھلاں بیمارانند فی قلوبھم مرض و علماء طبیبانند و عالم ناقص طبیبی را نشاید و عالم کامل ھر جاے طبیبے نکند. لکن جاے

طبیبے کند که امید شفا بود اما چوں علت مزمن بود و بیمار بے عقل استادے طبیب آں بود که بگوید که ایں بیمار علاج پذیر نیست و مشغول شدن بمعالجه وے جز روزگار ضائع کردن نیست و ایں بیماران جهل بر چهار گونه اند یکے ازیں علاج پذیر است و سه علاج نپذیرند اول کسے است که اعتراض وے از حسد بود و حسد بیماریٔ مزمن است که علاج را بوے راه نیست چه جواب که از اعتراض وے جواب دهی هرچند نیکوترو روشن تر بود ویرا خشم بیش آید و آتش حسد درون وے افروخته شود - پس بجواب وے مشغول نباید شد ؎

کل العداوة قد یرجٰی اماتتها
الا عداوة من عاداک من حسد

پس تدبیر آں بود که وے را بداں علت بگزارند و از وے اعراض کنند و اعرض عمن تولے عن ذکرنا و لم یردا الا الحیواة الدنیا ذالک مبلغهم من العلم و حسود هرچه میگوید آتش اندر خرمن خود میزند الحسد یا کل الحسنات کما تاکل النار الحطب - پس وے بجاے رحم است نه بجاے مجادله و خصومت - بیمار دوم آں بود که علت وے از حماقت و بے عقلی بود و ایں نیز علاج نپذیرد و عیسیٰ صلواة الله و سلامه علیه مرده زنده کرد و از معالجه احمق عاجز آمد - و ایں کسے بود که عمر در علوم عقلی صرف نکرده بود انگه اعتراض کند بر کسے که همه عمر دراں صرف کرده باشد و ایں مقدار نداند که آں اعتراض که عامی را بخاطر آید عالم را نیز آمده باشد پس ایں سخن غورے دارد که عالم ندانسته باشد و عامی بداند و همه فقهاء و ادباء و مفسران و محدثان و مشغولان بانراع علوم عامی باشند در علوم عقلی و بیشتر متکلمان نیز همچنیں باشند که ظاهرا از علم

کلام برخوانده باشند و غور و تحقیق آں نشناخته چوں اعتراض این قوم بالتفات نیرزد اعتراض کسان دیگر کـه هرگز در هیچ علـوم خوض نکرده باشند ـ جواب چوں آید ـ و قصه موسیٰ[۴] و خضر صلواة الله و سلامه علیها در قرآن تنبیه راست برین دقیقه چوں سفینه یتیمان کسے از عوام سوراخ کند بمحل اعتراض بود اما چوں عالمے کامل کند اعتراض نشاید کرده چوں حفظ مال ایتام هر کسے داند عالم نیز داند چوں میکند ـ آنست که در اوان چیزے دیگر میداند که این حال با اضافت با آں علم منکر نیست بلکه معرفت حق تعالیٰ و معرفت ربوبیت و ملکوت آسمان و زمین دانستن کمتر از جولاهگی نیست اگر کسے همه علوم روے زمین برخواند و همه صناعات بیا موزد و در جولاهگی رنج نبرده باشد ویرا نرسد که بر جولاهه اعتراض کند و اگر رنج برده باشد ویرا نرسد که بر کسے که از وے استاد تر باشد بلکه هرچه او را منکر آید باید که بر قصور خویش حمل کند چوں این قدر عقل ندارد ازوے اعراض باید کرد و بجواب مشغول نباید شد ـ بیمار سوم آں بود که مستر شد بود و آنچه فهم نکند بر قصور علم خویش حمل کند و اعتراض نکند بلکه خواهد که بداند و سوال براے استرشاد کند لکن بلید باشد و فهم وے از ادراک دقائق علوم قاصر باشد بجواب وے نیز مشغول نباید شد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم و معنی آنست که این نه آنست که بایشاں سخن گویند برخلاف راستی لکن معنی بایشاں آں گویند که طاقت فهم آں دارند آنچه طاقت آں ندارند خود نگویند و تنبیه کنند که این کار تو نیست چه اگر گفته آید جز انکار و تکذیب حاصل نیاید و اذ لم یهتدوا به فسیقولون هذا افک قدیم بل کذبوا بما لم یحیطوا

بعلمه ولما یاتهم تاویله اشارت بدین قوم است - بیار
چهارم آنست که مستر شد باشد و با آن هم زیرک و تیز فهم بود
و عقل بروے غالب بود یعنی مغلوب غضب و شهوت و حب مال
و جاه نبود این یک علاج پذیر بود برائے وے جواب این مسائل
گفته آمد بقدر فهم وے پس اگر کسے را بینی که ازین جواب
شفا حاصل نشود عجب مدار باشد که از جمله آن سه قوم دیگر
بود و بیشتر خلق ازان سه گروه اند و این چهارم عزیز و نا درست
مسئله پرسیدی که این سخن که لا الـه الا الله توحید العوام
ولا هـو الا هـو تـوحید الخواص چه معنی دارد درین سخن دو
اعتراض است یکے آنکه چون طعنه می نماید در کلمه لا اله الا الله -
و اشار تیست به نقصان این و این چگونه بود و سبب سعادت
همه خلق اینست و قاعده و اصل همه ملتها این است و دیگر اعتراض
آنکه لا هو الا هو متناقص می نماید که این استثناء عین مستثنیٰ
منه است یک چیز هم مستثنیٰ و هم مستثنیٰ منه چون بود بدانکه
اعتراض اول که پنداشتی که این سخن در معرض طعن و نقصان
است در کلمه لا الـه الا الله خطا پنداشتے بلکه معنی آنست که
مجرد معنی لا الـه الا الله عام است و جمله مومنان دران شریک اند
ناقص و کامل و خاص و عام بلکه جهود و ترسا که ایشان نیز
گویند و ترسایان که میگویند ثالث ثلثه نه آن میخواهند که
خدائے سه است بلکه میگویند یکے است لکن این یکے بذات
یکے است و باعتبار صفات سه و لفظ ایشان این بود که واحد
بالجواهریة ثلث بالاقنومیه باقنوم صفات را خواهند
و تفهیم این دراز شود امـا لا هـو الا هـو معنی لا اله الا هـو الله
بتمامی در وے مضمر است لکن در وے زیادتیست که جز خواص
بدان نرسند و بر اندازه عقل عوام نیست اما معنی لا الـه الا الله

همه عوام فهم توانند کرد -

فصل - چون بدانستی که معنی این سخن تفاوت درجات توحید است بدانکه توحید را درجات است و وے را ظاهریست که همکنان بدان برسند و آن چون قشریست و وے را حقیقتے است و آن چون لب است و آن لب را نیز لبے است دیگر و تشبیه این بجوز توان کرد که ویرا پوستی است و پوست ویرا پوستے است و ویرا مغزیست و مغز ویرا مغزے دیگر است و آن روغن است پس اگر خواهی که تفاوت در درجات توحید است بدانی بدانکه درجه اول وی گفتن لا اله الا الله است بزبان بی اعتقاد دل وهمه منافقان اندریں شریک اند و این توحید را نیز حرمتی است که سعادت این جهان بدان حاصل آید تا مال و خون وے معصوم شود و اهل و فرزند وی ایمن شوند درجه دوم اعتقاد معنی این کلمه است برسبیل تقلید بے معرفت حقیقی وهمه عوام خلق بدین درجه رسیده اند و این چون به تحقیق نزدیک تر است این هر دو جهان ثمره ویست چون تصدیق جمله انبیا بآن بود پس این قوم اهل نجات اند اندر آن جهان نیزاگرچه بکمال سعادت اهل معرفت نرسند درجه سوم آن بودکه معنی این کلمه ببرهان محقق و مکشوف شود تا همچناں که بشناسند مثلاً سیزده - ثلث سی و نه بود - ببرهان حسابے همچنیں وحدانیت حق سبحانه تعالیٰ بدانند نه چون کسے باشند که حساب خود نداند لکن از کسے شنیده بود که سیزده ثلث سی و نه بود و اعتقاد کرده باشد و به تقلید تصدیق کرده این سه درجه متفا وتست - اول صاحب مقاله است - دوم صاحب عقیده است - سوم صاحب معرفت است و ازیں هر سه هیچ صاحب حالات نیستند و ارباب احوال دیگراند و ارباب معارف و اقوال دیگر - درجه چهارم آنست که با معرفت هم صاحب حالت

بود که وے را هیچ معبود نبود جز یکے و هر که را هواے وے غالب بود معبود وے هوا بود افرائت من اتخذ الهه' هواه اله آں بود که ویرا پرستند و در بند وے باشند و بنده وے باشندو هر چه در بند آنی ازیں گویند که فلاں خربنده است و فلاں شکم بنده است و رسول اللهصلی الله علیه وسلم گفت تعس عبدالدرهم و تعس عبد الدینار ایں همه را بنده گفت که در بند آنست که طلب میکند پس هر که هوا و شهوت وے زیر دست وے بود و طوع فرمان حق بود کلمه لا اله الا الله از وے درست بود و توحید وے هم حالت بود و هم مقالت - اگر چنیں نبود از مقصود ایں کلمه محروم بود و نصیب گفتں زباں بود و اندیشه دل - و اگرچه ایں کلمه راست بود وے دروغ زن است دریں کلمه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یزال لا اله الا الله دافعا عن الخلق عذاب الله ما لم یوثر واصفقة دنیاهم علی صفقة دینهم فاذا اثروا ثم قالوا لا اله الا الله قال الله تعالیٰ لهم کذبتم لستم بها صادقین پس ایں کس اگرچه ایں کلمه میگوید و معنی وے میداند چوں روے دل وے بجانب دنیا و جاه و شهواتست و همه احوال بودن فرمان خداے نیست دریں کلمه دروغ زن است بلکه اول دروغ وے آنست که در نماز ایستد گوید الله اکبر گویند دروغ مگوی اگر در دل تو خداے تعالیٰ بزرگتر بودے طاعت وے داشتے نه طاعت شیطان و طلب ویرا کردے نه دنیا و شهوات را و چوں گوید انی وجهت وجهی للذی فطر السموات گویند دروغ مگوی که اگر بدیں روے ظاهر میخواهی روے بوے نیا وردهٔ که وے دریں جهت نیست و اگر روے دل میخواهی روی دل تو هم بسوی دنیا جاه و مال و حشمت و شهواتست دروغ چرا میگوئی و با کسیکه سر ترا میداند و داند که روے دل

از کدام جانب است و چون گوید ایاک نعبد با وے همین تکذیب رود و گوید انت عبد الدینار والدرهم و عبد الجاه والحشمة فایاها تعبد که نه عبادت آن بود که تو در بند آنی پس این مرد که اهل لا اله الا الله است لکن حال و درجه وے آنست هرگز برابر نبود با کسیکه لجام تقوی برسر همه شهوات خویش کرده است و جز بر وفق فرمان هیچ کارے نکند و بدانکه مثال توحید و معرفت چون مسهل است که مقصود از وے پاک کردن درونست از اخلاط چون مسهل بخورد و کار نکرد از وے شفاء و سلامت حاصل نیاید بلکه در وے خطر بود مسهل توحید چون در دل فرود آمد اگر علت هوا و شهوت را کسر نکند چون مسهل بود که کار نیاید این کس چون برابر بود با کسیکه توحید ویرا از همه بند ها بیرون کرد و ویرا یک صفت و یک همت و یک معبود گردانید ایشان هر دو از اهل لا اله الا الله اند و میان ایشان چندانکه میان آسمان و زمین فرق است و درجه پنجم آنست که این مسهل توحید در باطن وے بدان اقتصار نکند که شهوت مغلوب گرداند و هوا را زیر دست کند بلکه بکلیت هوا و شهوت را محو کند تا در هیچ کار متبع شهوت نباشد نه بر وفق شرع نه برخلاف شرع بلکه یک عزم و یک همت شود ولا یتحرک الا لله ولا یسکن الا لله ولا یتکلم الا لله - پس اگر مرد نان خورد نه از براے آن خورد تا لذت طعام بیابد لکن بضرورت خورد تا قوت طاعت و عبادت بیابد و اگر بقضاء حاجت رود براے فراغ عبادت رود تا مانع از خویشتن باز کند و فرق نکند میان آنکه طعام بمعده رساند یا از معده بیرون کند بلکه هر دو بضرورت فراغت و قوت عبادت را کند و اگر بخسپد براے آسائش نبود لکن براے تجدید قوت عبادت را بود و اگر نکاح کند براے شهوت نکند

لکن برائے سنت و تکثر امت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کند
تا بایشاں مباہات کند و ہمہ احوال وے ہمچنیں بود اگر گوید
و بشنود و بنگرد ہمہ برائے حق تعالیٰ بود و تفاوت میان ایں
درجہ و درجہ چہارم بسیار است چہ توحید آں مرد را از دست
شہوات بکلی بیروں نکردہ و لیکن از دست شہوات کہ خلاف شرع
بود بیروں کرد اما ایں مرد را مطلق از دست شہوات بیروں
کردہ است درجہ ششم آنست کہ توحید ویرا اولاً از دست وے
بکلیت و از دست ہر چہ در عالم است بیروں کند بلکہ ویرا از دست
آخرت بہمگی بیروں کند چنانکہ از دست دنیا در پیش ہمت و نظر ادراک
وے نہ نفس وے ماند و ہرچہ در عالمست و دنیا و آخرت جز خدا
تعالیٰ نماند و خود را فراموش کند و ہرچہ جز حق است فراموش کند
و از ہمہ غائب شود و ہمہ از وے غائب شوند نہ وے ماند نہ
عالم حق ماند و بس قل اللہ ثم ذرہم حال وے بود کل شئی
ھالک الا وجہہ نقد وقت وے بود اہل بصیرت ایں حالت را
الفنا فی التوحید گویند کہ جز از حق آنہمہ فانی بود بداں
معنی کہ اگر بفنا خود التفات کند بدیں التفات از حق تعالیٰ
مشغول شود و ہر کہ طاقت ادراک ایں ندارد پندارد کہ ایں
طاعت بیحاصل است و کمال توحید خود این است و آنچہ گفت
لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ
فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی
یبصر بہ و لسانہ الذی ینطق بہ پس صاحب درجہ پنجم
بخود بود و بخود گوید و شنود و بیند و لکن برائے حق نہ از برائے
خود اما ایں مرد با خود نبود و بخود نہ بیند و نشنود و نگوید
و لکن بہ و گوید و ازو شنود و او را بیند و ہرچہ بیند و آں
مرد ہمہ چیزہا می بیند لکن خدای را باں ہم می گوید ما رایت

شیئاً الا ورایت الله عز و جل معه این مرد خود جز خدائے
را نه بیند و می گوید ما اری الا الله و لیس فی الوجود غیر الله
آن مرد گوید معبود نیست جز خدائے و این مرد گوید موجود
نیست جز خدائے پس توحید آن مرد جز ویست از توحید این مرد که
آن مرد معبود جز وی نفی کرد و این مرد از موجود جز وی نفی
کرد و در نفی موجود نفی معبود زیاده است پس چنانکه درجات
توحید در توحید این مرد مضمر بود و در ضمن طی وی را حاصل
بود توحید وے با همه توحید هائے دیگران در طریق توحید این
مرد حاصل است پس آن مرد عامی گشت در حق این خاص الخاص
چنانکه ارباب دیگر درجات عامیٔ بودند در حق آن مرد - و کمال
درجه توحید این درجه ششم است و ارباب این مقام را در غلبات
این حالت شبه سکری پیدا آید و دران سکرد و گونه غلط کنند
یکے پندارد که اتحاد حاصل آمد و او خود حق گشت و هر دو
یکے شدند و دیگر داند که اتحاد محالست لکن پندارد که اتحاد
حاصل آمد وز آن بحلول عبارت کنند - پس صاحب خیال اتحاد
باشد که گوید انا الحق و سبحانی و ما اعظم شانی و چون
آن سکر بصحو بدل شود بدانند که آن غلط بود که حلول عرضی
را بود در جوهر یا جسمے را در باطن جسمی مجوف و این هر دو
بر حق تعالیٰ محال است و اتحاد دو چیز خود محال است اگرچه
هر دو محدث باشند زیرا که چون متحد شود از سه حال خالی نشود
یا هر دو موجود باشند پس متحد نه اند که هر دو هستند یا
هر دو معدوم باشند پس هر دو نیستند یا یکے موجود و دیگرے
معدوم پس اتحاد نبود پس کمال توحید این بود که موجود نیست
جز یکے نه آنکه معبود نیست جز یکے آن نیز درست است لکن
این بدان مشتمل است و زیاده ازان است سوال همانا گوی این

برآں مشتمل است و زیاده لکن ایں محال آمده است و نا معقول چه آسمان و زمین و کواکب و ملائکه و شیاطین همه موجود اند پس معنی چه دارد که موجود نیست جز یکے جواب ایں بشنو و بداں که اگر روز عید ملکے بصحرا شود با غلامان خویش و همه را اسپ و ساخت و تجمل و علم دهد چنانکه خود دارد پس کسیکه همه را بیند گوید ایں همه در توانگری برابر اند و همه تونگرند سخن وی راست نماید در حق کسیکه از سرکار خبر ندارد و پس کسیکه از سرکار خبر دارد گوید که ایں ملک ایں نعمت را بعاریت بایشاں داده است چوں نماز عید بکنند باز خواهد ستد پس اندریں صورت آں غلامان تونگر نیستند بجز ملک و راست به حقیقت ایں باشد که وے گفت که اضافت عاریت با مستعیر مجازی بود و بحقیقت مستعیر هماں درویش است که بود و تونگری بداں مال مستعار زا مستعیر منقطع نشد - اکنوں بداں که وجود همه چیزها عاریتی است و از ذات چیزها نیست بلکه از حق است و وجود حق ذاتی است نه از جاے دیگر آمده است هست بحقیتت وے است و دیگر چیزها هست نمایست در حق کسیکه نداند عاریتی است پس آنکه حقیقت کارها بشناخت کل شئی هالک الا وجهه وے را عیاں گشت ازلاً و ابداً نه آنکه وقت مخصوص چنیں باشد بلکه همه چیزها در همه وقت ها از انجا که ذات ویست معدوم است و هستی ویرا از ذات خود نیست بلکه از ذات حق است پس ایں موجود مجازی بود نه حقیقی پس ایں سخن که موجود نیست جزوی درست باشد پس انگه لا هو الا هو درست بود که هو اشارت بموجود است پس اگر موجودے بود که جزوی موجود است موجود نیست جز وے در حق وے درست نیست و اشارت جز بوے راست نیست معنی لا اله الا هو اینست که اگر کسے فهم نکند معذور

است که این بر اندازه هر فهمی نیست مسئله پرسیدی که معنی سخن که الله هوالنور چیست و نور آن بود که آن را روشنی بود و شعاعے جواب بدانکه معنی این هم در کتاب چنان پیدا کرده است که هر که تامل کند این معنی وے را ظاهر شود و اگر نور جز این نور محسوس نبودے که شعاعے دارد خدا تعالیٰ قرآن شریف و رسول را نور نگفتے و انزلنا علیکم نوراً مبینا هیچ معنی نداشتے و نگفتے الله نور السموات والارض پس بدانکه نور عبارتست از چیزے که وے را نه بینند و پس چیزهاے دیگر را بوے بینند و این اضافت با چشم ظاهر است که آن را بصر گویند و دل را چشمے است و آن چشم را نوریست با اضافت با وے و هم چون نور مبصر است باضافته چشم ظاهر و ازین سبب بود که عقل را نور گویند و قرآن را نور گویند و رسول را نور گویند - بدان که وے را بتوان دید بچشم دل و دیگر چیزهاے بتوان دید و او خود را نیز نه بیند پس اسم نور بوے اولیٰ تر از انکه بنور چشم ظاهر که قوت ابصار نور را گویند که چیز ها بینند از انکه وے خود را نه بیند و عقل خود را نه بیند و دیگر چیز ها را بیند پس شعاع و روشنی چشم ظاهر دیگر است و روشنی چشم باطن دیگر و قرآن نور است و رسول نور است باضافت با چشم باطن پس چون روا بود که عقل را نور گویند بدان سبب که سبب دیدار چیزهاست آن که عقل و دید ازویست و همه چشمها باطن و ظاهر ازویست و هر ظهور و نور و دیدار او که در عالم است ازویست این اسم بروے صادق تر و چون معنی درست بود و لفظ در کتاب و سنت آمده باشد چه مانع باشد و شرح این در کتاب مشکواة الانوار تمام تر ازین گفته آمده است اعتراض اگر بر لفظ است این لفظ در قرآن

است که الله نور السموات والارض و در خبر است که رسول صلی الله علیه وسلم را از شب معراج پرسیدند که حق را دیدی گفت نور انی آرے و اگر اعتراض بر معنی است چون شرح آن گفته آمد و دران هیچ شبک نیست اعتراض پس ازین سخن جهل بود مسئله پرسیدی که معنی این سخن که روح آدم غریب است و شوق او بعالم علویست چیست که می گویند که این سخن نصاریٰ و فلاسفه است جواب بدانکه لا اله الا الله عیسیٰ رسول الله سخن نصاریٰ است ولکن حق است باطل نیست سخن حق بدانکه مبطلی بگوید باطل نشود و غایت جهل این باشد که کسے پندارد که هر یک باطل بگفت هرچه دیگر بگوید باطل شود اگر چنین باشد پس مبتدعان و کفار قادر اند بر انکه بهرچه حق است اعتراف نمایند مگر بدان یک چیز که کافر و مبتدع بدانند وهمه حقها باطل شود لکن طریق عقلا آنست که امیر المومنین علی رضی الله عنه گفت لا تعرف الحق بالرجال اعرف الحق تعرف اهله پس این سخن که روح آدمی غریب است این جا و اصل وی از بهشت و کار وی موافقت ملاء اعلی است و قرار گاه و وطن وی ازان عالم است که وی را بهشت گویند و عالم علوی گویند و همه قرآن و کتاب برین دلیل است و بد انکه فلسفی یا نصرانی بدین قرار دهند باطل نشود این از وے آیات و اخبار ظاهر است اما از روے بصیرت هر که حقیقت روح را آدمی بشناخت بدانست که خاصیت وی معرفت حضرت الٰهی است و غذاء وے آنست و هر چه خاصیت این عالمست از ذات با وی غریب است و عارض روا بود که بشود و با وے جز معرفت حق تعالیٰ و معرفت حضرت ربوبیت نماند و وے بدان زنده باشد و باقی و متنعم و شرح و تحقیق آن در کتاب احیا و کیمیا گفته آمده است هر که خواهد که بداند دران

کتب تامل کند و هر که بچشم عناد و تعنت نگرد چون آن کتب او را شفاندهد این مختصر نیز ندهد و زبان حسد و عناد هرگز منقطع نشود و دل دران بستن هیچ معنی ندارد و اگر کسے را طلب حقیقت این علم است و از کتب حاصل نمی شود و استقلال فهم آن ندارد ببابد آمدن و بیاید خواندن فالعلم ما یوخذه من افواه الرجال که در پنج کتاب هیچ سخن نه گفته ام که نه به برهان قطعی اثبات آن توانم کرد و باهر کسے که او فهم دارد و از بیماری حسد و عناد خالی باشد نه با کسے که در حق وی چنین آمده باشد انا جعلنا علی قلوبهم اکنةً ان یفقهوه و فی اذانهم وقرا و تدعهم الی الهدی فلن یهتدوا اذا ابدا ـ

اما آن چه درخواسته است که هر چه ازین جنس سخنها مشکل است شرح کند تا آشکارا شود بدانکه در هیچ کتابے سخن نیست الا که شرح آن بآن بهم است کسے را که فهم کند و هر که بدان فهم نکند جز بدانکه بیاید و بیاموزد و بمشافه بشنود هیچ تدبیر ندارد و اعتراض جاهل محصور نبود که از کجا خیزد تا ازان جواب توان داد که اسباب جهل و بیماری دلها مختلف است و در حصر نیاید دل دران نباید بست که اگر سخنے از اعتراض نگه توانستے داشت قرآن را نگه داشتند چون اعتراض جهال از قرآن قطع نکردند تا صد هزار اشکال درد دل هاے جهال بمانده است که علاج نمی پذیرد و در دیگر سخنها این جمع محال بود ـ شعر

و من یک ذافم مر مریض
یجد مراً به الماء الزلالا

مسئله پرسیدی که معنی این سخن که افشاء سرالربوبیه کفر است چه باشد که اگر این سر راست باشد کفر چرا بود و اگر دروغ بود در سر ربوبیت دروغ چون بود ـ جواب بدانکه این سخن ابو طالب در قوت

القلب حکایت کرده است از بعضے سلف و من در کتابے پیش ازیں گفته ام قال بعض العارفین افشاء سرالربوبیة کفر - و معنی ایں سخن آنست که در اسرار ربوبیت چیز هاست که بیشتر افهام احتمال آن نکند و بدان سبب شنونده طاقت آں حق ندارد و در حق وی باطل بود و معنی ایں سخن که رسول الله صلی الله علیه وسلم گفته است نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم این بود و یک مثال ایں سر قدر است و یکی سر روح و علماء راسخ هر دو را دانند و نگویند که خلق فهم ندارند و بدان نیز در کفر افتد و در خبر است که القدر سرالله فلا تفشوه و بر مذهب گروهے یک مثال تنزیه است از جهت ازانکه چوں ایں سر بگوی که خداے بجهت نیست و بعالم متصل نیست و منفصل نیست و داخل عالم نیست و خارج نیست و هر شش جهت از وی ۱۲ خالی است بیشتر خلق طاقت شنیدن ایں ندارد کافر شوند و گویند که چوں چنین است خود نیست که هر چه بیرون عالم و درون عالم نیست آں معدوم است یا گویند ایں باطل است و نشاید که چنیں بود و در تشبیه افتد و ایں یکے از جمله اسرار آلهیست از جمله تقدیس که هرگز رسول الله صلی الله علیه و سلم و صحابه رضی الله عنهم بدیں صریحی نگفتند با آں که دانستند که چنین است ایں مثال ایں مسئله است بر مذهب گروهے و هر که طریق سلف دارد مثال دیگر نزدیک گروهے آنست که گویند نشاید که گوئی هر چه ما کنیم و گوئیم از ذکر و طاعت کفر و معصیت خدا را ازاں خوش نودی بود یا خشم بلکه هر دو نزدیک وے برابر بود که ویرانه خشم است نه خشنودی پس چرا خویشتن را ما نجه داریم پس گویند تاویل رضا و غضب نشاید گفتن تا آں که معلوم است که خداے خشمگین

---

۱۲ لکنه قال الله تعالی اینما تولوا فثم وجه الله - سید ۱۲

نشود که نقصانے بود و خشم بر کسے روا رود که دیگرے بروے چیزے تواند کرد بخلاف مراد وے آن که جزوے فاعل نبود خشم چون گیرد و با که گیرد و خشنود کسے شود که مراد وے حاصل کنند و ویرا هیچ غرضے نبود که حاصل شدن آن وے را اولیٰ تر بود از نا شدن پس خوش نودی وے محال بود و گفتن این خلق خلق را از طاعت باز دارد و در کفر و اباحت افگند و مثال این بسیار است و سر قدر نگوئیم نه سر روح و وجه ضرر رسیدن بخلق در شنیدن این مسئله مفهوم تر شود لکن چون رسول الله صلی الله علیه وسلم را دستوری ندادند که بیش ازین گوید الروح من امر ربی بیش ازین گفتن رخصت نیست اما سلیم دل مردے بود که پندارد که پیغمبر صلی الله علیه وسلم حقیقت روح بدانسته باشد که هر که حقیقت روح ندانست خدا را ندانسته باشد یا خداے را دشوار تواند دانست -

باب دوم

در آنچه بوز را نوشته

و آن دوازده نامه است پنج بصاحب شهید نظام الدین فخر الملک و یکے جواب صدر الوازرا احمد بن نظام الملک و سه بشهاب الاسلام پیش از وزارت و سه بوزیر شهید مجیر الدین تغمد الله بغفرانه و هر یک ازیں نامها گنجے است از گنجهاے حکمت و صد فیست مشحون باسرار شریعت ـ

نامۀ اول

که بنظام الدین فخر الملک نوشته است مشتمل بر تحذیر و تذکیر اسرار و حقائق شرح و عقل

بسم الله الرحمن الرحیم

امیر و حسام و نظام و هر چه بدیں ماند همه خطاب و القابست و از جمله رسم و انا و اتقیاء امتی براء من التکلف معنی امیر بدانستن و حقیقت او را طلب کردن مهم تر هر که باطن و ظاهر او بمعنی امیری آراسته است امیر است اگرچه او را امیر نگویند و هر که ازیں معنی عاطل است امیر نیست اگر همه جهان او را امیر گویند و معنی امیر آن بود که امر او بر لشکر او روان باشد و اول لشکرے که در آدمی کرده اند جنود باطن اوست و ایں جنود اصناف بسیار اند و اما یعلم جنود ربک الا هو

و روساء ایشان سه اند یکے شهوت است که بقاذ و رات و مستقبحات
گر اید و یکے غضب است که قتل و ضرب و تهجم فرماید و دیگر
کر بزیست که بمکر و حیلت و تلبیس فرماید و این معانی را اگر
از عالم شکل و صورت کسوتے بوشیدندے بسزا یکے خنزیرے
بودے و دیگر کلبی و دیگر شیطانی و خلق دو گروه اند گروهے که
این هر سه را مقهور و مسخر کرده اند و فرمان بر ایشان روان کرده
این قوم امیران و پادشاهانند و گروهے اند که کمر خدمت ایشان
برمیان بسته اند و شب و روز در طاعت و متابعت ایشان ایستاده
و این قوم اسیرانند و نابینایان این عالم باشند که امیر و بادشاه
را گدا و مسکین گویند و آن اسیر فرو مانده را امیر و وزیر و بادشاه
گویند و اهل بصیرتان هم چنان شوند که سیاهان را کافور گویند و
بادیه مهلک را مفاده گویند و ازین تعجب نکنند که دانسته داند
که این عالم عالم التباس و انعکاس است و این چه عجب که اصل
آفرینش هر دو عالم که یکے عالم حقائق و معانی است و آن را
عالم ملکوت گویند و یکے عالم صورت آن را عالم شهادت گویند
بنا بر التباس دارد هر چه عالم شهادت است نیست هست نمایست
ولاشے در صورت شے و هر چه عالم حقیقت است هست نیست نمایست
و این باضافت با این چشم است که خلق این را دیدار می دانند
بوقت مرگ چون این چشم فرا شود حقیقتے از غشاوه این عالم
بیرون آید قصه قلب افتد هر چه را هست پنداشت همه نیست نماید
و هر چه را نیست پنداشت خود هست همه آن بیند گوید بار خدایا
این چه حالت است کارها معکوس گشت خطاب آید که فکشفنا
عنک غطائک فبصرک الیوم حدید گوید آن ندانستم
که چنین بود و گوید ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا
نعمل صالحاً جواب دهند اولم نعمرکم ما یتذکر فیه من

تذکر و جاء کم النذیر فذوقوا فما للظالمین من نصیر
گویند در مصحف قدیم نشنیدید که گفت کسراب بقیعة یحسب
الظمان ماء حتی اذا جاءه لم یجده شیئا و وجد الله عنده
فوقاه حسابه و همه نا کسے گوید که هست نیست نمائی و نیست
هست نمائی مفهوم نیست و حقائق معانی بافهام ضعیفه بمثالے توان
رسیدانید گرد بادے که در هواے صافی از زمین برخیزد و بر صورت
مناره مستطیل به خویشتن می پیچد کسے در نگرد پندارد که خاک خود
را مے پیچاند و می جنباند و نه چنانست که با ذره خاک ذره هواست که
محرک اوست لیکن هوا را نتوان دید خاک را بتوان دید پس خاک
در محرکی نیست هست نمایست و هوا هست نیست نمایست که خاک
را در حرکت جز مسخری و بے چارگی نیست در دست هوا و سلطنت
همه هموار راست و سلطنت هوا ناپید است بل مثالے که به تحقیق
نزدیک تر است روح به قالب تست که روح هست نیست نمایست
که کس را بد و راه نبود و سلطان و قاهر و متصرف وے بود و
قالب اسیر بے چاره است او هر چه بیند از قالب بیند و قالب ازان
بے خبر بل کل عالم را با قیوم عالم همیں مثالست که قیوم عالم
هست نیست نمایست در حق اکثر خلق که هیچ ذره را از عالم
قوام وجود نیست بخود بل بقیوم اوست و قیوم هر چیز بضرورت
باوے بهم باشد و حقیقت وجود وے را باشد و وجود مقوم از و بر
سبیل عاریت بود وهو معکم اینما کنتم ولکن کسیکه معیت
نداند الا معیت جسم با جسم یا معیت عرض با عرض یا معیت عرض
یا جسم و ایں هر سه در قیوم محال باشد ایں معیت فهم نتواند کرد
و معیت قیومیت جسمے را نیست بلکه معیت به حقیقت این است و ایں
هست نیست نمایست کسانیکه ایں معیت را نشناسد قیوم را بجویند
و می باز نیابند و کسانیکه ایں بشناختند خود را بجویند و می باز

نیایند بلکه همه حق را می بینند و می گویند لیس فی الوجود الا القیوم و بسیار فرق بود میان کسی که خود را بجوید و می باز نیابد و میان کسے که قیوم را می جوید و می باز نیابد و این سخن از اندازه بکلیت بیرون است اما فرا سر قلم آمد نا ساخته و هما نا سبب آنست که او را کیاستے هست زیادت از انکه ابنا ے جنس وے را باشد زنهار زنهار که بخداے تعالی استعاذت کند از قصور کیاست خویش که بیشتر خلق که هلاک شدند از کیاست ناقص شدند و اکثر اهل الجنة البله و اهل العلیین ذو الا لباب و خلق سه گروه اند یکے عوام که به تقلید قناعت کرده اند و راه فراتصرف درکار خویش ندانند بلکه از دیگرے آموزند و اگرچه بسے رتبه نیست این قوم از اهل نجات‌اند و یکے ذوالا لباب و ایشان اهل علیین اند و در هر عصری از ایشان یکے باشد یا دو بسیار نه بود وسیوم اهل تصرف اند بکیاست خویش و این قوم هلاک شدگانند طبیب بکمال شفا نزدیک است و مقلدوی چون تصرف در باقی نه کند اما نیم طبیب در خون و جان بیماران بود و هر که او فرا تصرف آمد که بکیاست ناقص او تصرف می کند هم نیم طبیب است و سر چنین زیرکان ابلیس است که نوعے زیرکی و تصرف که او را مخالف داشت و بقیاس و برهان گفتن مشغول شد و گفت انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین و حسن بصری رضی الله عنه را پرسیدند که ابلیس فقیه و زیرک هست گفت هست و اگر نبودے زیرکان و فقها را از راه نتوانستے برد و علامت اولوالالباب آنست که شیطان را بدیشان هیچ دست نبود چنان که گفت ان عبادی لیس لک علیهم سلطان و هر که او را کسل یا شهوت بران دارد که خلاف فرمان حق کند وے شاگرد شیطانست و نایب او فا تخذتموه عدوا انما یدعوا حزبه

لیکونوا من اصحاب السعیر ـ و اگر سعادت آخرت می خواهی فرمان حق تعالی پیش گیر و میرس و مجوی و تصرف مکن الا در فرمان حق تعالی اگر دلت قرار نمی گیرد تاشمه از حقیقت کار ها بشناسی از کتاب کیمیاء سعادت طلب کن و صحبت کسے اختیار کن که وے از دست شیطان برسته باشد تا ترا نیز برهاند والسلام

نامۂ دوم

که بفخر الملک نوشته است در معنی قضا و تحریص کرده او را بر تقلید قضا کسے را در صلاحیت شایستگی آن دارد

بسم الله الرحمن الرحیم

مجلس عالی بتوفیق آراسته باد تا درمیان مشغله دنیا نصیب خویش را فراموش نکند قال الله تعالی ولاتنس نصیبک من الدنیا و نصیب هر کس از دنیا آنست که زاد آخرت برگیرد چه همه خلق مسافرند بحضرت الٰهیت و دنیا منزلیست برسر بادیه آن سفر نهاده و مثل غافلان نگرفته زاد مثل حاجیانست که به بغداد رسند و بتماشا مشغول شوند پس یکے پاے در بادیه نهد بے زاد و اشتر پندارد که روے بکعبه دارد و غلط پندارد که روے بهلاک خویش دارد و زاد آخرت تقویست و اساس تقویٰ دو چیز است التعظیم لامر الله والشفقة علی خلق الله و هر سلطان که ریاست و عمل وشحنگی بکسے نا شایسته دهد دران چندان خطر نباشد که ولایت قضا بنا شایسته دهد چه ریاست و عمل از دنیاست و اگر با اهل دنیا دهند لائق باشد اما چار بالش قضا مقام نبوتٔ است و منصب مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم ولیحکم بما انزل الله هرکه

مصطفیٰ را در دل او قدرے هست در منصب او متشاند الا کسے را که در قیامت از و خجل نباشد چون این نگاه ندارد التعظیم لا مر الله رفت که تعظیم او در تعظیم منصب نبوت است والشفقة علی خلق الله رفت که املاک و دماء و فروج در خطر نهاد کسے که چنین کند چه پندارد که آخرت را چه بگذاشته است چه از یکے از خطرهاے کار قضا مال ایتام است چون صاحب تقویٰ نباشد مال ایتام باقطاع داده باشد و قد قال الله تعالی ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا و سیصلون سعیرا چون کسے ازین و عید باک ندارد دیگر کارها هم باک ندارد و این و عید در قرآن بدان مخصوص نیست که این می کند بلکه دو شریک دارد یکے آن دستور مبارک که آن را تمکین کند و دیگر از مسلمانان کسے که تواند که این باز نماید و تقصیر کند همه شریک باشند و چون بکسی متدین تفویض کند دماء و فروج و املاک مسلمانان در حصن حصین کرده باشد و امروز فلان کس در حسن سیرت و دیانت بے نظیر است و شایستگی وی این شغل را بر صدر وزارت پوشیده نیست چه ناحیه جرجان امروز بد و زنده است وراے عالی بدانچه بیند صوابتر والخیر بضع الله تعالیٰ والسّلام ۔

نامهٔ سویم

که بصاحب شهید فخر الملک نوشته است

مشتمل بر زجر وردع بلیغ از ارتکاب محذور و حث و تحریص تمام بر انصاف و معدلت و تخفف مؤن از اهل طوس و حمل بر اقتدار به پدر خویش نظام الملک بر سرنامه نوشته بود شربت تلخ با منفعت فرستاده آمد بخلوت خالی تامل کند و بسمع دین بشنود که شربت تلخ با منفعت از دوستان حقیقی رود و شربت شیرین با مضرت از دست دوستان ظاهر و دشمنان حقیقی ۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا و اتقیاء امتی براء من التکلف و القاب بهم باز نهادن راه تکلف و عادتست و سخنی که از سر دیانت رود باید که از عادت دور بود. و در راه عادت نیز منصبی که بکمال رسید از پیوند القاب مستغنی بود و چون جمال بنهایت رسید مشاطه بیکار شود و اگر کسی گوید "خواجه امام شافعی" یا "خواجه امام ابو حنیفه" قدحی بود که کرده باشد و کاری بکمال را از جهته خویش پیوندے ساخته بود و الزیادة علی الکمال نقصان کار تو نیز در خواجگی دنیا بمحلے رسیده است که با تو گفتن که تو چنین و تو چنانی بے خطاب هیچ نقصان ندارد آمدیم بخواجگی کار دین که بهتر ازین میباید بدانکه روزگار فتراتست و آخر زمانست و کارهاے دینی بآخر کشیده است اقترب للناس حسابهم و هم فی غفلة معرضون و هر کسے را در وقت فترت بحصنے حصین حاجت بود و گروهے حصن خویش از خیل و لشکر و شمشیر و تبر ساختند و گروهے از جمع نعمت و مال و دیوار بلند و در آهنین ساختند و گروهے از درویشان و دعاء مسلمانان ایزد سبحانه تعالیٰ از حال و برسبق دار عین و قسمین و غیر ایشان برهانی ساخت بر خطاے فریق اول تا بدانند که خیل و لشکر بلاے آسمان را دفع نکند و از حال عمید طوس و غیر او برهانی ساخت بر خطاے فریق دیگر تا بدانندکه دیوار بلند و در آهنین و جمع نعمت دفع بلا نکند بلکه سبب بلا گردد تا بذوق این معنی از آیت هاے قرآن بدانند که گفت جمع مالا و عدده یحسب ان ماله اخلده کلا الی اخوالسوره و ما اغنی عنی مالیه هلک عنی سلطانیه وما یغنی عنه ماله اذا تردی

و از حال حمید خراسان برهانی ساخت برصواب فریق سهیم تا بدانند
که کاسه شوربا و قرص جوین که بدرویشی رسد آن کند که
صد هزار دینار و صد هزار سوار نکند کارد زده و جرأت کرده را
باطل کند تا خلائق را معلوم شود که لشکر از سهام اللیل باید
ساخت نه از سهام الخیل و بدین معجزه صدق مصطفیٰ صلی الله
علیه وسلم بدانند که گفت الدعا یرد البلاء و گفت الدعاء
والبلاء یتعالجان فرزند نجیب آن بود که چهار بالش و دولت
خویش بجا کرِ خویش تسلیم کند آن پدر شهید تو قدس سره
و دفقک الاقتدا به چون شنیدی که صاحب کرمان خیرات
کند هفت اندام او بلرزه آمدی نه ازانکه خیرات را کاره بودے لکن
گفتے که نباید که از مشرق تا مغرب کسے بود که در خیرات او
برمن سبقت گیرد و فی ذالک فلیتنافس المتنافسون حسد
در همه چیزهاے حرامست مگر در دین که واجبست قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم لا حسد الا فی اثنین رجل اتاه الله ما لا
فهو ینفقه فی سبیل الله و رجل اتاه الله علما فهو یعمل
و یدعوا الخلق الیه به حقیقت بدانکه این شهر از قحط ظلم
ویران بود و تاخیر تو از اسفراین و دامغان بود همه هی ترسیدند
دهقانان از بیم غله میفروختند و ظالمان از مظلومان عذر می خواستند
اکنون که اینجا رسیدی همه هراس و خوف برخاست و دهقانان
و خبازان بند بر غله دوکان نهادند و ظالمان دلیر گشتند و دست
فرا دزدی و مکابره بشب چند دکان و سراے قصد کردند و تهمت
کالاے عمید عمده خویش ساختند و مردمان زاهد مصلح بے جرم
را به تهمت زدن گرفت اگر کسے کار این شهر بخلافِ این حکایات
می کند دشمن دین تست رعیت را دریاب لابل کار خویش را دریاب
و برسرے خویش رحمت کن و خلق خدا ضائع مگزار و از یا رب

درویشان که شب و روز میکنند بترس اگر این کار بجهد تو باصلاح آید و اگر باز نیاید بدین ماتم و معصیت بنشین که خدای تعالی میگوید خلقت الخیر و خلقت له یدا فطوبی لمن خلقة للخیر و تشرت الخیر علی یدیه ویل لمن خلقة للشر و نشرت الشر علی یدیه علاج این چنین مصیبت آب چشم بود نه آب انگور همه دوستداران بدر نظامی بدین مصیبت خویش بے خبر باشند و بنشاط مشغول و بدانکه دعاے مردمان طوس به نیکی و بدی مجرب است و عمید را این نصیحت بسیار کردم نپذیرفت تا حال وے عبرت همه گشت -

وما ظالم الا ویبلی بظالم — ثم ینتقم الله منهما جمیعا

و به حقیقت بدانکه هیچ خداوند مال و ولایت نیست که نه ویرا همین فرا پیش است قطعاً و یقیناً که هر که دل خویش در عشق مال و ولایت بسوخت بضرورت در فراق آن بسوزد لکن این برسه درجه بود یکے درجه سعد او و این آن بود که مال و ولایت باختیار خویش بیفگند وبا مظالم دهد و بصدقه دهد و این توبه و تفرقه اگرچه باختیار بود دل وے را بسوزد و لکن بسازد و منهم سابق بالخیرات این بود و دوم درجه آن بود که کسے را بروے مسلط کنند تا بقهر از وی بستاند و این از وجہے نکال و عقوبت بود و از وجہے کفارت و طهارت و منهم مقتصد این بود و سوم درجه اشقیا است که مال در دنیا از و جدا نکنند نه بقهر نه باختیار و کار بآخر بملک الموت فگنند والعیاذ بالله و این از همه عظیم تر بود و لعذاب الاخرة اکبر لو کانوا یعلمون فمنهم ظالم لنفسه این بود و من عجلت عقوبته فی الدنیا فهو سعید جهد کن تا از سابقان باشی بخیرات که آن دو درجه دیگر درجه شقا و تست و از سه شربت چشیدن یکے ضرورت است قطعاً و یقیناً

بشنو ایں سخنہاے تلخ با منفعت از کسیکه او طمعگاه خویش را
ہمه سلاطین وداع کرده است تا ایں سخن می بتواند گفت و قدر
ایں سخن بشناس که نه هانا از کسے دیگر شنوی بدانکه هر کس
که جز ایں میگوید با تو طمع وی حجابست میان او و میان کلمۃالحق
و بحق خداے و بحق آں پدر شهید بر تو که امشب درمیان آنکه
خلق خفته باشد برخیز و جامه پاک در پوش و طہارتے کن و پاکیزه
جاۓ خالی طلب کن و دو رکعت نماز بکن و روے بر زمین نه
پس از سلام بتضرع و زاری و گریستن از ایزد تعالیٰ در خواه
تا راه سعادت بر تو کشاده کند و دراں سجود بگو یا ملکا لا یزول
ملکه ارحم ملکا قارب الزوال ملکه وایقظه من غفلة
و وقفه لاصلاح رعیته انگه پس ازیں دعا یک ساعت اندیشه
در کار رعیت کن دریں قحط و ظلم تا به بینی که راه مصالح چوں
کشاده شود و مدد خیر آں چوں پیوسته گردد والسّلام -

نامۂ چہارم

که بفخر الملک نوشته در حق امام شهید ابراهیم مبارک

بسم الله الرحمٰن الرحیم

مجلس عالی نظامی بضیاء سعادت و سیادت اخروی آراسته
باد و آں دل عزیز بضیاء انوار الٰهی منور آں ضیاے و نوری که
سبب انشراح صدور بود چنانکه خداے تعالیٰ گفت فمن یرد الله
ان یهدیه یشرح صدره للاسلام افمن شرح الله صدره
للاسلام فهو علی نور من ربه و آں نور و ضیا چوں پیدا شد
علامت آں بود که چوں در دنیا نگه کند همه خلق از وے ظاهر
آراسته بیند و وی باطن آلوده بیند و چوں در عمر نگه کند همه

خلق از و طراوة هدایت بیند و وی خطر و حسرت آخرت بیند و چون در مرگ نگه کند همه خلق آن را و عدو نسیه دانند و وے آن را نقد وقت بیند و یعلم ان ما هو آت قریب و ان الموت اقرب الی کل احد من شراک نعله و چون در امثال و اقران خویش نگاه کند مسرح نظر همگنان انواع توقع و تمتع ایشان بود و مطمع نظروهمت وے انواع تفجع بود از خوف خاتمت و باخویشتن میگوید افرایت ان متعناهم سنین ثم جاء هم ما کانوا یوعدون ما اغنی عنهم ما کانو یمتعون و اگر صدر وزارت را این نور و ضیا ارزانی دارند علامت آن بود که از دل خود لوحے سازد و عاقبت و خاتمت کار وزراے که در عمر خود یاد دارد در آن لوح نقش کند و مطالعه آن بکند نظام الملک تاج الملک فخر الملک اولم یروکم اهلکنا قبلهم من القرون یمشون فی مساکنهم ان فی ذلک لایات لاؤلی النهیٰ الم نهلک الاولین ثم نتبعهم الآخرین و قال علیه الصلوٰة والسلام ایها الناس کان الموت علی غیر ما کتب وکان الحق فیها علی غیر ما وجب وکان الذین نشیعهم من الاموات سفر عما قلیل الینا راجعون نبوئهم اجداسم و تاکل تراثهم کانا مخلدون بعد هم قد نسیا کل واعظ واتهمنا کل صائحة هر یکے از وزراء از خاتمت کار آن دیگر غافل بودند همه علت و ولایت کار وے دیدند و این قدر ندانستند که ضعیف کارے بود بکاروے تباه شود مثل الذین اتخذوا من دون الله اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا الآیة ایزد سبحانه تعالی صدر وزارت را بضیاء این نور آراسته دارد تا از کارها سر و حقیقت بیند نه ظاهر و صورت و مبداء و منبع این نور دو خصلت است عذل و عدالت ۔ عدالت آن بود که در بندگی خداے تعالی چنان

باشی که خواهد که بندگان وے باشند در خدمت او و عدل آن بود
که با خلق آن کند که اگر او رعیت باشد دیگرے صاحب ولایت
پسندد که باوے آن کند و این دو کلمه را قبله خویش سازد و در
هر معامله که پیش آید باخلق و باخالق با این دو اصل رجوع کند
و سلطان عادل که مخدوم است بدین دو کلمه مختصر دعوت می کند
و نگذارد که حال خرابی ولایتها از نظر میمون او پوشیده دارند که
در قیامت بدین مداهنه ماخوذ باشد و هر چند که راه انقباض در
مخالطت و مکاتبت پیش گرفته ام الا بقدر ضرورت این حرفها نوشته
آمد بر سبیل تهنیت وزارت و انهاء آسایش اهل دین بدین نعمت و بر
چیزے دیگر نیز تنبیه کرده می آید تهنیت از تحف خالی نبود انما تحفة
العلماء بعد وظیفه الدعاء الا رشادالی مصالح العباد
شهر گرگان مدتے بود تا نه عالمے عامل خالی بود که وجود او
اقتدا را شاید اکنون که ناصح المسلمین ابراهیم مبارک باوطن خویش
معاودت کرد و آن ناحیه بعلم و ورع وے زنده شد و فواید او در
تذکیر و تدریس منتشر شد و اهل سنت را بتازگی حیواتے و انتعاشے
حاصل آمد و آن خواجه قریب بست سال در صحبت من بوده است بطوس
و نیشا پور و بغداد و در سفر شام و سفر حجاز و زیاده از هزار کس
از طلبه علم بر من گذر کرده اند نظیر وے در جمع میان و نور
علم و صدق و ورع و تقوی کمتر دیده ام و در هر شهر که چون او
عالمی باشد آن شهر آبادان بود وے را از اعداء دین متعنتان پیدا
آمده اند و ممکن باشد که بنوعے از حیله و تلبیس توسلے سازند و
التماس کنند که وهنے بکار او راه یا بد فرض دین صدر وزارت آنست
که وے را در کنف حمایت و عنایت خود دارد و دعاء وے ذخیره
قیامت سازد و هر چه بتمشیت و تربیت کار او باز گردد مبذول دارد
ایزد تعالی هدایت کار و نهایت کار وے بسعادت دینی و دنیوی

آراسته دارد و آفات و نوائب روزگار از حواشی آن مجلس مصروف بمنه و فضله والسلام ـ

نامهٔ پنجم
که بفخر الملک نوشته

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لله عباداً اختصهم بالنعم لمنافع العباد فاد وها فهم وکلاء الرحمن طوبی لهم و حسن ماٰب مطلوب ایزد عزو علی از افاضه نعمت بر اشقیاء مکر واستدراجیست چنان که گفت سنستدر جهم من حیث لا یعلمون واملی لهم ان کیدی متین و هیچکس کائناً من کان از اهل نعمت ازین دو حال بیرون نه اند انا هدیناه السبیل اما شاکرا و اما کفورا اما شکر نعمت و ولایت و تائید از و نصرت دنیا و آخرت افاضه عدل است و اقامت حق و اماتت ظلم و اظهار عطیت و رحمت و شفقت بر رعیت و بدین فرمودند انبیاء را علیه‌الصلواة والسلام یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض الایة و علامت کسیکه مقصود از نعمت دنیا در حق او شقا و تست آنست که هرچند رفعت و نصرت و دولت و نعمت بیشتر بیند تمادی بر بے شفقتی و بے رحمی بر خلق بیشتر بود و قرآن مجید فراوی میگوید الم نهلک الاولین ثم نتبعهم الاخرین کذالک نفعل بالمجرمین ـ چندانی غفلت و کفران نعمت در سینه او متراکم شده باشد که با خویشتن میگوید وما اظن ان تبید هذه ابداً و نشان کسیکه مقصود از نعمت دنیا در حق وی سعادت بود آنست که او را توفیق در احسان با خلق خدائے تعالٰی و چندانی کمال

عقل و رزانت دین و دیانت دهند وے را که هر کجا ادعیه فاسده و اطماع کاذبه بود و ماده ظلم و غبار حوادث همه بدست شفقت و رحمت از مرکز عالم بر دارد و شوایب بدعت از اکناف دین و دنیا دفع کند هرچند درجه او مترق تر میشود او برخلق خدائے رحیم تر و مشفق تر میگردد تا اینجا رسد که عزت این سرای بسعادت آں سرائے پیوندد و این خلعت یابد که عطاء غیر مجذوذ و این مثوبت و عطیت مدخراست مجلس سامی اجل را لازال سامیاً والسلام -

نامہائے وزراء

و نامه حجة الاسلام که نوشته است در جواب صدر الوزراء احمد بن نظام الملک وزیر عراق رحمهم الله که وے در آخر عهد حجة الاسلام اکرمه الله برضوانه مثالی فرستاده بود بر انواع تبجیل و اعزاز و اکرام و مبالغها کرده چنانکه نوشته آید انشا الله تعالیٰ بوزیر خراسان صدر الدین محمد بن فخر الملک و ویرا فرموده تا وی مثالی دیگر بآں ضم کند و نزدیک حجة الاسلام فرستد در معنی تدریس بغداد تا وی بزودی این مهم دین را متنهض شود از موافق تقدس نبوی مستظهر انار الله برهانه صدر الوزراء برین معنی تحریص نموده بودند و حجة الاسلام را بدین مجد بزرگ که خلافت صاحب شرع است تخصیص و تعین کرده چوں مثالها به حجة الاسلام رسید مزین بانواع تبجیل و اکرام و نشر مناقب وی موشح بتوقیعات وزراء و سلاطین مکرم بذکر انتظار و نهادن چشم ائمه عراق و بغداد و لشکر عراق و امام مقدس نبوی مستظهری قدوم وے را هر ساعت حجة الاسلام گفت ما را وقت سفر فراقست نه سفر عراق و جواب نامه باز نوشت و عذر امتناع از قبول باز نمود نامه غریب مشتمل

بر انواع وعظ و تذکیر و انذار و تحذیر کانه در یتیم اذا لخاطر بمشله عقیم -

نامهٔ وزیر عراق بوزیر خراسان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

زندگانی خواجه اجل سید صدر الدین نظام الاسلام ظهر الدولت نصیر الملة و بهاء الامة قوام الملک شمس الوزراء در عز و نعمت و سعادت و رفعت و بسطت و رضاء ایزد تعالیٰ دراز باد معلوم رای کریم است که نیکو ترین توفیقے و بزرگ ترین غنیمتے که یافته شود تازه گردانیدن آثار اسلاف رضوان الله علیهم اجمعین است و احیاء معالم خیرات ایشان و رفتن بر صورتهاء نیکو که نهاده باشند از احکام و دواعی دین و صلاح که جمله مسلمانان را شامل بود خاصه این مکرمت که بتمهید قواعد دین تشئید ارکان اسلام و طراوت علم شرع باز گردد و غایت منقبت آن دو جهان را حاصل و مدخر شود و پوشیده نیست که مدرسه نظامی قدس الله ایاها به بغداد مجدی بزرگ است که خداوند شهید قدس الله روحه آن را ابتنا فرموده است در مقر خلافت منعظم و جوار زعامت مقدس چناں جاے است که معدن علم دین و منبع فضل و موضع تدریس و ماواے آئمه و علماء و مقصد مستفیدان و طلبه علم است و اگرچه آثار خداوند شهید برد الله ضریحه در جهان منتشر است اما هیچ ماثرے بموضع تر ازاں نیست بحکم مجاورت سراے عزیز مقدس نبوی ضاعف الله جلاله و تاجهان باشد این خیر مخلد خواهد بود و این منقبت موبد برما و جمله اهل البیت فریضه است در تاسیس مبانی این مجد مبالغه نمودن و در نظر کار و حفظ نظام آن بهر غایتے رسیدن - و بر صدر الدین ایدنا الله ببقائه معین تراست

در مدادن بهر چه این بقعه مقدسه پیوندد واهزار صادق نمودن
ازانچه او مادر این خاندان را قرة العین است و از دو این وجه
فرخنده شاخے قویست و در بث خیرات و نیل مکرمات بسلف صالح
مقتدی و معلوم است که مقدم ترین اسبابے که مدرسه را بدان
حاجت است مدرس با علم و فضل و استعداد آلات افاده و اضافه
علمست - و هرچه هست از دیگر اسباب فرع باشد و مدرس اصل -
و طراوت علم و تیزی بازار درس بدوست و چون مدرسه از مدرس
خالی ماند در فواید در بسته شود و هر عدتے و آلاتے و اسبابے
که بمدرسه بود اگرچه بسیار بود عاطل گردد و تا این غایت از
بودن کیا امام هراسی و طبری رحمة الله کار این مدرسه با نظام
تمام بود و درسی متواتر میرفت چنانکه بسیار مستفیدان از وے
بدرجه افاده رسیده اند و فقهاء مناظر فراخاسته و علم را بازاری
روان و رونقے وافر پدید آمده و درمیان چشم زدگی افتاد چنانکه
شخصے ناگاه ربوده باشد و برحمت ایزد عز ذکره رسیده و آن قاعده
واهی گشت و بازار افاده و استفاده بشکست و در عراق کسے
نمانده است که بجاے آن سعید رحمة الله بتواند نشست و بران منوال
درس گفتن و افاضه علم کردن و بحکم آنکه ما را برخاطر هیچ
مهمی نبود برابر آنکه تدارک این کرده شود و نیز از سراے
عزیز مقدس نبوی ظاهر الله انواره ذریعت نمودند و تدبیر آن را
مبالغها فرمودند و این خطاب صادر شد تا صدر الدین اطال الله
بقایه به تحفظ این خیر جز بخواجه امام اجل زین الدین حجة الاسلام
فرید الزمان ابو حامد محمد بن محمد بن الغزالی ادام الله تمکنه اهتمام
نگیرد زانچه او یگانه جهان و قدوه عالم و انگشت نمای روزگار است
او در زمره آئمه دین تقدم و زعامت او را مسلم است و همه زبانها
بدین اوصاف که از وے نشر افتاد متفق است و از موافق مقدس

نبوی امامی ظاهر الله جلالها این منصب بد و مفوض شده و بروے
تنصیص کرده آمد و بروے مخطور و محرم گردانیده آمد که از مبادرت
بدین صوب و تصدی این شغل و اعتناق خیر هیچ امتناع ننمایند
یا عذرے پیش گیر و توقع چنانست از جانب کریم صدری ادام الله
علوه که هیچ مهم را بدین تقویم ندارند و در حال حجة الاسلام را
حاضر آرند و این شرح معلوم او کنند تا ساز آمدن کند بے هیچ
توقفے چه این بقعه مبارک که معطل مانده است و مستفیدان
منتظر استدرار فواید او اند و فقها و اصحاب مدرسه و فقهم الله
جز متابعت او را تن نمیدهند و فرمان اشرف نبوی لازال جلاله
که امتثال آن فرض واجب و حتم لازم است باستدعا او متواتر
شده است و وقت تانی نمی دهد و اگر چنان باشد که حجة الاسلام
ادام تمکینه عذرے آرد یا امتناعی نماید از وی قبول نکنند و بدان
هم داستان نشوند و او را تکلیف کنند و عذرات او ازاحت فرمایند
از خویشتن از وجهی که در نامه موید الدین معین الملک ادام
الله تائیده تعین افتاده است و اسباب آمدن او راست کنند و هرچه
زود تر او را گسیل کنند یعنی روانه سازند با صحبت مامون
چه انتظار رسیدن او را ساعت شمرده می آید تا این بیرونقی که
پدید آمد است از فقد مدرس برخیزد بمکان حجة الاسلام ادام الله
تائیده وان رونق تازه گردد و این منقبت طراوت تمام پزیرد و هیچ
امری که نمایند در احیا سنته سلف صالح و سپردن طریق ایشان
و ربط ایشان بخیر برآید ترتیب این کار بدین جمله که یاد کرده
آمد بشناسند و بزودے از کُنه حال اعلام فرمایند تا بدان اعتماد
افتد و رای الشیخ الاجل السید صدر الدین نظام الاسلام
شمس الوزراء ادام الله تمکینه یرمی و یحقق هذه الجملة
و نبذها امضیٰ انشاء الله تعالیٰ جده ـ

توقیع وزیر عراق

احوال مدرسه بغداد و رنجی که خداوند شهید قدس الله روحه، در آں برده است پوشیده نباشد و دل عزیز او مصروف بودے در ترتیب آں فرمودن از جهت آنکه در جوار سرائے عزیز نبوی امامی است و تا ایں غایته رونقی داشت بمکان متوفی نور الله ضریحه اکنوں خلل راه یافتست بفقد وے و برما جمله متعین است ایں اندیشه داشتن و مجدے راکه آں خداوند شهید انار الله برهانه فرموده است ترتیب آں کردن و جمله آئمه عراق و فقها چشم نهاده اند و طمع می دارندکه زین‌الدین حجة الاسلام حرکته کند و ایں مدرسه را بمکان خویش بیار اید باید که از جهت صدر الدین اهتزازے باشد و مبالغه رود و ایں بزرگ را نزدیک خویش حاضر فرماید کردن و الزام کردن در آمدن و رضا ندادن که تقصیر کند از جمله مهمات باید دانستن - والسلام -

نسخة الکتاب الذی کتبه نظام الدین احمد ابن الصاحب الشهید نظام الملک اسحاق ابن علی ابن اسحاق الی الامام حجة الاسلام یدعاه فیه الی تدریس النظامیه ببغداد ذلک بعد وفات الامام کیا هراس رحمه الله -

نامه وزیر عراق
بنام
حجة الاسلام

بسم الله الرحمن الرحیم

خواجه امام حجة الاسلام اطال الله تعالی بقاه بداند که عرفان قدر نعمتهای ایزدی عز ذکره و اداء شکر آں بر همه روزگار واجب

است و استدامته فیض آن جز شکر نتوان کردن چنان که ایزد تعالی در محکم تنزیل یاد کرده است لئن شکرتم لا زیدنکم و چون از نعمتها که حق تعالی در حق بندگان خویش کند و از موهبتها که ارزانی دارد هیچ چیز شریف تر و بزرگوار تر از علم نیست چنان که ایزد تعالی می گوید یوتی الحکمة من یشاء الایة آن کس را که بدین کرامت مخصوص گردانیده باشند و به پیرایه علم آراسته گشته متعین بود بر او شکر گزاردن و شکر آن نیست مگر افاده مستفیدان و افاضه علم بر سر مسلمانان ایزد تعالی حجة الاسلام را بهره وافر ترین داده است و بمزیته این فضل موسوم گردانیده و او را در علم که بزرگ ترین منقبتها است بدرجه رسانیده است که قدوه جهان ویگانه وقت و قایم روزگار شده است و هم چنان که بدین ماثر عدیم المثل منقطع النظیر است بروے متعین باشد اوقات خویش را مقصود گردانیدن بر تزکیه آن و آن زکواة جز نشر علم و ارشاد متعلمان نیست و هر چند ایام وے بدین خیر آراسته بوده است و هر کجا که او باشد و مسلمانان از فواید و برکات انفاس او خالی نباشد اما معلوم هست که هم چنان که او فرید زمانه است مقام و ما وے و مسکن وے مقدم ترین و بزرگ ترین د یا را اسلام باید که باشد که تا مقصود جمله متعلمان روے زمین گردد و در واسطه بلاد مسلمانان قرار گیرد و آن بغداد است و این اندیشه مدتهاست تا کرده شده است و بصواب مقرون و موصول اگر این التماس با جابت مشفوع گردانند برون ازانکه در فضیلت و مزید مثوبت کوشیده باشند خوش نودی و مراضی این جانب نیز جسته باشنده و این نهضت و حرکت و موجب ثواب جزیل و محامد و ثناء جمیل گردد انشاء الله تعالی -

نامه بنام صدر الوزراء

جواب عن الامام حجة الاسلام روح الله روحه فی دار السلام

بسم الله الرحمن الرحیم

قال الله ولکل وجهة هو مولیها فاستبقو الخیرات حق تعالیٰ می گوید هیچ آدمی نیست مگر روی بکاری دارد که آن مقصد و قبله ویست فاستبقو الخیرات شما روے بدان آورید که بهترین است و اندران مسارعت و مسابقت نمایند پس خلق در خیرے که قبله خویش ساختند سه قسم شدند ـ

یکے عوام که اهل غفلت بودند ـ دیگر خواص که اهل کیاست بودند ـ سیوم خواص که اهل بصیرت بودند اما اهل غفلت نظر ایشاں بر خیرات عاجل مقصور بود چناں پنداشتند که نعیم بزرگترین نعیم دنیا است که ثمره آں منبع جاه و مال است و روے بدیں دو منبع آوردند و هر دو را قوة العیون پنداشتند و رسول الله صلی الله علیه وسلم چنیں گفت ما ذئبان ضاریان ارسلافی ذریه غنم باکثر فسادا فیها من حب الشرف والمال فی دین المرء المسلم پس آں غافل گرگ را از صید باز نداشتند و قرة العین از سخنته العین باز نشناختند و راه نگونساری اختیار کردند و رفعت پنداشتند و از نگونساری ایشاں بود که رسول الله صلی الله علیه وسلم بدیں عبارت گفت تعس عبد الدینار تعس عبد الدرهم تعس ولا انتعش و اذا شیک فلا انتقش پس خواص اهل کیاست دنیا را بآخرت نسبت کردند و ترجیح آخرت را متفطن شدند و ایں آیة ایشاں را مکشوف شد والاخرة خیر و ابقی و بس کیاستے نباید تا کسے بداند که ابدے از منقضی

فانی بهتر پس روی از دنیا بتافتند و آخرت را قبلهٔ خود ساختند و این قوم نیز بهتر مطلق طلب نکردند و لکن به بهتر از دنیا چیزے قناعت کردند اما خواص خواص که اهل بصیرت بودند بشناختند که هرچه در ازاے آن چیزیست آن چیز مطلق نیست و هرچه فوق آن هست از جمله آفلانست والعاقل لا یحب الافلین پس بدیدند که دنیا و آخرت هر دو آفریده است و مطعم و منکح است که بهایم را دران شرکت است و بادشاه و آفریدگار دنیا و آخرت از دو بهتر است و این کلمه ایشان را مکشوف شد که والله خیر و ابقیٰ و آن مقام که فی مقعد صدق عند ملیک مقتدرا اختیار کردند برآن مقام که ان اصحاب الجنة الیوم فی شغل فاکهون - بل این قوم را حقیقت لا اله الا الله مکشوف شد و بدانستند که هرچه آدمی در بند آنست بندهٔ آنست و آن چیز الله و معبود ویست و ازین گفت سید صلی الله علیه وسلم تعس عبد الدرهم - پس هر کرا جز حق تعالیٰ مقصودیست توحید وے تمام نیست و از شرک خفی خالی نیست پس این قوم هرچه در وجود بود دو قسم متقابل نهادند الله و ما سواه و ازین دو کفه متعادل ساختند گلفتی المیزان از دل خود لسان المیزان ساختند چون دل خود را بطوع وے بکفهٔ بهترین مائل دیدند حکم کردند که قد ثقلت کفة الحسنات و چون از وی مایل دیدند حکم کردند که قد ثقلت کفة السیات و دانستند که هرکه برین تر ازو برنیاید تر از وے قیامت برنیاید و چنانکه طبقه اول در حق طبقه دوم عوام بودند طبقه دوم در حق طبقه سوم عوام بودند سخن ایشان فهم نکردند و ندانستند که النظر الی وجهه الله به حقیقت خود چه باشد اگرچه بزبان همی گفتند چون صدر الوزراء یبلغه الله اعلی المقامات مرا از جاے نازل تر بجاے رفیع تر میخواند

من او را نیز از اسفل السافلین یا علی علیین میخوانم و اسفل السافلین مقام گروه اول است و اعلی العلیین مقام گروه سیوم و قد قال الرسول علیه الصلواة والسلام من احسن الیکم فکافیئوه چون ازان جانب عاجز آمدم ازیں مکافات و مجازات چاره نیافتم پسیج آں کند تا بزودی از درجه عام ببقاع درجه خواص انتقال کند که از طوس و ببغداد و از جمله عالم بحق تعالی یکے است بعضے نزدیکتر نیست و بعضی دورتر وراه ازیں مقام بحق تعالی برابر هست و بحقیقت بداند که اگر یک فرض از فرائض دین بگزارد یا یک کبیره از محظورات شرع ارتکاب کند یا یک شب آسوده بخسپد یا در همه ولایت او یک مظلوم رنجور ماند درجه جز حضیض مقام او نیست و از جمله اهل غفلت است اولیئک هم الغافلون لا جرم انهم فی الآخرة هم الخاسرون اسال الله ان یوقظه من نوم الغفلة لینظر فی یومه لغده قبل ان یخرج الامر من یده آمدیم بحدیث مدرسه بغداد و عذر تقاعد از امتثال اشارات صدر وزارت و عذر آنست که از عاج وطن میسر نشود الا در طلب زیادت دین یا زیادت دنیا اما زیادت دنیا و اقبال طلب آں الحمد لله از پیش برخاسته است که اگر بغداد بطوس آورند بسے حرکتے ازینجانب و بملک و ملک سهنا و صافے دارند اگر دل بداں التفات کند مصیبت ضعف بود که آں التفات نتیجه آں بود که وقت را منقضی کند و پروائے همه کارها به برد اما زیادت دینی بعمری استحقاق حرکت و طلب دارد و شک نیست که افاضه علم ازانجا میسر تر و اسباب ساخته تر و زحمت طلبه آنجا بیشتر لکن در مقابله ایں زیادت اعذار است هم دینی که بخلل میشود که آں زیادت ایں نقصان را جبر نکند یکے آں که ایں جا قریب صد و پنجاه مرد محصل و متورع حاضر اند و به استفاده مشغول و

و نقل ایشان و ساختن اسباب متعذر و فروگذاشتن و رنجانیدن بر امید زیادة عدد جاے دیگر رخصت نیست و مثال این چنان بود که ده یتیم در تعهد و کفالت کسی بود ایشان را ضائع گذارد بر امید آن که بست یتیم را جاے دیگر تعهد کند عذر دوم آنست که دران وقت که صدر شهید نظام الملک قدس الله روحه و ورث المجلس العالی الاعمار مرا ببغداد خواند تنها بودم بے علائق و بے نسل و فرزند امروز علائق و فرزندان پیدا آمده است نقل این جماعت متعذراست و در فروگذاشتن و دلها مجروح گردن رخصت نیست عذر سیوم آنست که چون بتربت خلیل صلوات الله و سلامه علیه رسیدم در سنه تسع وار بعمائته که امروز قریب پانزده سال است سه نذر کردم و تا امروز بدان وفا کردم یکے آنکه پیش هیچ سلطان نشوم دو آنکه مال هیچ سلطان نگیرم و سیوم آن که مناظره نکنم و اگر نقض عهد کنم دل و وقت بشولیده شود و هیچ کار دینی میسر نشود و در بغداد از مناظره چاره نبود و از سلام و از خلافت امتناع نتوان کرد و دو مدتے که از شام به بغداد باز رسیدم این سلام نکردم و مسلم بودم بحکم آن که در شغلے نبودم و برتر وے بودم چون درمیان کارے باشم یا نباشم یا باطن از انکار برتر آید و خالی نبود و آن باطن را نتائج بود و معظم عذر عذر معیشت است که مال سلطان نستانم و ببغداد ملکے ندارم راه تعیش بسته شود این مقدار ضیعتے مختصر که بطوس هست بکفایت این اطفال وفا کند بعد المبالغه فی القناعة والاقتصاد و در غیبت ازیں جا قاصر شود این همه اعذار دینی است و به نزدیک من بزرگ است اگرچه بیشتر خلق این کارها آسان دانند و در جمله چون عمر دور در کشید وقت وداع و فراقست نه وقت سفر عراقست منتظر است ازان مکارم اخلاق که این اعذار قبول کند و از تقدیر کند که غزالی به بغداد رسید و

فرمان حق در رسید تدبیر مدرسی دیگر باید کرد امروز همان تقدیر باید کرد والسلام ایزد سبحانه تعالیٰ صدران صدر جهان را به حقیقت ایمانی که وراء صورت ایمانست آراسته کناد تا عالم بدان ایمان آبادان گردد تمت الرساله ـ

نامهاے دیگر

نامهاے که بشهاب الاسلام نوشته است و ارشاد کرده و برای معالجت دل و احتراز از مرض آن وسعی کردن در طلب این شفا از اطباء دل و ارباب قلوب ـ

نامۂ اول
که بشهاب الاسلام نوشته

بسم الله الرحمٰن الرحیم

مجلس سامی بسعادت دینی و دنیوی محفوف باد و نوایب حدثان و دواعی خذلان و مخادعات شیطان ازان ساحت بزرگ و دل عزیز مصروف باد قال النبی صلی الله علیه وسلم دا وامرضا کم بالصدقه بافهام عوام ازین مداوات قالب است و بافهام خواص مداوة قلوب و این مرض القوالب من مرض القلوب قال الله تعالیٰ فی قلوبهم مرض و مرض قلوب با آن که مخطر تراست غالب تراست چه مریض از میان قوالب از هزار یکے است و سلیم از میان قلوب از هزاریکیست ولا ینجوالا من اتی الله بقلب سلیم و چنان که علامت مرض قالب سقوط شهوت غذاے ویست من المشروب والمطعوم ـ علامت مرض قلب سقوط شهوت غذاے ویست وهو ذکر الحی القیوم ـ و چنانکه قالب را ثبات و حیواة نیست الابقوت و غذای وی قلب را حیواة نیست

الابه محبت حق تعالیٰ الا بذکر الله تطمئن القلوب و هرچه نه بذکر
حق تعالیٰ زنده است دل وی مرده است ان فی ذالک لذکری
لمن کان له قلب و نه هر کسے از دل خبردارد و یا غذا و سم
وی بشناسد و ان الله یحول بین المرء قلبه قال النبی
صلی الله علیه وسلم لا تجالسوا الموتی قیل ومن هم یا
رسول الله قال الاغنیاء و نه غنی عبارتست از کسے که مال دارد
بلکه از کسیکه دل دی همه مال دارد و آن کسی بود که خود از مداوات
مرض قلب خود دریغ دارد و از مقصود مداوات بصدقه مال نه عین
مال هست بلکه بدان و سیاست در حمایت طبیبے شود که علاج دل
شناسد و مریض نباشد و چنین طبیب در چنین عصر عزیز شده است
و فلان کس از اطباء وے است و از جمله ارباب القلوب است
و اعلیٰ مقامات دل درجه توحید است نه بزبان لکن بمعرفت
و حالت وی اندریں معنی صاحب معرفت و صاحب حالت است
والکامل الذی لا یطفی نور معرفته ولا نور ورعه و وی
بدیں صفت است و سبب ضرورت حال و کثر عیال حرکتے کرده
است و ویرا بران مجلس بزرگ دلالت کرده ام و یکی از اسرار
حق تعالیٰ در تسلیط حاجت و فقر بر اولیاء خویش آنست تا ایشان را
بزمام حاجت نزدیک اغنیا کشد و اغنیا را به برکت مشاهده در
فراغ ایشان بدرجات سعادت برساند والله لطیف بعباده از عین
فقر بوتهٔ سازد تا اولیاء خویش را باتش مذلت بسوزد و از همه
آلایشها پاک کند و از سوال ایشان لطیف سازد تا اغنیا را بدان
تلطف بحمایت ایشان کشد و در کنف شفاعت ایشان بسعادت رساند
لائق باقبال مجلس سامی آن است که بفراغ دل او قیام کند و
در خلوت سخن وی بشنود که نفع ایں بزرگ بود و برکات آن
وافر والسلام -

نامهٔ دویم

که شهاب الاسلام نوشته در حق کسی بعنایت

بسم الله الرحمن الرحیم

اسأل الله تعالى ان يخص المجلس السامى بتمام النعمة و دوام النعمة و الشكر على النعمة و معرفة حقيقة النعمة و تمام النعمة ان يكون هو بعد هذه الحيوٰة فى مقعد صدق عند مليك مقتدر فان استمرت هذه الحالة فهو دوام النعمة فان لم يرد ذالك الا من الله تعالى فهو معرفة حقيقة النعمة والمقاعد قسمان مقعد صدق و مقعد زُور فمن قصر لمخاطبة على الحضرة الالهية فهو فى مقعد صدق و من اقام مع ماسوى الله فهو فى مقعد زُور قال الله تعالى انا جليس من ذكرنى و قال تعالى و من يعش عن ذكر الرحمن نقيض له شيطانا فهو له قرين و فى حق جلساء الله تعالى قيل و اذا رايت ثم رايت نعيماه و ملكا كبيرا و فى حق المغرين بغيره كسراب بقيعة يحسبه الظلمان ماء حتى اذا جاءه لم يجده شيئاً الآيته ولا يليق بعلوا لهمة استبدال الذى هو ادنى بالذى هو خير قال الشاعر ولم ارفى عيوب الناس غيبا كنقص القادرين على التمام ـ وعن عمر بن عبد العزيز رحمه الله انه كان كلما يشترى له الثواب قبل الخلافة يالف فيقول ما احسنه لولا خشونةٌ فيه وكان يشترى له الثوب بعد الخلافة بخمسة فيقول ما احسنه لولا لينٌ فيه فقيل له فى ذلك فقال ان لى نفسا

تواقه ذواقه ما ذاقت شیا الا تاقت الی ما فوقها حتی ذاقت الخلافة وهی اجل المراتب فتاقت الی ما عند الله و قد اذاق الله سبحانه و تعالی المجلس السامی اعلی المناصب فی الدنیا وحان الآن الی ان یتوق الی فوقها مغتنما خمسا قبل خمس کما و ردفی الخبر و لاغر و من فضل الله تعالی ان یجمع له بین نعیم الدنیا و نعیم الآخرة انه جواد کریم

سبب انقباض از نوشتن الا بقدر التماس مستحقی ایثار تخفیف است و ملتمس این نوشته شیخ است که پیرے عزیز است و عمر دراز یافته است و خدمت پیران بزرگوار کرده و از برکات صحبت ایشان نصیبے یافته و در آخر عمر احوال مختل شده و عجز و ضعف دریافته و از کسب باز مانده دیگر شیخ ابوبکر عبدالله که از جمله او تادالارض است و همگنان را باتباع اشارت وے به برکت ارشاد کرده است او را مجلس بزرگ استمدادے کند و از من درخواست که در حق این پیر تعریفے کنم تیمن را باشارات وے تقریب را بدان مجلس بزرگ در تنبیه برین مکرمت و مرتبت این ایراد داده شد اسال الله تعالی ان یصغر فی عینه الدنیا و ان یفتح له ابواب ملکوت السماء لیری الارض وما علیها مدرة بالاضافه الیها ویری کل ولایة علی ظهرها غیرة تدور حوالیها والسلام -

نامهٔ سویم

که بشهاب الاسلام نوشته

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قدوم عزیز رکاب رفیع امامی اجل شهاب الاسلامی بیمن نصرت و اقبال و دولت و توفیق اکباب بر اخلاص در عبادت بکنه همت

مقرون باد و آفات روزگار مکاید بدسگال ازان ساحت عزیز مصروف باد و بیرون آمدن از کدورت زمان و باز رسیدن بامیان اتباع و اقارب مبارکی باد و آنچه رفت از حوادث وقت آخر باد و الحلال از ظلمات بزیادت و دوام پیوسته باد و قوتی تمام است دلها را بدان که آن همتهاء عزیزان دین که ویرا مدد کرد تا بدان خطرگاه نگاهداشت و اکنون در کنف حفظ و کلاءت حق تعالی باقرارگاه عز رسانید که در مستقبل نیز مدد کند تا به منصبی رسد که دست نوائب روزگار بر قدر آن منصب نرسد و آن نیست الا بدانکه بکلیت از مراسم دنیا اعراض کند و شغلش همه عبادت و حرفت همه نشر علم و اتکال باطن همه بر فضل خدای تعالی قل بفضل الله و رحمة الایه چه نتیجه اعتماد بر حمایت خلق ظاهر شد مثل الذین اتخذوا من دون الله اولیاء الایة اگر این حالت در اخلاص و اقبال در حق تعالی پدید آید در حمایت لا اله الا الله افتاد و خلائق مقهور شدند و اگر اعتماد بر حمایت عمرو و زید باشد بنای باشد که بر موج دریا کرده باشد که انقلاب و تغیر جبلت دل آدمی است خصوصاً درین روزگار که آن مقدار ثباتی که دل صدور را معتاد بود اکنون نیز برخاسته است ایزد تعالی آن محتشم و بزرگ را بخلق و حمایت خلق باز نگزارد و منصبی و هاد که اقبال و اعراض دران حقیر و مختصر شود و بالله التوفیق والله ولی الاحسان بمنه و بفضله و سعته وجوده ـ

نامهای دیگر

که بمجیر الدین نوشته است اول در تهنیت وزارت وحث بر تخفیف مؤنث

نامهٔ اول

که بمجیر الدین نوشته

قال الله تعالی وابتغ فیما اتک الله الدار الآخرة ولا

تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن الله الیک
متعین بر رائے مجیر در معنی این سر کلمه الٰہی تامل کردن که
هر یکے بحریست و مضمون آن فواید بے نہایت است و به بصیرت دین
درین بحار غواصی مقدر است و هر کراهمت بعاجله دنیا مستغرقست
یا عاجلت دنیا اغلب همت اوست ازسر این کلمه محروم است و گفت
وابتغ فیما اتک الله الدار الآخرة و در حق او گفت من کان
یرید الحیواة الدنیا و زینتها نوف الیهم اعمالهم
فیها و هم فیها لا یبخسون اولئک الذین لیس لهم
فی الآخرة الا النار و حبط الآیته و هر که به کنز و ادخار
و استظهار و استکثار مشغول است ازسر این کلمه محجوبست
که گفت ولا تنس نصیبک من الدنیا که در شرح نصیب
مصطفیٰ علیه الصلواة والسلام چنین گفتهٔ است که لیس لک من مالک
الا ما اکلت فافنیت او تصدقت فابقیت و هر کرا چیزے
جز حق تعالیٰ در پیش همت بایستاد اگر همه فردوس اعلی است
ازیں آیه محروم است که گفت احسن الله الیک و مصطفیٰ
علیه الصلوات والسلام شرح احسان چنین کرده کما قال
جبریل علیه السلام ما الاحسان قال ان تعبدالله کانک
تراه هر کرا ایزد سبحانه تعالیٰ آن نعم بروے افاضه کرد که
بران شخص کریم کرده است شکر نعمت گذاردن واجب بود و شکر
آن بود که درجات نعیم بشناسد و هر نعمتی که ورائے آن نعمتی
دیگر ممکن بود بدان قناعت نکند و تشوق همت وے بدرجه اقصی
نعمتها بود و هر روز معرفت دو سیاست وے در زیادت بود تا کار در
ترقی بود این حقیقت شکر بود که هر چه از راه ادراک زیادت است
نه شکر است که در مصحف مجید رقم شکر چنین زده اند که لئن
شکرتم لا زید نکم و چنین شکر بحقیقت، عمر بن عبدالعزیز کرد

رضی الله عنه کان یشتری له الثوب قبل الخلافة بالف ویقول ما احسنه لولا خشوفیه و کان یشتری له الثوب بعد الخلافة بخمس فیقول ما احسنه لولا لین فیه فقیل له فی ذالک فقال ان لی نفساتواقة ذواقة ما ذاقت الاشیاء الا تافت الی ما فوقها حتی ذاقت الخلافة وهی اعلیٰ مراتب الدنیا فتاقت الی ما عند الله تعالیٰ و اذا رایت ثم رایت نعیما و ملکا کبیراً و شکر نعمت دنیا نه گذارد بحقیقت الا کسی که دنیا را با کسے بشناخت که در دنیا هیچ منصب نیست الا که ترفع و استغنا ازان بزرگتر ازانست ولکن معرضان از دنیا برسه درجه اند گروهے اند که چشم ایشان جز بر آفات و عیوب دنیا نیفتاد آن قوم گفتند ترکنا الدنیا لسرعة فنایها و کثرة عنایها و خسة شرکائها و ایں هر چند نازل ترین درجات است و لیکن باضافه باکسانیکه ازیں غافل اند درجه کمال است گروهے دیگر را بصیرت ازیں ناقد تر بود که چشم ایشان بر کمال مملکت آخرت افتاد گفتند اگر دنیا مثلاً مهنے و مصفے از آفات مسلم باشد هم نخواهیم که حجابست از مملکت آخرت و آں بکمال تراست و به ناقص قناعت کردن عین نقصان است و سر ائیں آیت ایشان را مکشوف شد که گفت والآخرة خیر و ابقی و ازیں معنی عبارت کردند و گفتند لوکانت الدنیا من ذهب لا یبقی والاٰخرة من خزف یبقی لوجب علی العاقل ان یوثر خزفاً یبقی علی ذهب لا یبقی فکیف والدنیا من خزف لا یبقی والاٰخرة من ذهب یبقی و گروهے دیگر ازیں درجه در گذشتند و دنیا و آخرت هر دو را از پیش همت برداشتند و ایں آیة ایشان را مکشوف شد که والله خیر و ابقی و جلال ایں منصب بدیدند که گفت فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر و ازیں

عبارت کردند و گفتند هر چه در بهشت موصوف است همه حظ حواس است و از مطعوم و مشموم و منظور و ملموس و مسموع خالی نیست و بهایم را دریں همه شرکت تواند بود و رضا دادن بدانچه بهایم را ممکن بود نوعے از بهیمت است روے از حضیض درجه بهایم بافق مملکت ملائکه آوردند که ملازمت حضرت جلال خاصیت رتبت ایشان است یسبحون اللیل والنهار لا یفترون اینست نهایت کاروان الی ربک المنتهی و اینست کار بے نهایت که درجات ترقی را در مشاهده حضرت ربوبیت نهایت نیست و ورائے ایں اسرار هست که قلم و زبان را رخصت شرح آں نیست ایزد سبحانه تعالی رای ثاقب مجیرے را بتوفیق موید دارد تا جز به درجه اقصی از جمله آں قناعت نکند و ایں کلمات را تامل فرماید و از جمله سخنان ملفق عادتی نشناسد که هر فیصلے ازیں قاعده و اساس سریست از اسرار دین که چشم علماء و عادتے از ملاحظه مبادی آں بردوخته بود فضلا عن افاضة ایں داعی ازاں مدت باز که از مشاهده مشاهد کریم مستفید گشته بود در بغداد و هر کجا رسید در سفر شام و حجاز و عراق از دعا و ثناء و افاضه شکرایا دی را که آں جناب رفیع را بوده است خالی نبوده است و مدتیست تا زاویه اختیار کرده است و از راه مخالطت و مکاتبت سلاطین برخاسته و بند بر سر قلم و زبان نهاده الا ما شاء الله و باعث بر مخالفت عادت دریں معالجه دو چیز بودیکی آں که هیجان شوق بسبب قرب مزار و استبشار بریں فتح میمون و فرح بعادتی که اهل ایں اقلیم را میسر شد باشراف انوار نظر مجیدے حرکتے در قلم و زبان پدید آورد بطبعے نه اختیاری و دیگر آں که خلل بسیار دریں وقت فترت بدیں ناحیه راه یافته بود هر کسے را از اکابر سبب استبشاری که در چنیں وقت غالب شود قصد جای می بود و فلاں سبب اخلاصی و اختصاصی که داشت در

موالان آن جناب بزرگ قصد آن کرد که بدان حضرت شتابد و خویشتن عرضه کند و رسم تهنیت اقامت کند و بیرون آمدن وی سبب زیادتی و اضطراری بود که شهر خالی می نماید و با این داعی مشاورت کرد که صواب چنان نمود که درین وقت توقف کند و منتظر فرمان عالی می باشد و این داعی بحکم اعتمادی که داشت بر رای ثاقب و دین متین و کرم عهد - ضمان کرد که این بمحل اعتماد افتد چه رعایت مصالح رعیت بران مجلس بزرگ مقدم تر بود برا قامت مراسم و چون بحکم اختصاصی که وی را بود از جمله اتراب وی از بیت نظامی بغزارت فضل و حسن سیرت و کوتاه دستی و شفقت برزیدن بر رعیت و درع کردن.در حدت شباب که آن بدایت تجارت کار ها بود و با وقار و سکون و حسن تدبیر که نتیجه ممارست و تجربت بود در ریاست این ناحیه از درگاه اعلی بروے اعتماد کردند متوقعست از مجلس عالی به تقریر و تائید آن مدد ها پیوندد و فرمان ها رسد و اثر اخصتاصی که او را هست در اخلاص ظاهر شود و چون منصب ریاست را بنایی با کفایت و حصانت حاجت بود درین مدت قریب بر فلان اعتماد کردند که او در نسب و علم و کفایت و دیانت درمیان ابناء جنس بے نظیر بود و بے استدعاء وی بروے حکم کردند و وی در قبول آن توقف نمود که روز گار مضطرب بود و این داعی ویرا ترغیب بسیار کرد برای مصلحت رعیت را وادی بر سر توقف می بود و بملالتی تمام می کرد آن کار را و اکنون امید است که همه کارها منتظم شود و موافقتی تمام میان اکابر پدیدار آید - متعین است بر رای عالی فرمانے دادن درین معنی تا توقف و تردد ازان راه بر گردد وچون ازان جانب بزرگ اشارتی بود دلها را بدان طمانیت و اعتماد حاصل آید - و در جمله درکار طوس اندیشه خاص منتظر است که شهریست باهل دین و درع آراسته و

دعای ایشان حصنی حصین باشد و آفت ناحیه آنست که سخنها بغرض و متفاوت براحیان ناحیه غالب بود بحکم حسدی بغصی که سجیه اکثر خلق است و در هر چه در راه دین توقفی و تلبثی تمام نمایند و تفصیل این احوال فلان بگوید که بمحل اعتماد است از مجلس فلان و از دیگر جوانب و چشمهای اهل ناحیه بر را هست تا بزودی وی را باز گرداند مضمون بفرمانهای میمون تا فراغت دل اهل ناحیه را حاصل آید و مدد دعای پیوسته گردد والله تعالی یستجیب ادعیة المسلمین فی الجناب العالی المجیری الذی هو کهف الدنیا والدین والسلام -

نامهٔ دویم

که بمجیر الدین نوشته

بسم الله الرحمن الرحیم

قال الله استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مردله من الله مالکم من ملجاء یومئذ و مالکم من الله نکیر فان اعرضوا فما ارسلناک علیهم حفیظا ان علیک الا البلاغ یوم لا مردله روز مرگست که تحسر و ندامت سود ندارد فلم ینفعهم ایمانهم لما راؤبا سنا و بلاغ آن است که گفت الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت و الاحمق من اتبع نفسه هواها و تمنی علی الله و استجابت آنست که بتدبیر زاد آخرت مشغول شود و لا یاخذ من الدنیا الا قدر زاد الراکب و زاد آخرت آنست که اولاً خود را فریاد رسد و سپس خلق خدای را و خلق خدا در دست ظالمان اسیر شدند هر که ایشان را فریاد رسد لقب وی در آسمان مجیر الدوله است و الالقاب تنزل من السما کما قال عیسی

علیه السلام من علم و عمل و علّم فذاک یدعی عظیما فی ملکوت السماء و هر کسے را در آسمان لقبے است بر وفق حال وے - فریاد رسیدن خود آن بود که خویشتن را از شر هوا و غضب و شهوت و شره و کبر و رعونت خلاص دهد که ظالمان جنود شیطان اند و عقل که آن حزب خدای تعالی و از جنود اوست در دست ایں ظالمان اسیر شده است و کمر خدمت ایشاں بربسته و سعی و اندیشه خویش بآں آورده تا استنباط حیلت قضای شهوت و غضب چوں کند و هر عقلے را که از رق و بندگی آں خلاص دادند شایسته مطالعه حضرت ربوبیت گشت قال علیه السلام لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السماء و هر که عقل خود را ازیں صفات خلاص داد و شایسته حضرت ربوبیت گردانید لقب وی در آسمان مجیر الحضره بود منتظر است از کمال عقل صدری که ممیز ترین و بصیر ترین صدور روزگار است - که خویشتن را بداں معانی عرضه کند و تحقیق لقب خود از خود طلب کند قبل ان یاتی یوم لا مردله فان ما هو آتٍ قریب والبعید ما لیس بآت اما فریاد رسیدن خلق بر عموم واجب است که کار ظلم ازحد در گزشته و بعد ازانکه من مشاهد ایں حال می بودم قریب یک سال است که از طوس هجرت کرده ام تا باشد که از مشاهده ظالمان بے رحمت و بے حرمت خلاص باید چوں بحکم ضروری معاودت افتاد ظلم همچناں متواتر است و رنج خلق متضاعف بماند آں دیگر وجه که خود را اخلاص از صفات بشری که آں سبب مذلت دنیا و عذاب آخرت است و ذاک هو الجهاد الاکبر و علامت ظفر دریں جهاد آں بود که هر که را ایں فتح بر آید بادشاهے گردد که از استخدام ملوک عالم ترفع کند بل بداں رسد که خدمت ترکی کند حقیقت آں ترک

سبعی باشد در قالب مردی و هرکه خدمت ترکی کند اگر بدان
کند نامکن شود از لباس نکو و جامه زیبا اسیر رعونت بود
و به حقیقت زنے بود در صورت مردے و اگر بدان کند تا عوامان
و سوقیه ویرا خدمت کنند اسیر کبر بود و به حقیقت جاهلے بود
در صورت عاقلے چه این مقدار نداند که در خدمت آن ترک ویرا
صد هزار مضرت و نقصان است در دین و دنیا و در خدمت عوامان
سوقیه ویرا هیچ شرف و فضیلت نبود و اگر تامل کند بشناسند که
هیچکس ازیشان خدمت وی نمی کند بلکه خدمت و سجود که
میکند طمع و شهوت خویش را می کند و آن مال را که ازو
بدست آرد اما ویرا عشوه و غرور میدهد و بروے ثنا میگوید
و اظهار دوستی می کند و به حقیقت دوستی ایشان بآن در مے چند
خسیس باشد که از وے بدست آرند و وی را سخره و واسطه شره
خویش ساخته باشند بدین مخادعت که ما دوستان و خدمتگاران توایم
و اگر بشنوند که مخدوم وی را اندیشه عزل وی باشد و تولیت
دیگری همه ازو اعراض کنند و اضعاف آن خدمت دشمن وی را
فرا کردن گیرند چون تامل کنه فرح وی بتعذیر و بر خندیدن
مردمان بود و بناء شرف وی بر اندیشه ترکے باشد که اگر ازان
اندیشه بگردد جهان بر وی تنگ و تاریک شود چون دوزخ
و قلب الانسان اشد تغلیا من القدر فی غلبانه و ضعیف
شرفے باشد که بناء آن بر میل دل مخدوم باشد و انه اصل اوهن
من بیت العنکبوت و مثل الذین اتخذوا من الله اولیاء
کمثل العنکبوت اتخذت بیتا الایة بلکه ثابت شرفے بود
که بناء وی معرفت و حریت بود وهی الباقیات الصالحات
و معرفت آن بود که غور غرور دنیا و شرف آخرت و به بیند
و حریت آن بود که ازرق صفات خود خلاص باید همچنانکه اگر

همه بادشاهان دنیا خدمت وے کنند ازاں ترفع کند و اگر در باطن
خود بداں اعتدا وے و التفاتے بیند بمصیبت و ماتم خویش به نشیند
که هنوز بنده است و بیچاره و مستمند که شادی و اندوه وی بدیگری
تعلق دارد که بروی اعتماد نبود که رسول علیه الصلواة والسلام
علی را کرم الله وجه بگفت اذا تقرب الناس علی الله تعالیٰ
باعمال البشر فیتقرب انت الله بعقلک برائے ایں گفت
که مثل متقرب بعقل مثل کسے بود که وی کیمیا دارد و مثل
تقرب باعمال همچوں کسے بود که در می چند معدود دارد که
عنایت آں صدقه روزے چند باشد زیرا که متقرب بعقل نیک تفکر
کند درحقیقت کار تا حقارت دنیا ویرا نیک مکشوف گردد و قدر آں
از دل وی بیفتد و یقول طلقت الدنیا ثلثا کما قال علی
کرم الله وجهه و تا ایں عقل پدید نیاید حقیقت دنیا مکشوف
نشود و علاقه بندگی دنیا گسسته نگردد و تا بندگی دنیا باشد جمال
حضرت ربوبیت نه بیند که عبارت ازاں در زباں شرع رویت باشد
و هرکه سعی وی برائے بهشت و حور و قصور بود وی از جمله اولیاء
خدائے تعالیٰ نبود که تقرب وے بتقرب عوامان ماند ملوک
و وزراء را که محبوب و مطلوب ایشاں غرضی بود که ازیشاں
حاصل کند و من شیئاً لغیره فانما محبوبه ذالک الغیر فقط
و چوں ایزد تعالیٰ آں بزرگ را عقل کامل ارزانی داشت فلا ارضی
له الا ان یتقرب الی الله بعقله لیلحق بذوی الالباب
ولا یتخدع بلامع السراب و خلق که بر دنیا مقبل اند
و از آخرت معرض بسبب غفلت و قلت عقل است که شهوات چناں
محس ایشاں گرفته است که خود را فراغت تفکر دریں معانی نمی
یابند اما کسے را که عقل صارف اوست از سلوک راه آخرت

سببش دو چیز بیش نباشد یکے آنکه اسیر صفتے باشد از صفات نفس که بترک مال و خواجگی و شماتت اعدا نتوانند گفت ولا علاج له الا عزمته من عزمات الرجال والنظر الی النفس العاجزة بعین الاستحقار والترفع بعلو الهمة عن مضاهاة الارذال و یکفی صارفا عن الدنیا کثرة عنائها و سرعة فنائها و خسة شرکائها و دیگر صارف آن بود که بحکم شبهتی یا قصور بصیرتی در کار آخرت متوقف بود و نه عجب اگر کسی آخرت را بر قیاس محسوسات و متخیلات راست کند راست نیاید که متوقف باشد که گروهی نیز در مدبر عالم متوقف بودند و علاج آن کس آنست که خویشتن را متهم دارد و گمان نبرد که بصیرت وے بهمه غوامض محیط است و بسوال و استکشاف مشغول شود فاسالوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون و هم چنان که طبیبے را ببرهان معلوم شود که روح آدمی را بمدتی بقا باشد و اطعمه غذاے ویست و سموم هلاک وے هم چنیں ما را محقق شده است به برهان نه بطریق تقلید اخبار و آثار که حقیقت آدمی را بقاست ابدی که عدم را بوے راه نیست اصلا و نجات وی در حریت است از صفات بشری و سعادت در معرفت حقیقیست بحضرت ربوبیت علی ماهی علیها من الجلال والعظمة و نجات دیگر است و سعادت دیگر و شرح کردن میسر شده است نه بطریق طاماتی که اکثر آن تخیلے بود شاعر و ارکه طعمه عوام را شاید یا اقناعی واعظ و ارکه قوت خواص و عوام را شاید بل به برهان حقیقی عقلی که شربت خواص محققان را شاید واجب است بر صدر عقلی که حساب خویشتن را بکند تا صارف وی چیست و بعلاج آن مشغول شود تا باری خود را فریاد رسیده باشد اگر خلق را نمی رسد ـ والسلام

نامهٔ سویم

که به مجیر الدین نوشته

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال علیه الصلوٰة والسلام من احسن الیکم فکافئوه الحدیث صبر کردن بر سماع کلمه حق احتسابی تمام است و بدین سبب مجلس عالی مستوجب دعاست وانا ارسال الله تعالیٰ ان یر زقه معرفة حقیقة السعادة وان یخصه بها و اقول الا ان السعید من وعظ بغیره اول کسے که ازیں سعادت محروم ماند تاج الملک بود که خاتمهٔ حال نظام الملک بر زبان حال باد می‌گفت که ان امرا هذا آخره لجدیر بان تبرک اوله بدین اعتبار نگرفت و آمال دراز فراپیش گرفت و با خویشتن گفت که نظام الملک پسر بود و مهلتی دراز یافت و ما را از عمر فراپیش است پس تقدیر آسمان فی اسرع زمان غرور ویرا کشف کرد پس بایستی که مجد الملک عبرت گرفتی و متعظ بودی ـ با خویشتن گفت که ویرا غلامان نظامی حصم بودند که وے بخیانتی و مخالفتی منسوب بود ما ازیں فارعیم داد از روز گار بستانیم و ولایت بمراد خویش برانیم پس روز گار بمدتی قریب غرور ویرا نیز کشف کرد و باری گفت اولم نعمرکم ما یتذکر فیه من تذکر الایه پس بایستے که موید الملک عادت روز گار بشناختے که هر چیز که مکرر گشت وسه بار تمام شد بغایت رسید لکن وی نیز با خویشتن گفت که ایں قوم بحکم نسب مستحق ایں منصب نبودند بریشان ازاں زوال آمد بزودی و مرا آں مورث و مستحق است و ایں منصب در نصاب خویش دانم روزگار بزودی از حال وی برهانے ظاهر بساخت که آں همه غرور است اکنوں نوبت رسید بمجیر الدوله که در اقالیم

جز وے وزیر نماند و از حضرت ربوبیت ندا می کنند باوے اولم یهدلکم کم اهلکنا قبلهم من القرون یمشون فی مساکنهم ان فی ذالک لایات لاولی النهی و می گویند ای آنکه عاقل ترین وزراے زینهار که نسب خویش از اولنهٰی قطع نکنی که ان فی ذالک لایات لکن لاولی النهی که این طبقه گزشتند این نسب قطع کردند تائلے تمام کن در حال ایشان و انظرکم ترکوا من جنات و عیون الایه باخود این حساب بکن که اگر روزگاری نیز بمراد بگزارد بمثل و هیهات آخر چه خواهد بود افرایت ان متعناهم سنین ثم جاءهم ما کانوا یوعدون ما اغنٰی عنهم ما کانوا یمتعون و به حقیقت شناسد که هیچ وزیر بدین بلا مبتلے نبود که ویست در روزگار هیچ وزیر آن ظلم و خرابی نرفت که اکنون میرود و اگرچه وی کاره است و لکن در خبر چنین است که چون ظالمان را روز قیامت مواخذه کنند هم متعلقان را و هم ایشان را بدان ظلم بگیرند تا بدان کس که قلم ایشان تراشیده باشد یا دوات ایشان راست کرده و به حقیقت شناسند که هیچکس را اندوه وی نخواهد بود خود تدبیر خویش کند و سعادت دین و دنیا خود بانقطاع ازین حاصل کند و اگر این میسر نیست امروز سلامت دنیا فوت شد همه همت خود در تدبیر زاد آخرت صرف کند و هیچ زا دنیا بد نافع تر از منع ظلم ایشان چندانکه تواند دفع کند خصوصاً ازین اهل ناحیه که مسلمان را کارد باستخوان رسید و مستاصل گشتند و هر دینارے که قسمت کردند اضعاف آن از رعیت بشد و بسلطان نرسید و درمیانه ارزال عوامان و ضعفا ظالمان بیبردند و هرکه بتعرف و تدارک بیاید طمع ظلم وی از گزشتگان در گزرد آمید از تلافی گزشته منقطع است اما آمید از شفقت و عاطفت مجیری منقطع نیست که جدے تمام نماید

در جسم این ماده در مستقبل و ارشادی که اهل ناحیه را بر طریق استعانت ممکن شود از ترتیب و تمشیت ذخیرتی سازد و حصنے از آفات روزگار خود را از دعاء این مسلمان والله تعالی ینصره و ایده و یرشده الی طلب سعادة الدین بالدنیا و یسدده بمنه و فضله -

---

باب سوم

در نامهای که بمشایخ و ارکان دولت نوشته است

نامهٔ اول

که بمعین الملک نوشته است

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال الله تعالی تلک الدار الاخرة نجعلها الایه نجات آخرت بد و شرط بسته است طلب علو کردن و از فساد دور بودن هرکه طلب ولایت دوست دارد و طلب علو وی معلوم است و هرکه بلهو و نشاط چو نادانان و بخیردان مشغول بود بفساد موسوم است و بے شرط نجات امید نجات داشتن عین غرور است و انکار کردن که این شرط نجات است تکذیب قرآن است و دل از آخرت برداشتن و بشقاوت رضا دادن نه کار عاقلانست اما کسیکه میان هر دو جمع کند و طمع نجات برد بلهو و نشاط چه می اندیشد همانا گوید خداوند رحیم است و کریم این سخن درست است ولکن با کرام - هم واست گویست که می گوید ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم و یا میگوید که فردا توبه کنم و می داند که چند سال است که شیطان او را بعشوه فردا از توبه باز میدارد ولابد چند سال دیگر درین وعده شود مگر قباله دارد بر عمر مقدر ویا مے داند که اجل بمدتے بمانده است و یا از ملک الموت عهدے و میثاق بسته است و شناخته است که شیطان بعشوه تسویف چند خرمن

سوخته است هیهات قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صاحم اهل النار من سوف در آخر عمر در چنیں خطرے بودن هیچ سبب ندارد مگر امن و غفلت که مایه همه شقاوتها است افا من اهل القری ان یاتیهم باسنا ضحی و هم یلعبون افامنوا مکر الله فلا یا من مکر الله الا القوم الخاسرون ایزد سبحانه و تعالیٰ ما را و همگنانرا از خواب غفلت بیدار گرداناد و آں دل عزیز موید الدین را بلطایف تنبیه تخصیص کناد که یکی از اولیاء ادام الله ایامه دریں ایام چنانی حکایت کرد در حق وی که مشعر بود بخطرے عظیم در کار آخرت و بغایت دل مشغول شدم و بدست من چیزے نیست الا دعاے بدل و تنبیه بزبان و نصیحت بقلم و اگر آں مرا مسلم دارد که بر روئے شفقتی کنم که او بر خود آں شفقت نمی کند یک حکم بروے مے بکنم که دست از سکر بدارد اگر نمی تواند که دست از عمل ظالمان بدارد که رشته فسق با ظلم چوں دو تا شود و برهم افتد نادر بود که پیش از مرگ گسسته بود شیبت سفید و شربت نبیذ سخت نا لایق بود نظام الملک رحمهم الله چوں پیر شد از کبایر توبه کرد که از فسق و فساد و سرِ بازی می در نخورد ۔ براں توبه اثبات کرد تا آخر عمر ۔ همانا گوید که ملک خراسان نمی گزارد ۔ ایں عذر بنزدیک ملک زمین و آسمان مقبول نیست ع

لوصح منک الهوی ارشدت للحیل

چوں وی عزمی صادق بکند امیدوار بود که ملک مشرق بواسطه توبه وی توبه کند و الا او را مسلم دارد از توبه ۔ آنچه شرط دوستی بود گفته آمد الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین و صلی الله علی محمد و آله و اجمعین ۔

نامهٔ دویم

که بسعادت خان نوشته است

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال الله تعالیٰ و ان من شی الا عندنا خزاینه وما ننزله الا بقدر معلوم خزاین همه ملوک متناهی است و خزاین ملک الملوک را نهایت نیست یکی از خزاین ملک الملوک سعادت است و یکی شقاوتست و این هر دو در غیب پوشیده است و این هر دو را دو کلید است یکی را طاعت گویند و یکی را معصیت و این دو کلید در دو خزانه است از خزاین غیب الغیب که یکی را توفیق گویند و یکی را خذلان و جوهر توفیق و خذلان دو دو خزانه دیگر است از همه غیب تر یکی را رضا گویند و دیگری را سخط و این جوهر رضا و سخط در دو خزانه است که اوهام عوام و افهام خواص الا الصدیقون والعلماء الراسخون ازان قاصر است و عبارت رابوے راه نیست و استنباط علماء و صدیقان را مجال نیست چه عبارت ایشان نیز قاصر است و عبارت از یکی چنیں آید که ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ و عبارت ازان خزانه دیگر چنیں آید که لقد حق القول علی اکثرهم و در سراین معنی که این دو آیت عبارت از انست اعجوبه قضا و قدر تعبیه است و هرکه معراج وی چنیں گویند که گنگ و لال باش و زبان نگهدار که القدر سر الله فلا تفشوه و وراء این سرالاسرار و خزانة الخزاین است که مصدر و منبع این همه خزاین است و عبارت ازان نیک تنگ آمد که رسول علیه الصلواة والسلام در ترقی دریں مقامات چنیں گفت که آعوذ بعفوک من عقابک پس ترقی کرد گفت آعوذ برضاک من سخطک پس ترقی کرد وگفت اعوذبک منک

پس خواست که ترقی کند راه بحجاب عزت بسته دید گفت لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک و تا بدین مقام که اعوذ برضاک من سخطک علماء را راه بود آمد و بدین مقام که آعوذ بک منک جز انبیاء را راه نیست و وراء این عالمی است که نه انبیاء را بدان راهست نه علماء را همه صدیقان و انبیاء چون بدان مقام رسند جز دهشت و حیرت نصیب ایشان نباشد همه در دل عجز میگزارند و در آتش عشق و شوق میسوزند و سبوح قدوس میزنند و سید الانبیاء علیه الصلواة والسلام نوحه عجز خویش بدین عبارت میکند لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک و سید الصدیق اندوه عجز و شادی دولت بهم بر می آمیزد و منادی دولت و ماتم خویش بدین لفظ کنند که العجز عن درک الادراک ادراک که در ماتم عجز میگذارد و گاه بدین شادی که این عجز تمام ادراک است می افروزد - حال خزاین ملک الملوک و نظارگیان خزاین اینست اما زر و سیم که در خزاین ملوک دنیا بود کلید دوزخ است تعس عبد الدینار تعس عبد الدرهم روز قیامت چون منادی براید که جریده خزانه کلید دوزخ باز کنید و ایشانرا در زمین صعید سیاست حاضر کنید اگر در صدر آن جریده نام سعادت[1] بر آید بیچارا سعادت که ویرانه ملک مشرق فریاد رسد نه وزیر مشرق دست گیرد که ایشان را خود بهزاران دستگیر حاجت بود -

نامهٔ سوم

که نوشته است الی واحد من الاکابر در معنی صدقه دادن و طریق آن

بسم الله الرحمن الرحیم

دل را مشغولی تمام است بسبب این عارضی و رنجی که می

۱- نام مکتوب الیه ، ۱۲ -

باشد از جهت قصور و حیرت اطبا و به حقیقت باید دانست که الذی انزل الداء انزل الدواء و لکن خلق چنین دانند که چون دارو از دکان صید لانی بیاورید و طبیب بکار داشت کفایت افتاد و این خطا است که بیشتر باید که مریض را الهام دهند در اختیار طبیب انگه طبیب را الهام دهند در اختیار دار و که خاطر وی در جنس دارو و مقدار آن و وقت استعمال آن بجانب صواب متصرف شود که درین هر سه معنی خطا بصواب مشتبه بود بغایت - پس کار الهام مریض است و الهام طبیب و این دواها در دوکان هیچ صید لانی نیابد که کلید آن در ملکوت آسمان نهاده اند در خزانه ملائکه که هر هدایت که خلق را باشد بصواب کار ها از خزانه ملائکه رود وما کان لبشران یکلم الله الا وحیا او من وراء حجاب الایه و بهیچ ممکن نیست خرید این الهام را الا بهمت و دعاء عزیزان اهل دین که هر چه همم ایشان بدان متصرف شود اسباب آن از جهت ملائکه مبذول بود وان من شئی الا عندنا خزاینه وما ننزله الا بقدر معلوم و همم اهل دین تحریک نتوان کرد الا باحسان و صدقه پس صدقات سبب حرکت همم بود و حرکت همم سبب فیضان هدایت از خزاین ملکوت بر دل مریض و طبیب بود و هدایت ایشان سبب استعمال دوا بود بر قانون صواب - و استعمال دوا سبب شفا بود و سر این که داووا امرضاکم بصدقة این بود و اما آن که بچه سبب بود که حرکت همم و ارواح عزیزان باعث روحانیت ملائکه باشد بر افاضه هدایت سبب آن مناسبتے است که میان ارواح و روحانیات است که استمداد آن ازین بحراست که ویسئالونک عن الروح قل الروح من امر ربی و این غوری دارد عمیق و رخصت نیست در کشف این سر الا این قدر بشناسند که ارواح و روحانیات متناسب اند ازان که همه امور ربانی اند چنانکه گفت

قل الروح من امر ربی و لله الخلق والامر و عالم امر از عالم خلق جداست و نمانده است در عصر هیچ غواص که این نمط از علم طلب کند یاداند که این طلب کرد نیست و مقصود آنست که ارتباط شفا بدعا بواسطه صدقه معلوم شود براے این گفت الدعاء یرد البلاء و الدعاء والبلاء یتعالجان و دعوات همم چون از جمعی باشد غالبا بود که منجح بود و سر نماز استسقاء و اجتماع صلوات اینست و آنچه طبیعی گفت که علتی که از حرارت برخیزد و برودت باید که آن را هزیمت کند و صدقه بآن چه مناسبت دارد راست گفت یک نیمه - و بدین سبب است که طبیعت حقست ولٰکن بصر تیز طبیعے بر طبیعت مقصور است و قاصر است از انچه طبیعت و مستعمل طبیعت مسخر آنست و مثال وی چون مورچه ایست که بر کاغذ می بیند که خطی حاصل می شود از حرکت قلم پندارد که موجب خط قلم است که بصر وی قاصر بود از انکه دست کاتب بیند بصیرت وی ازان قاصر بود که دل کاتب که محرک دست است بیند وی بهیچ حال نداند که دل کاتب را چون صید باید کرد تا کارفرماید طبیعت چون قلم است و ملائکه چون اصابع و ملک اعظم که همه ملائک متابع وی اند چون دست و صاحب الید والقلم والا صابع وراء الکل وهو متفرد بالجبروت وانما قلوب المؤمنین بین اصبعین من اصابع الرحمان صورت کنایت آدم مثال صورت حضرت ربوبیت است فان الله تعالیٰ خلق آدم علی صورته ومن عرف نفسه فقد عرف ربه چنان که دل و دست و اصابع فوق قلم است همه اسباب آفرینش فوق طبیعت است و طبیعت در اسفل السافلین - و بصیرتے ناقد باید تا اسفل بعلو رسد و نظر همه خلق بر طبعیات و جسمانیات مقصور است اگرچه در اصل انسان را از عالم روحانیات آورده اند و برای این گفت لقد خلقنا الانسان فی

احسن تقویم ثم رددناه اسفل سافلین پس تائید در همه علاجها از عالم روحانیات باید خواست و آن عالم علواست و مال و جاه را جناح صعود نبود بدان عالم بلکه همت و دعا را باشد این صعود الیه یصعدا لکم الطیب بود و رافع و حامل این ادعیه عمل باخلاص بود والعمل الصالح یرفعه بی نمازان و گدایان را بر در سرای جمع کردن و نان و گوشت تفرقه کردن آن حالے را نشاید که این وداعی اهل مصطبه را جنباند هم اهل دین را چیزے که بروی عزیز تراست که در دل دارد که هرگز از خود جدا نیفکند از دست هوا و شیطان برون کند و بفروشد در وجه خویش صرف کند و بعضی بکسانے دهند که قدر ایشان را در دین شناخته باشند و بعضے بفرما پند پنج کس را از اهل صلاح تا بدر ویشان پوشیده و متعفف معیل رسانند و ازین همتها مدد خواهد تا از راه صواب در علاج صورت و معنی ظاهراً و باطناً میسر کنند طبیب بالهام و تائیدات آسانی که علت مشکل و طبیب متحیر را جزیں علاج نیست و بر قول طبیبان جاهل اعتماد کردن روا نبود بلکه بر قول طبیبے حاذق روا بود که بمناسبت علت و علاج اشارت کند انگه اعتماد والسلام۔

نامۀ چهارم

که علی اطلاق نوشته بجمله بزرگان و ارکان دولت در حق بعضی از مختلفه خویش

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال الله تعالیٰ فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره و من یعمل مثقال ذرة شراًیره بر آدمی هیچ گفت و کرد و سکوت و عطا و منع نبود الا که گنج سعادتست که می نهد یا تخم شقاوتست که می پراگند و وی ازان غافل و موکلان ملائکه ذره ذره

اثبات می کنند و ایشان نگہه می دارند احصاه الله و نسوه چون ازین عالم بیرون شود و جریده عمر او از اول تا آخر در یک لحظه یروی عرضه کنند یوم تجد کل نفس ما اعملت من خیر محضرا الایه" پس ذرات خیر را در یک کفه نهند و ذرات شر را در یک دیگر فذلک حساب بوی نماند و درین وقت از هول آن خطر همه عقلها مدهوش شود و جانها در خطر افتد تا کدام کفه راجح خواهد بود فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیه و اما من خفت موازینه فامه هاویه حال ارباب اموال در خرج و انفاق همین خواهد بود که هرچه در متابعت هوا و موافقت او خرج کنند در کفه شرور باشد و هر چه در طاعات خدای تعالیٰ و موافقت او کنند در کفه خیرات بیند اگر بیشتر مال خویش در خیرات صرف کرده باشد نجات یافت وگرنه رفت بهاویه فامه هاویه وما ادراک ماهیه و ازین خطر ابو بکر صدیق رضی الله عنه خلاص یافت که جمله مال نزدیک رسول علیه السلام آورد رسول علیه السلام گفت زن و فرزند را چه بگذاشتی گفت الله و رسوله که وی را این خطر بود که رسول را صلی الله علیه وسلم گفت هلاک شدند تونگران الا کسی که مال خویش می فشاند در خیرات از پس و پیش و از چپ و راست که هلک الا کثرون الا من قال بالمال هکذا و هکذا و هکذا چون طبع آدمی برشح و بخل مجبوب است مسامحت صرف نکند باری باید که آنچه بدهد اول بخل استحقاق نهند تا صواب آن مضاعف باشد ـ باشد که یک درم بر هزار سبقت گیرد در قیامت و آن آن بود که به اهل دین و زمره علم رسد ـ از وجه حلال بود ـ بخوش دلی بود و بے منت قال الله تعالیٰ لا تبطلوا صدقاتکم بالمن و الا ذی والسلام ـ

نامهٔ پنجم

که به قضاة مغرب نوشته است بتازی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمدالله رب العالمین والعاقبة للمتقین ولا عدوان الاعلی الظالمین والصلواة علی سید المرسلین و آله اجمعین اما بعد فقد اتسح بینی و بین الشیخ الاجل السید السدید معتمد الملک و امین الدولة حرس الله تائیده بواسطه القاضی الجلیل الامام مردان زاده الله توفیقا من الوداد و حسن الاعتقاد ما یجری مجری القرابة و یقتضی دوام المکاتبت ولموصلة و انی لا اواصله بصلة افضل من نصیحة هی هدیة العلماء و انه لن یهدی الی تحفة اکرم من قبوله و اصغایه بقلب فارغ ظلمات الدنیا الیها و انی احذره اذ آمیزت عند ارباب القلوب احزاب الناس ان یکون الا فی زمرة الکرام الاکیاس و قد قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم من اکرم الناس فقال اتقاهم فقیل من اکیس الناس فقال اکثرهم للموت ذکراً و اشدهم له استداداً و قال علیه الصلواة والسلام الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسه هواها و تمنی علی الله و اشد الناس غباة و جهلا من یهمه امور دیناه التی تحقرها عند الموت ولایهمه ان یعرف انه من اهل الجنه او من اهل النار و قد عرف الله تعالٰی ذلک حیث قال ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم و قال الله تعالٰی فاما من طغٰی و آثر الحواة الدنیا فان الجحیم هی الماوٰی و اما من

خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی و قال الله تعالیٰ من کان یرید الحیواة الدنیا و زینتها نوف الیهم اعمالم فیها و هم فیها لا یبخسون اولئک الذین لیس لهم فی الآخرة الالنار و حبط ما صنعوا فیها و باطل ما کانوا یعملون'' و انی احب ان یصرف الی هذا همه و ان یحاسب نفسه قبل ان یحاسب و یراقب سریرته و علانیته و قصده و ان یطالع اقواله و افعاله و اصداره و ایراده اوهی مقصوره علی ما یقربه الی الله تعالیٰ و یوصله الی سعادة الابد اوهی مصروفة الی ما یعمر دیناه و یصلحها له اصلاحاً منغصا مشوبا با لکدورات مشحونا با لهموم والغموم ثم یستتبع الشقاوة والعیاذ بالله فلیفتح عین بصیرته والتنظر نفسه ما قدمت لغد ولیعلم انه لا مشفق ولا ناظر لنفسه سواه و لیتدبر ما هو بصدده فان کان مشغولا بعمارة ضیعة فلینظر کم من قریة اهلکها الله وهی ظالمه فهی خاویه علیٰ عروشها بعد عمارتها و ان کان مقبلا علی استخراج ماء و عمارة نهر فلیتفکر کم بئر معطلة بعد اعمالها و ان کان مهما تباسیس نباء فلیتامل کم من قصور مشیدة البنیان محکمة القواعد والارکان اظلمت بعد سکانها و ان کان مفتتنا بعمارة الحدایق والبساتین فکم ترکوا من جنات و عیون و زروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیها فاکهین کذالک و او اثناها قوما آخرین فما بکت علیهم السماء والارض وما کانوا منظرین ولیقرء قوله افرایت ان متعناهم سنین ثم جاءهم ما کانوا یوعدون ما اغنی عنهم ما کانوا یمتعون

و ان كان مشغوفا والعياذ بالله بخدمة سلطان فليقرء
ما ورد فى الخبر الامراء والروساء تحشرون يوم القيامة
فى صور الذر تحت اقدام الناس يطو و هم باقدامهم وليقراء
ما قال الله تعالىٰ فى كل متكبر جبار و قال رسول الله
صلى الله عليه و سلم بكتبة الرجال حيا اولا يملك اهل
بيته اى اذا طلب الرياسة بينهم و تكبر عليهم
و قال عليه الصلواة والسلام ماذئبان ضاريان ارسلا
فى ذرية غنم باكثر فساد من حب الشرف والمال فى دين الرجال
المسلم و ان كان فى طلب المال و جمعه فليتامل قول
عيسىٰ عليه الصلواة والسلام يا معشر الحواريين الغنى
مسرة فى الدنيا مضرة فى الاخرى بحق اقول لا يدخل
الاغنياء ملكوة السماء و قال نبينا صلى الله عليه و سلم
يحشر الاغنياء يوم القيامة اربع فرق رجل جمع مالا
من حلال و انفقه فى حلال فقال فعوا هذا و اسالوه لعله
ضيع بسبب غناشيا مما فرضنا عليه او قصر فى الصلواة
او فى وضوها او ركوعها او سجودها او خشوعها او ضيع
شيا من الزكواة والحج فيقول الرجل جمعت المال
من حلال وما ضعيفت شيا من حدود الفرائض بل ايتتها
بتمامها فيقال لعلك ما هنئت بمالك واختلف فى
ثباتى فيقال العلك فرطت فيما امرناك به من
صلة الرحم و حق الجيران والمساكين و قصرت
فى التقديم والتاخيره وا لتفضيل وا لتعديل ويحيط هؤلاء
فيقولون ربنا اغنية بين اظهرنا و احوجتنا اليه
فقصر فى حقنا فان ظهر تقصير ذهب به الى النار
والاقيل له قف هات الان شكر كل لقمه و كل شربته

و كل اكلته و كل لذة فلا يزال يسال فهذا حال الاغنيا
الصالحين المصلحين القايمين بحقوق قال الله تعالىٰ
اذ بطول وقوفهم للحساب فى عرضات القيٰمة فكيف
حال المفرطين المنهمكين فى الآثام والشبهات
المكاثرين به المشغمين بشهواتهم الذين قيل فيهم
الهٰكم التكاثر حتى ذرتم المقابر كلا سوف تعلمون
فهذه المطالب الفاسدة هى التى استولت علىٰ قلوب
الخلق فسخرها للشيطان وجعلها ضحكته له عليه
وعلىٰ كل متشمر فى عداوة نفسه ان يتعلم علاج
هذالمرض الذى حل بالقلوب فعلاج مرض القلوب اهم
من علاج مرض الابدان و لا ينجوا الا من اتى الله بقلب
سليم وله دوا آن احدهما ملازمة ذكر الموت وطول التامل
فيه الاعتبار بخاتمة الملوك و ارباب الدنيا انهم كيف
جمعوا كثيرا وبنوا قصورا و فرحوا بالدنيا بطرا و
غرورا فصار قصورهم قبورا و اصبح جمعهم هباء
منثورا و كان امر الله قدرا مقدورا اولم يبدلهم كم اهلكنا
من قبلهم من القرون يمشون فى مساكنهم ان فى ذلك
لآيات افلا يسمعون قصورهم و املاكهم و مساكنهم
صوامت ناطقه بلسان حالها على غرور اعمالها فانظرالآن
جميعهم هل تحسن منهم من احدٍ او تسمع لهم
ركزا الدواء الثانى التدبر فى كتاب الله تعالىٰ ففيه شفاء
رحمة للعالمين وقد اوصى رسول الله صلى الله عليه وسلم
بملازمة هذا الواعظين فقال تركت فيكم واعظين صامتا
و ناطقا القرآن وقد اصبح اكثر الناس امواتا عن كتاب الله
و ان كانوا احيا فى معايشهم و بكما عن كتاب الله تعالىٰ

و ان كانوا يتلونه بالسنتهم وصما عن سماعه و ان كانوا يسمحون باذانهم و عميا عن عجائبه و ان كانوا ينظرون اليه فى مصاحفهم و ايمين فى اسراره و معانيه و ان كانوا يسرحون فى تفاسيرهم فاحذر ان تكون منهم تدبر امرك و امر من لم يتدبر امر نفسه كيف ندم وتحسروا نظر فى امرك و امر من لم نظر فى امر نفسه كيف خاب عند الموت و خسروا لفظ آياته و احدة فى كتاب الله تعالى ففيها مقنع و بلاغ لكل ذى بصيرة لا يانهكم اموالكم ولا اولادكم عن ذكر الله ومن يفعل ذلك فاولئك هم الخاسرون فاياك ثم اياك ان تشغل بجمع المال فان فرحك به ينسيكم امر الآخرة وينزع حلاوة الايمان من قبلك قال عليه الصلواة والسلام لا تنظروا الى اموال اهل الدنيا فان بريق اموالهم يذهب حلاوة ايمانكم هذه ثمرة مجرد النظر فكيف عاقبة الجمع والطغيان والبطر و اما القاضى الجليل الامام مردان كثر الله فى اهل العلم مثله فهو قرة العين وقد جمع بين الفضلين العلم والتقوى ولكن الاتمام بالدوام ولايتم له الدوام الا بمساعده من جهته و معاونة له عليه بما يزيد فى رغبته ومن العم عليه بمثل هذا ولد النجيب فينبغى ان يتحده ذخر الآخرة و وسيلة عند الله تعالى وان يسعى فى فراغة لعبادة الله تعالى فلا يقطع عليه الطريق الى الله تعالى و ان الطريق الى الله تعالى طلب الحلال والقناعة بقدر القوة من المال والنزع وعن ترجوا مات اهل الدنيا التى هى مصايد الشيطان هذا مع الذب

عن مخالطة الامراء والسلاطين ففی الخبران الفقهاء امناء الله تعالٰی ما لم یدخلوا فی الدنیا فاذا دخلوا فیها فاعوهم علٰی دینکم و هذه امور قد هداه الله تعالٰی الیهاد و یسرها علیه فینبغی ان بمدد برکة الرضا و بمده بالدعا فدعاء الولد اعظم ذخر وعد فی الدنیا والآخره و ینبغی ان یقتدی به فیما یوثره من النزوع عن الدنیا فالو ولد ان کان فرعا فربما صار بمزید العمل اصلا و لذلک قال ابراهیم علیه الصلواة والسلام یا ابت انی قد جاء فی من العلم مالم یاتک فابتغی اهدک صراطا سویا ولیجتهد ان یجر تقصیره فی القیمه بتوقیر فیه ولده الذی هو فلذة کبده فاعظم حسرة اهل الدنیا فی الآخرة ان یعتمد حمیما یشفع لهم قال الله تعالٰی فلیس له الیوم هٰهنا حمیم اسال الله تعالٰی ان یصغر فی عینه الدنیا التی هی صغیرة عند الله و ان یعظم فی عینه الدین الذی هو عظیم عنده و ان یوفقنا وایاه لمرضاته و بحله الفردوس الاعلٰی و جناته و بفضله انشاء الله تعالٰی -

چنین شنیدم که قاضی مروان بدار السلام آمده بود تا منشوری از دارالخلافت حاصل کند بتولیت قضا از جهت پدر خویش و بحشمت حجةالاسلام توسیل کرده در عهدے که وے مدرس بغداد بود مگر حجة الاسلام بروی ثنا گفته بود و التماس کرده تا قضا بادے دهند رایٔ اشرف امامی نبوی چنان تقاضا عزیز کرد که گفت تا کسی را که ندانیم و بر حال و صفات وی مطلع نباشیم قضا بوی ندهیم ابا بحکم التماس حجة الاسلام قضا به پدر وی دهیم که حاضر است قاضی مروان ازان ادا کرد حق پدر را و التماس کرد از حجة الاسلام

تا شرح حال به پدر وے نویسد حجة الاسلام گفت اگر حقیقت حال نویسم غمزی نمایند در دار الخلافه لکن نامه علی الاطلاق بنویسم و تعرض این معنی بکنم پس این نوشت و بوی فرستاد مکتوب الیه چون نامه بوی رسیده بود و بر حقیقت حال مطلع گشته گفته بود که خدای را شکر می کنم که قضا بمن ندادند تا حجة الاسلام بمن این نه نوشت -

باب چهارم

در انچه بفقها و آیمهٔ دین نوشته است

نامهٔ اول

بخواجه امام احمد از عباسی که از مختلفه حجة الاسلام بود نوشته است

بسم الله الرحمٰن الرحیم

اصل همه وصیتها در دو کلمه جمع کرد رسول الله صلی الله علیه وسلم کسی را که از وی وصیت درخواست گفت قل ربی الله ثم استقم حقیقت ربی الله آنست که نیستئی خود به بیند و هستئی حق تعالی غالب شود پس نیستی هر چه جزویست بیند تا هستی بروی مقصور بود و کلیت وجود وی را باشد هر چند التفات وی از اغیار منقطع تر می شود وجود حق را مسلم تر می شود تا خود جز ویرانه بیند و دل وی بر هیچ چیز اعتماد نکند و "استقم" این استقامت در سه اصل است در دل و در اخلاق و صفات دل و در جوارح استقامت در جوارح آن است که حرکات و سکنات همه برفق سنت بود و استقامت در اخلاق آنست که انبعاث شهوات به نفس خود نبود بلکه با شارت دین بود و قوت وی باید که ازان قاصر بود که جوارح بجنباید الا بفرمان و منتظر باشد تا پیشتر آن چه مشتهی ویست عقل آن را بسنجد و مقدار و وقت کیفیت آن بداند که صواب آن

چیست چون مقرر شد و دستوری یافت انبعاث وی بدان قدر بود و طبع شهوت آنست که چون مشتهی پیش آید حیلت کند گوید این یک فراگیرم تا بار دیگر امتناع کنم و علاج وی آنست که گوید این یک بار بادب باش و آرام گیر تا دیگر بار فراگذارم چون بدیگر بار رسد همین عشوه بدهد وے را چنان که وی هر بار عشوه دهد که مرا فرو گذار این بار که دیگر بار فرو ایستم و اما استقامت دل آنست که قرار گاه ذکر حق تعالیٰ بود و مراقب می باشد تا هیچ چیز دیگر بروی گذر نکند و اگر گذر کند ولابد باشد که گذر کند جهد آن کند تا گذر آن بر حواشی بود در صمیم دل متمکن نشود بلکه صمیم دل ذکر را مسلم بود و دیگر ضرورات بظاهر دل می گذرد و همگی دل بهیچ چیز ندهد الا بذکر حق تعالیٰ و چون واقعه بیوفتد که لشکر جرار همه دل را غصب کند بزودی دل ازان باز بستاند و با سر ذکر شود و واذکر ربک اذا نسیت و چون ذکر بر دل غالب شود فی اکثر الاحوال وے بر شهوت غالب بود فی اکثر الامور و حرکات بوزن سنت باشد الا علی الندور فقد ترجحت کفة الحساب و حصل باستحقاق العفو والنجاة ان سلم فی دوامه عن هوا جم الافات ـ

نامۀ دوم

جواب ابو الحسن مسعود بن محمد بن غانم که حجة الاسلام نوشته است

بسم الله الرحمٰن الرحیم

رسید عزیز نوشته فلان حرس الله تائیده و ادام توفیقه و تسدیده معرب از کرم عهد و غزارت علم و وفور فضل مسلے از لوعت اشتیاق چه عهد بمشاهده و بمکاتبه وی دراز گشته بود و در جمله

اسفار دل بجانب وی نگران بود پیوسته تنم اخبار وی می رفت و به اکبابی که کرده بود بر تحصیل و اقبالی که مشاهدت می کرد در مواظبت اعتداد و استبشار تمام حاصل می آمد و خود بدانچه بمشاهده دیده بودم از عقل و کیاست وی و تفرس کرده از متانت و دیانت و حسن عقیده وی واثق بودم که در جمله احوال جز سمت استقامت را ملازم نباشد و جز کار های دینی را متشمر نه بود چه او ایل و مبادی کارها بر اواخر دلیل بود در خصال خیر و اکنون در علم و فقه و ادب درجه استقلال حاصل کرد ایستادن بر مدارج فضل کار عاجزان باشد باید که بعلمی اعلی که درجات علومست ترقی کند و از فرض کفایت روی بفرض عین آورد و از علمی که بیشتر روی در خلق دارد یا علمی انتقال کند که جملگی آن روی در آخرت دارد بدانکه حاصل علم مذهب فی ما وراء ربع العبادات قانون و قساطیس است میان رسا میان و عوام چون بحکم شهوات و جهالت و بتنازع و تجاذب حظوظ دینوی مشغول شوند و آن چه مناسبت دارد با علمی که ثمره آن معرفت اسرار ربوبیت باشد - و حاصل علم خلافی رجم ظنی است در طلب صواب در کاری که خطای آن را یک اجر بود و صواب آن را دو اجر در حق کسی بود که بدرجه اجتهاد رسد فان اخطاء فله اجر واحد و ان اصاب فله اجران - علمی که مصارفت میان صواب و خطای او پیش ازین نبود چه مناسبت دارد با علمی که مصارفت میان خطا و صواب وی سعادت ابد و شقاوت اید بود و این معرفت اسرار جوهر آدمی است که بشناسد که صفات مهلکات وی چیست و آن چه منجیات و مسعدات ویست چیست و آن چه کیمیا است اگر بر جوهر دل تابد ویرا از اسفل السافلین بحضرت الهیت رساند که آن را اعلی العلیین گویند و آن را چه را هست که سلوک آن راه

بدیں درجه رساند جوهر آدمی را و زاد آں راه و عبقات آں راه چیست و اگر وے را راه دهند تا شمه ازیں علم بیابد علوم دگر همه در چشم وی حقیر و مختصر شود و لیکن تا نچشد نداند ؎

مرغے که خبر ندارد از آب زلال
منقار در آب شور دارد همه حال

و بحکم آنکه اعتقادے هست در کیاست وے و وصف جوهر وے که دانسته ام که قابل باشد هر علم را که با سرار دین تعلق دارند تنبیه کرده آمد والسلام ۔

نامۀ سوم

که در حق بعضی از مختلفه خویش نوشته در معنی عنایت و تیمار داشت

علی نعت الاطلاق الی کل من یصل

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدنیا ملعونة و ملعون ما فیها الا ما کان لله منها آں ارتفاع رتبت و جاه و اتساع ثروت و مال همه تخم شقاوتست و سبب دمار الا آں چه زاد آخرت و ذخیره قیامت سازند و در حق آں مال و صاحب آں مال چنیں گفت صاحب شرح علیه السلام نعم المال الصالح للرجل الصالح و مبرور ترین قربتی و مقبول ترین براتے و بموضع ترین اکرامی آں بود که مصیب آں اهل علم و دین و ورع بود والسلام ۔

نامۀ چهارم

که نوشته است در معنی اخوانیات بخواجه عباس بخوارزم

بسم الله الرحمٰن الرحیم

سلام الله تعالیٰ علیه اخوت دین و قرابت علم از همه وسایل راسخ تر است و اگرچه بظاهر تعارفی نرفته است تعارف باطن موکد است والارواح جنود مجندة والنظر الی القلوب لا الا القوالب و تا همت و سیرت وی به تفصیل شنیده ام دل قوتے و انتعاشے برگرفته است و شکر می گویم که الحمد لله که روی زمین هنوز خالی نیست از کسی که میان علوم شرع و سیرت تصوف و اقتداء بصحابه جمع کرده است که با حاد آن قیام نمودن غریبست و جمع کردن میان این همه عزیز و اگر طریق دعوت خلق در دست گرفتے و ایشان را برضا و طریق سعادت خواندی و بگذاشتے تا مردمان وی را سلام گفتندی اقتداء وی بصحابه تمام شدی و غایت کمال بودی و من احسن قولا ممن دعا الی الله و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین اسال الله تعالیٰ ان لا یحرمنا عن برکات القاسه و حرکاته ـ

نامۀ پنجم

که نوشته در جواب ابن العامل

بسم الله الرحمٰن الرحیم

والصلوٰة علی رسوله محمد و اله اجمعین سلام الله تعالی علی الشیخ الامام و رحمة الله و برکاته و رافته نوشته کریم وی محتشم رسید مشتمل بر انواع تفضل و اکرام و معرب از غزارت

فضل و وفور علم و خلوص اعتقاد و بدان استظهار و اعتداد حاصل شد و اسال الله تعالی ان یکثر فی اهل العلم و زمرة الفضل مثاله و ان یعرفه عوالم العلم و اغواره فکل علم و فضل اثم شیئا سوی الله تعالی و متابعة رسوله فهو وبال علی صاحبه و قد قال رسول الله صلی علیه وسلم من از داد علما و لم یزدد هدی لم یزدد من الله تعالی الا بعداً العلم الهادی هوالذی یدعوک من الخلق الی الخالق و من الدنیا الی الآخره ومن التکبر الی التواضع ومن الحرص الی الزهد ومن الریا الی الاخلاص ومن الشک الی الیقین ومن اسرة المترفین الی سیرة المتقین و بیش تر خلق چنین دانند که هر که بعلم دین مشغول است سالک راه دین است و سیهات فقد روی فی المسند علی الصحیحین ان النبی علیه الصلوٰة والسلام قال من طلب علما مما یبتغی به وجه الله لینال به عرض الدنیا لم یجد عرف الجنة و به حقیقت اهل علم را این مصیبت بسنده است که خطر جمع فضل و علم بیشتر از خلق مال است که مال از دنیا است و شاید که بدان دنیا طلب کند اما علم دین از دین است چون وسیله دنیا سازند از جمله کبایر بود یکی را از بزرگان می آرند که گفت من طلب الدین یا قبح ما یطلب به الدنیا کان اعذر ممن طلب الدنیا باحسن ما یطلب به الآخرة چه دنیا را برای دین آفریده اند نه دین را از برای دنیا تبعست و خادم و دین مخدوم و متبوع هر که مخدوم را وسیله خادم سازد و وضع الهی را معکوس و منعکوس گردانیده بود و وضع الهی خود نگردد اما وی بصورت و عمل خویش منکوس بود هم درین عالم لکن این چشم ها ظاهر انکاس وی نه بیند چون این چشم فرا شود و عالم دیگر پدید آید که حقائق معانی را از غطا و

کسوت صورت برهنه کنند و صورت تبع صفت شود و هر کسی را بصورتی که ملایم صفت وی بود بیرون آورند تا صاحب شره خویشتن را بر صورت خری بیند و صاحب کبر خویشتن را بر صورت پلنگی بیند و صاحب غضب خویشتن را بر صورت گرگی بیند و صاحب دنیا بعلم دینی خویشتن را منکوس و معکوس بیند و با وی گویند فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید ولو تری اذ المجرمون ناکسوا رؤسهم عند ربهم ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون جواب چنین آید که اولم نعمرکم ما یتذکر فیه من تذکر و جاءکم النذیر فذوقوا فما للظالمین من نصیر و این مصیبتی است جمله علما را و اهل علم دین بر سه قسم اند گروهی ازین مصیبت غافل اند و بے خبر و اسم علما بریشان مجاز محض است اولئک هم الغافلون لاجرم انهم فی الآخرة هم الخاسرون و گروهی دیگر درین ماتم نشسته اند و ازین مصیبت خلاص نیافته اند و این نیز در روزگار ما نادر است و گروهے دیگر ازین خاص وهم السابقون السابقون اولئک المقربون و طوبی لعین راتهم اورات من رآهم و لیتنا کنا ممن اکتحلت ابصارهم بلقیاهم فمنهم ظالم نفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات باذن الله این سه گروه اند اسال الله تعالی ان یجعلنا و ایاه من المخلصین و ان یعیدنا من غرور العالمین بکرمه وسعة جوده والسلام۔

نامۀ ششم

که نوشته است در حق بعضی از مختلفه خویش تا وی را بطلب علم و تحصیل رها کند و قاطع راه وی نیابد

بسم الله الرحمٰن الرحیم

بدان که ایزد سبحانه تعالی تقدیر چنان کرده است که

طلاب سعادت بوسیله علم و تقوی عزیز باشند و بزرگ و از هزاران عددی اندک بود که روی به تحصیل آورند و روی از اشغال و اعمال دنیوی بگردانند و ازان طبقه که توفیق یابند که روی بعلم آورند اندکے باشند که قریحت و فهم ایشان مهیا بود ادراک غوامض علوم را و ازان قوم که ذکا و قریحت ایشان تمام بود اندکے باشند که اخلاق ایشان چنان باشد که علم ایشان آلت شوق جمع دنیا و طلب حطام نگردد تا میان علم و عمل جمع کنند و راه آلت تقوی را ملازمت کنند و راهبری خلق را شایند و ازان قوم باشند که حق تعالی گفت و جعلنا هم آئمة یهدون بامرنا لما صبروا و کانوا بآیاتنا یوقنون نه ازان قوم که گفت واتل علیهم نبأ الذی اتیناه آیاتنا فانسلخ منها الایته و این قوم اندک که فطنت ایشان استعداد کمال علم دارد و فطرت ایشان استعداد قبول تقوی دارد تقدیر چنان رفته است که شیاطین را بریشان مسلط کنند تا عوایق می انگیزد تا بوجهے که ممکن بود این راه را قبل الاستکمال بر ایشان قطع کند و یکی از عوائق قرابت است و یکی مال و ضیعت است و یکی مناقشت و خصومت و اینهمه از شیطانست در قطع طریق این طالب و فلان از جمله این اندک است که بفطنت و فطرت استعداد کمال علم و تقوی دارد اگر تواند که اسباب فراغت وی ساخته دارد تا بذروه کمال رسد ثمره آن در دین و دنیا هم گنان به بینند و اگر هر ساعتی تقاضا باز آمدن می کند و در اسباب فراغت وی فتوری می نماید و در شفقت عین بی شفقتی می ورزد قاطع راه وی بوده باشد و قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تکن عونا للشیطان علی اخیک و همانا گوید باز آمدن روزی چند بر طریق صله رحم قطع این طریق نبود بیش تر از طلب علم منقطع بدین شده اند که بدین قصد و اندیشه با وطن شوند

و عتبه خانه بلند بود و وطن آستانه علایق و عوایق بود تا کار نا ساخته بعائقی مقید شود و از سر کار برخیزد آن چه نصیحت بود گفته آمد کل میسر لما خلق له فطوبی لمن خلق للخیر و الاعانة علیه ـ

نامهٔ هفتم

که بقاضی امام سعید عماد الدین محمد وزان نوشته در حق کسی بر سبیل عنایت و تیمار داشت و شفقت

بسم الله الرحمٰن الرحیم

اعتداد بد آن چه میرسد از اخبار و انتظام اهل وی و افرست و بحکم شمول ایمان والمومنون کنفس واحدة و قربت علم مساهمت در سر او خر واجب است و هر چه از احوال علم مناسبت دارد سیرت علماء سلف بود و زاد آخرت و ذخیره قیامت و اقتداء امت را شاید نعمتی بزرگ بود و همه را بدان شاد باید بود و تهنیت باید کرد و هر چه بخلاف این بود مصیبتی بزرگ بود همه را در ماتم این مصیبت شریک باید بود و بحکم آن که مکاتبه بے فایده نوعی از تصنع و رسم باشد قلم نگاه میدارم مگر بوقت حاجت قال الله تعالیٰ لا خیر فی کثیر من نجویٰهم الا من امر بصدقته او معروف او اصلاح بین الناس و مکاتبه و مراسله هم دریں معنی مناجات و مشافهت بود و سبب تحریر این دلالتست بر شرح حال فلان که از فاضلان و مبارزان اصحاب رائے است و با نواع فضل آراسته است و دریں وقت قصد آن ناحیه کرد بفلان مهم از عنایت وی مستغنی نباشد آن چه در حق وی تقدیم کند از عنایت و اکرام و قضاء حق و فضل وے در احترام بثواب جزیل و دعاء صالح و شکر و ثناء فائح مقابل بود ـ

نامهٔ هشتم

که نوشته است

علی نعت الاطلاق الی کل من یضل در حق بعضی از مفوضه خویش بر سبیل عنایت و شفقت

بسم الله الرحمٰن الرحیم

شعب و مقامات راه دین هر چند که بسیار است لکن جمله آن از دو ورق بیرون نیست اول ورق معامله است دوم ورق معرفت و معامله مقدمه معرفت است و بدایت معامله لقمه حلال است و نهایت معامله اخلاص در جمله اعمال چون ازین نهایت در گذرد بدایت ورق معرفت رسد و اول خط این ورق حقیقت لا اله الا الله است که بصفتی پدیدار آید قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اول ما خط الله تعالیٰ فی الکتب الاول لا اله الا انا وسعت رحمتی علی غضبی و در ورق معامله همین کلمه هست لکن عقیده باشد و بدرجه صفتی نرسیده باشد چون آن کلمه بصفتی پدیدار آید که عقید هائے دیگر همه توابع آن اصل است از قشور الفاظ برون آمدن گیرد و لباب از قشور مکشوف شدن گیرد در ورق معرفت سخن کوتاه اولتر چه هر کلمه ازین ورق که سالک راه بدان رسید از شرح مستغنی شد و هر که بدان نرسیده بود هنوز نزدیک وی منکر بود ثمره گفتار با وی خصومت کردن بود هنوز نزدیک وے نه هدایت اما ورق معامله سخن در وی هر چند مشروح تر نافع تر و گفتیم که اول این ورق لقمه حلال است و ورع در طلب حلال بر چهار وجه است اول ورع عدل است که با نعدام آن عدالت شهادت و روایت و قضا حاصل نشود و هر چه از اموال دنیا در فتوی علماء شرح حرامست آن وراع را باطل کند دوم درجه ورع صالحانست که نیک مردان

از مواقع شبهات احتراز کنند اگرچه در ظاهر شرع حرام نباشد
چنان که رسول گفت صلی الله علیه وسلم بعضے از اصحاب را استفت
عن قلبک و ان افتوک المفتون و گفت دع ما یریبک
الی ما لا یریبک و آن از فضایل است نه از فرائض و سوم ورع
متقیان است قال النبی صلی الله علیه وسلم لا یکون المرء
من المتقین حتی یدع ما لا باس به مخافة ما به بس و
ازین بود که صدیق اکبر رضی الله عنه در دهان سنگے نهادی تا
سخن مباح نیز نگوید که نباید که درمیان آن چه نشاید نیز گفته آید
و عمر خطاب رضی الله عنه بوی مشک شنید از مقنعه اهل خویش
که مشک بیت المال سخته بود و انگشت در مقنعه مالیده عمر مقنعه
می شست و در خاک می مالید تا بوی جمله از وی بشد هر چند آن
در محل تسامح بود لکن ترسید که چون راه کشاده گردد بزیادت این
ادا کند و چهارم درجه ورع صدیقانست که همه مباحات بر خویشتن
حرام کند الا آن چه بر ای حق تعالی بود و هولاء قوم لا یاکلون
الا لله ولا یشربون الا لله ولا ینطقون الا لله ولا یسکنون الا لله طعام
بر ای قوت طاعت خورند و قیلوله بر ای تهجد کنند و خواب اول شب
برای وقت سحر کنند نطق ایشان ذکر بود و سکوت ایشان فکر بود
و نظر ایشان عبرت بود و اغماض ایشان هیبت و حرمت بود و همه
احوال همچنین پس کسانیکه ایشان را از ورق معامله حلال و حرام
خبر بود در سه مقام فرود آمدند چنان که حق تعالی گفت ثم
اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبدنا الایة کسانیکه
بر درجه ورع عدول اقتصار کردند از مقتصدانند و گروهی که بدان
وفا نکردند لکن بندور - و از قیام بدان تقاعد نمودند ظالمانند و کسانیکه
بدان قناعت نکردند لکن بدرجاتے که وراء آنست ترقی کردند
سابقانند و کسانیکه قصد علو درجه چهارم کردند سابقان سابقانند و

درجه سابقان در آخر زمان ممتنع است یا عزیز و متعذر لکن امیدوار است که کسانیکه درین اعصار بورع عدل قیام نمایند و شرط آن بجای آورند که ایشان را درجهٔ سابقان دهند قال علیه الصلوه والسلام سیاتی علی الناس زمان من تمسک بعشر ما انتم علیه نجا فقیل ولم ذلک قال لا نکم تجدون علی الخیر اعوانا پس اگر کسی گمان ببرد که هر که بمال دهقانان و بازاریان قناعت کنند از سابقانست و آن که مال سلطان قبول کند همه احوال از ظالمانست خطا پندارد بلکه چنان که مال بازاریان امیخته است و تفصیل دارد مال سلاطین همچنین تفصیلے دارد و مال سلاطین بر سه قسم است یکی مالی که مغصوب و مصادر است و قسمت و خراج از کسیکه معروف و معین نیست و این حرام محض است و ستاننده این اگر با خداوند آن ندهد از ظالمان است دوم مالی که آن از ارتفاع ایشان بود از مالکی که خریده باشد احیا کرده و تخم خریده باشد یا ازان بزرگر بود ستاننده از مقتصدانست نه از ظالمان و اگر در بهای ملک شبهتے راه یافته باشد بدین شبهت ورع سابقان فوت شود نه ورع عدول و مقتصدان و سوم آن که مغصوب حرامست لکن مالک را نشناسند فتوی شرع درین مال آنست که ازیشان ستدن و بمصالح و بدرویشان رسانیدن اولی تر از آن که در دست ایشان بگذاشتن تا آلت ظلم و فساد سازند لکن ستاننده باید که یا درویش بود و بقدر حاجت ستاند یا توانگر بود و هیچ چیز در وجه خویشتن صرف نکند لکن بدرویشان و مصالح رساند و هر که بضرورت عیال ازین مال از قدر حاجت بیش نستاند از مقتصدانست و ظالم نیست و فلان مدتے بخانقاه ما مقام کرد و سیرت وی پسندیده بود و اگر برای ضرورت عیال از خیرات موسع و اوقاف و مال سلطان چیزی طلب کرد اول بر فتوی شرع عرضه کرد و بر محل رخصت اختصار کرد و عزیز باشد که کسی

درین روزگار با اقلال و کثرة اعیال احوال و اعمال بمیزان فتوی شرع سخته دارد و چنین مردی درین روزگار مستحق دخار بود نه مستحق مهاجرت و انکار تا فلان برادر و دیگر مشایخ کثر الله فی الدنیا فی الدین امثالهم این معنی از احوال وی بشنوند مقدم ویرا با قبال و قبول تلقی کنند والسلام علی سید المرسلین -

باب پنجم

در فصول و مواعظ که بر وقت گفته است و نوشته

فصل اول

از انشاء او در ذکر آفات علم و مناظره و تذکیر و بیان خط نفس در وے و کیفیت استدراج و استغوا ابلیس اهل علم را بواسطه مناظره و تذکیر بسخط حق تعالیٰ و بشقاوت ابد و بیان جل وے

بسم الله الرحمٰن الرحیم

نصیحت کردن و نصیحت خواستن هر دو آسان است دشوار قبول کردن است خاصه بر کسیکه بطلب علم و فضل علم مشغول بود که پندارد که علم مجرد وسیله وی خواهد بود و از عمل مستغنی است و حاجت وی بیشتر ست که حجت بروے موکد تر است و اشد الناس عذابا یوم القیٰمة عالم لا ینفعه الله بعلمه پس اگر سعادت آخرت میخواهی و نمی باید که علم بر تو حجت گردد از چهار کار حذر کن اول آنکه مناظره مکن که فایده بیش از ریاضتی و کسب قوتی در طبع نیست و آفات او بسیار است فاثم اکبر من نفعه چه وی منبع اخلاق ذمیمه است چون ریا و حسد و مباهات و غیر آن پس اگر چیزی مشکل شود

و محتاج شود بدانکه آنچه حق است بداند بدین نیت روا بود - این را
دو علامت است یکی آنکه فرق نکند میان آنکه حق بر زبان او
مکشوف شود یا بر زبان خصم و دیگر آنکه این مباحثه در خلوت
دوست دارد ازانکه در ملا - دوم آنکه تذکیر مکن و ازین سخن
بیندیش که با عیسیٰ علیه السلام گفتند یا ابن مریم عظ نفسک
فان اتعظت فعظ الناس و الا فاستحی منی پس اگر برای مراعات
اقارب بدین مبتلی شود از دو چیز احتراز کن یکی آنکه از تفاصح
و عبارت بسیار و اسجاع متوالی حذر کن که خدای تعالیٰ متکلفان را
دشمن دارد و تکلف سجع خاصه که از یکی در گزشته دلیل خرابی
باطن و غفلت دل بود چه معنی تذکیر آنست که آتش مصیبت
خطر آخرت در دل افتد و مرد را بے قرار کند جوش آن آتش و نوحه
آن مصیبت را تذکیر گویند اگر سیلابی بدر سرائے کسی رسد
و فرزندان وی را هلاک کند منادی ندا در سرای در دهد که
الحذر الحذر بگریزید که سیل آمد درین وقت وی را هیچ بسجع
و تفاصح تکلف نباشد مثال بذکر یا خلق همین است و دیگر آنکه
دل بآن ندارد که تا خلق نعره زنند و حال کنند و شور در مجلس
افگنند تا مردمان گویند که مجلس خوش بود که این هم دلیل غفلت
و ریا بود و لکن همت بآن دارد که قبله ایشان بگرداند از دنیا
بآخرت و از حرص بزهد و از غفلت به بیداری چنانکه چون بیرون
شوند چیزے از صفات باطن ایشان بگردیده باشد و یا در معامله
ظاهر پیدا گشته بود در طاعتے که فاتر بوده اند راغب شوند
و بر معصیتی که دلیر بوده اند ازان باز گردند تذکیر این بود وگرنه
این همه وبال بود بر گوینده و شنونده - سوم آنکه به هیچ سلطان
سلام مکن و بایشان البته مخالطه مکن که فتنۂ مجالست سلاطین
بزرگ است وکسیکه مبتلے شود بدیدار ایشان باید که قضای مداحی

و اطناب در ثنائے ایشاں در باقی کند و چوں از مجلس آیند همچنیں فان الله تعالیٰ یغضب اذا مدح الفاسق و من دعا لظالم بطور البقاء فقد احب ان یعصی الله فی الارض - چهارم آنکه از سلطان هیچ چیز مستاں و اگرچه مثلاً حلال بود - طمع بمال و جاه ایشاں سبب فساد دین بود و ازاں مداهنة و مراعات و موافقت بر ظلم و غیر آں لازم آید و ایں همه هلاکت بود ایں چهار مخطور است که ایں احتراز باید کرد که نا کرد نیست اما آنچه کرد نیست چهار اصل است دراں ملازمت کند - اول آنکه هر معامله که میان او و میان خلق است چناں کند که اگر با وی کنند پسند و روا دارد فلا یکمل ایمان عبد حتی یحب لسائر الناس ما یحب لنفسه دوم آنکه هر معامله که میان او و خالق است تعالیٰ و تقدس چناں کند که اگر بنده وی در حق وی کند پسندد و هرچه از بنده خویش در حق خود نه پسندد با آنکه وی را به حقیقت بنده نباشد از خویشتن در بندگی حق تعالیٰ نه پسندد و سوم آنکه چوں بتربیت علم مشغول شود بداں علم مشغول شود که اگر بدانستی که تا یک هفته دیگر وفات وے خواهد بود با هماں مشغول شدی و ایں نه شعر بود و نه ترسل و نه خلاف و نه مذهب و نه اصول و نه کلام آنکس که بدانست که تا یک هفته دیگر بخواهد مرد اگر موفق بود جز بمراقبه دل و معرفت صفات وے مشغول نشود تا وے را پاک گرداند از علائق دنیا و هر علاقه که جز حق تعالیٰ - و آراسته گرداند به محبت حق تعالیٰ و صفاتے که مرضی بود عند الله و اگر کسے را خبر دهند که بادشاه اسلام بسلام تو خواهد آمدن دریں هفته بهیچ دیگر مشغول نشود جز بدانکه مطرح نظر بادشاه بود و تن و جامه و سرائے خویش پاک بکند از مکاره و بیار آید بمحاسن

و ان الله تعالی لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم و انما ینظر الی قلوبکم وعلم احوال دل از ربع مهلکات و منجیات بتواند شناخت از کتاب احیا یا کیمیا یا جواهر قرآن - علم مهم تر و فرض عین این است بروی - باقی یا فضل است چون خلاف مذهب یا فضول چون شعر و ترسل و چهارم آنکه مال دنیا چندان کسب کند که اگر بآسانی بدان عالم خواهد رفت بسنده کند و ذلک قدرالکفاف له الذی ارتضاه رسول الله صلی الله علیه وسلم لاهل بیته اذ قال اللهم اجعل قوت آل محمد کفافا و قال علیه الصلواة والسلام من اخذ من الدنیا فوق ما یکفیه اخذ جیفة و هو لا یشعر -

فصل دوم

در حق کسی گفت که بدایته الهدایته نوشته بود در معنی شرایطی و اوصافی که می باید در متعلم تا اهلیت آن دارد که بدایته الهدایته بر خواند

بسم الله الرحمٰن الرحیم

آنچه دریں کتاب نوشتی بدایت هدایت است نه نهایت و نشان هدایت آنست که یک نفس باشی و یک همت و یک اندیشه و یک دیدار یک نفس آنست که دل در گذشته و نه آمده نه بندد و ویرانه فردا بود نه دی نه بر گذشته تاسف خورد و نه نا آمده را تدبیر کند بلکه جز یک نفس را که نقدست مراعات نکند که گذشته نیست و به یقین است و آنکه مستقبل است ممکن است که نیست بود به یقین جزیں یک نفس نیست و یک همت آن بود که دریں یک نفس وی را هیچ قبله و مقصد نبود جز حق تعالی - روی بوے آرد

لازم بود ذکر وی را بل شهود وی را بل دیدار وی را و این همه را یک درجه دیگر است و یک اندیشه آن بود که خود را بآسانی کند تا هر خاطر که جز حق تعالیٰ است و جز کاری که بوی تعلق دارد از دل نفی کند الدنیا معلونة و معلون ما فیها الا ذکر الله وما و الاه و هرچه جز حق تعالیٰ است درین معنی است و یک دیدار آنست که در هرچه نگرد حق را بآن بهم بیند که در وجود خود بحقیقت جز وی نیست دیگر آن همه نیست هست نمایست و این هر یک را نیز درجه ایست و هم درجات عند الله هرکه در درجه باشد ازین درجات از بدایت به نهایت هدایت رسد والسلام -

فصل سوم

در حق اباحتیان زندیق و بیان غوایت ایشان و طریق استیلاء شیطان بریشان و بیان آنکه ایشان بدترین خلق اند

۱

بسم الله الرحمن الرحیم

ستفترق امتی بینف و سبعین فرقه الناجیة منها واحدة گفت امتِ من هفتاد و دو فرقه باشند و رستگاران از جمله ایشان یک فریق باشد و دیگر همه هلاک شوند و سبب این افتراق آن بود که امت بسه گروه شده اند در اصل - بهترین و بد ترین و میانه - بهترین امت صوفیان بودند که همه مراد و شهوت خویش در مراد حق بگذاشتند و بد ترین فاسقان بودند و کسانیکه ظلم کنند و شراب خورند و زنا کنند و عنان شهوت فراگذارند بدانچه خواهند و توانند و خویش را غرور دهند که خدای تعالیٰ کریم و رحیم است و برین اعتماد کنند و میان اهل صلاح

بوند از جمله عوام خلق پس هر قسمی بست و چهار قسم گشتند
بدانکه با یک دیگر بیا میختند و جمله هفتاد و دو فریق شدند و سبب
زیادت این قسم ها آن بود که شیطان حسد کرد صوفیان را که
بهترین خلق بودند هیچ معصیت و شهوت آلوده نبودند و حسد کرد
فاسقان را و گفت اگرچه ایشان بد ترین اُمت اند لکن اُمید آنست
که رسوائی خویش بدانند و بچشم نقصان در خویشتن نگرند و توبه
کنند و چون ایزد و سبحانه تعالیٰ بپزیرد که گفته است و انی
لغفار لمن تاب پس طریقی باید ساخت تا این پاکان آلوده گردند
و ملوث گردند بمعاصی و این فاسقان ناپاکان کور گردند تا آلودگی
و رسوائی خویش نه بیند پش خواست که از میان صوفیان و فاسقان
ترکیبی سازد و بیامد و صوفیان را گفت شما آرامید و خویشتن را
مرنجانید بیفاده - و خدای را به طاعت شما چه حاجت و از معصیت
شما چه زیان و خدای رحیم و کریم است و آمرزنده و مقصود از تکالیف
ضبط عوام خلق است تا بسبت اموال دنیا خصومت نکنند و مقصود
از طاعت قربت است بخدای تعالیٰ و شمارا این قربت هست پس نفس را
رنجانیدن و از شهوات دنیا دست بداشتن جز ابلهی نبود - این جماعت
چون وسواس در دل ایشان اثر کرد و طبیعت برای طلب شهوت دنیا
مدد فرستاد این راسخ و مستحکم گشت سر در سر معاصی نهادند زن
و فرزند را مباح کردند و بجامه و لباس صوفیان می بودند و الفاظ
بو زن می گفتند و ندانستند که خدای اگرچه کریم است شدیدالعقاب
است و قربت ایشان بیش از قربت و درجه پیغمبران نباشد و جمله
پیغمبران از طاعت و عبادت دست نداشتند و بدین شبه مغرور نشدند
پس شیطان چون آن درخت در دل ایشان نشاند از کار ایشان فارغ
شد و دانست که بعد ازین نیز با صلاح نیایند و قابل علاج نباشند
چه جمله شهوات دنیا را اسیر گشتند و بزی صوفیان زندگانی می کنند

و خویشتن را از مقربان درگاه عزت می دانند پس بحقیقت باید دانست که این قوم بد ترین خلق اند و بد ترین امت اند و علاج ایشان مایوس شدن است و بایشان مناظره کردن و نصیحت گفتن سود ندارد بلکه قمع و استیصال ایشان و ریختن خون ایشان واجب است و جز ازیں طریق نیست در اصلاح یفعل الله بالسیف والسنان ما لا یفعل بالبرهان والقرآن -

فصل چهارم

در نصیحت

چنیں شنیده ام که کسے از دور بنزدیک حجة الاسلام آمده بود و ازو نصیحت خواسته حجة الاسلام این نصیحت کرد قال الله تعالیٰ و ذکر فان الذکرے تنفع المؤمنین اگر طالب راه سعادتی بدانکه اصول سعادت سه است ملازمت و مخالفت و موافقت - ملازمت ذکر حق تعالیٰ در همه احوال چنانکه هیچ ازاں خالی نباشی تا توانی - و مخالفت نفس و هوا را تا شکسته شود و اسیر تو گردد و ترا از ملازمت ذکر باز ندارد و چه اگر غالب شود ترا اسیر گیرد و بداں مشغول دارد که هوائے وے باشد و از حق تعالیٰ حجاب کنند - وموافقت با حدود شرع و سنن و آداب در همه حرکات و سکنات ظاهر و در همه اندیشهائے و ظن چوں توفیق هر سه دادند تا دل همه ذکر گشت و جوارح همه بصفت فرمان گشت و صفات نفس همه مقهور شد خلقت سعادت تمام شد و بزرگ ترین کرامات حاصل شد پس ازیں اگر چیزے نماید و صورتے بینی یا نورے نمایشے کند در بدایت کند دل دراں مبند و بداں التفات مکن و آں را بس وزنی مداں و اگر نه بینی دل مشغول نیز مدار چوں این سه است که گفته آمد آبادان بود و السلام -

فصل پنجم

در حق شهاب الاسلام گفت در مشافهه در وقتی که از قلعه ترمذ خلاص یافت و بطوس نزول کرد روز آدینـه در مسجد جامع بود حجة الاسلام سلام نماز باز داد و فرا نزدیک وی رفت و وی را پرسید و گفت

قـال الله تـعـالـی ولـنـذ یـقـنـهم مـن الـعـذاب الا دنی دون الـعـذاب الاکـبر لـعـلـهم یـرجـعـون الطاف حـق تعالی در حق دوستان خویش بسیـار اسـت و انـواع مکروی در حـق دشمنان وی بسیار و مـکـر وا مـکـرا و مکرنا مکرا و هـم لا یشعـرون چهار صد سال فرعون را درد سر ندهد تا در غوایت بحدیش رساند که گوید انـا ربـکـم الا عـلـی قلعه ترمذ و غیرآن از انواع منتبه کمند الطاف حضرت حق است که بندگان و دوستان را با خود میخواند لـعـلـهـم یـرجـعـون تا باشد که بدین سبب از شقاوت ابد خلاص یا بند و متنبه شوند و چون در حق تو آن کمند بینداخت و ظاهر گشت اثر تنبه باید که ظاهر شود بر جمله اعضا و اثر آن متنبهه آن بود که چون بر چشم ظاهر شود همه عبرت بیند و آیت حق و الٰهیت و توحید بیند و اگر بر زبان ظاهر شود همه ذکر حق شود و اگر بر دل مستولی شود همه در شهود حق بود و هر چه جز حق بود ازان اعراض کند و بدان التفات نکند و اگر بر قدم ظاهر شود همه در راه حق برگیرد پس اگر چیزے از جمله این آثار بر یکے از اعضا ظاهر شود آن تنبیه افگنده باشد بغنیمت باید دانست و اگر نه تن در باید داد و عقوبت اکبر را انتظار باید کرد دون الـعـذاب الاکبر و آن نه عذابست با آتش دوزخ بل عقوبت دل بود بآتش روحانی نـار الله الـمـوقـدة

التی تطلع علی الافئدة حجاب بود از حضرت الٰهیت کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون ثم انهم لصالوا الجحیم ایزد تعالیٰ همه بزبان و دل آن را ناد که سبب نجات شود از هر دو نوع عذاب و سبب سعادت ابدی بود و نزدیکی به حق تعالیٰ و رضاء وی -

فصل ششم

در حث و تحریض بر اخلاص در دعاء استسقا و نماز استسقا

آفات مترا کم است و بلا های آسمان متواتر و خواطر مشوش و همت ها بکار دنیا مشغول و اندیشها از راه حق مصروف و بر زخارف دنیا و تحصیل آن مقصور ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم چون مردمان بکلی بر طلب دنیا اقبال کردند و بران اکباب نمودند دنیا بیک بار پشت پریشان داشت کل یتبوع ممنوع والحریص محروم طریق معالجه آنست که بر طاعت و عبادت مواظبت کنند و بدان مشغول شوند و از دنیا و طلب آن اعراض کنند و چون بطاعت مشغول شوند و از دنیا و طلب آن اعراض کنند و طاعت بهر اخلاص دنیا و ثناء مردمان و ثواب منتظر نکنند بلکه از برای حق تعالیٰ کنند و طاعت ایشان سمت اخلاص بود برضاء حق تعالیٰ نزدیک گردند و شایسته حضرت الٰهیت شوند و مناسبتے میان ارواح و روحانیات محقق شود انگه اگر دعائے کنند یا از حق تعالیٰ چیزی در خواهند آن را اجابت بزودی ظاهر شود و ادعونی استجب لکم در حق این قوم بود والا دعا کردن بے این شرایط الغائی بلا فایده بود والسلام -

کفار سے موالات

خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

لا یتخذ المؤمنون الکفرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئی الا ان تتقوا منھم تقٰہً و یحذرکم اللہ نفسہ و الی اللہ المصیر قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلم اللہ و یعلم ما فی السمٰوات وما فی الارض واللہ علیٰ قل شئی قدیر -

نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست سوائے ایمان والوں کے اور جس نے ایسا کیا تو اللہ سے اس کے لیے کچھ نہیں مگر یہ کہ تم ان (کے شر) سے بچنے کے لیے ایک بچاؤ کرو - اور اللہ اپنے سے تم کو ڈراتا ہے اور اللہ کے پاس جانا ہے کہ وے (اے پیغمبر) اگر تم چھپاؤ گے جو کچھ تمھارے دل میں ہے یا اس کو ظاہر کرو گے اس کو خدا جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے -

اس آیت کی نسبت مسلمان عالموں نے بہت بحث کی ہے اور متعدد معنی نکالے ہیں ، مگر تمام آیت پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ اس میں کافروں کے ساتھ محبت یا دوستی فی الدین ممنوع ہے ، یعنی کافروں سے اس وجہ سے دوستی و محبت کرنی کہ ان کا دین اچھا ہے منع بلکہ کفر ہے اور اس کے سوا اور قسم کی دوستی و محبت ممنوع نہیں ہے -

بہ تخصیص خود اس آیت سے ظاہر ہے کیوں کہ اسی میں فرمایا ہے ''و من یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شی'' جس سے اس دوستی کرنے والے کا کفر لازم آتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ محبت منجر بکفر نہ ہو اور وہ منجر بکفر نہیں ہو سکتی جب تک کہ تحسین فی الدین نہ ہو -

اصل یہ ہے کہ جب مسلمان کافران مکہ کے پنجے میں پھنس جاتے تھے تو وہ ان کو ایذا دیتے تھے اور اسلام سے پھیر کر پھر اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے - اس مصیبت کے سبب یہ حکم نازل ہوا ہے جس میں یہ ہدایت ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت فی الدین مت کرو لیکن اگر ان کے شر سے بچنے کے لیے بچاؤ کر لو تو کچھ گناہ نہیں ہے - کیوں کہ دل کی بات اور ظاہر کی بات سب خدا جانتا ہے - یہ آیت مثل سورہ نحل کی آیت کے ہے جہاں کافروں کے عذاب کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ '' الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان'' یعنی جس شخص نے جبر سے کفر کی بات کہہ دی ہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو اس کو کچھ عذاب نہ ہوگا -

علمائے مفسرین نے اگرچہ متعدد تاویلیں اس آیت کی کی ہیں مگر وہ مطلب بھی جو ہم نے بیان کیا ہے انھوں نے تسلیم کیا ہے - تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ چند یہودیوں نے مسلمانوں سے میل جول اس غرض سے شروع کیا کہ ان کو ان کے دین سے پھیر دیں - رخاعة بن المنذر اور عبد الرحمن بن جبیر و سعد بن خثیمہ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ تم ان سے بچے رہو کہ تم کو تمھارے دین سے نہ پھیر دیں اس پر آیت نازل ہوئی -

اسی تفسیر میں '' الا ان تتقوا منھم تقاہ'' کے ذیل میں

ایک قصہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو مسیلمہ کذاب نے پکڑ لیا - مسیلمہ کہتا تھا کہ قوم قریش کے لیے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں اور بنی حنیفہ کے لیے میں پیغمبر ہوں - اُس نے ایک صحابی سے پوچھا کہ محمد پیغمبر ہیں انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، ہاں، ہاں - پھر اُس نے پوچھا کہ میں بھی پیغمبر ہوں - انھوں نے کہا ہاں - جب دوسرے صحابی سے پوچھا کہ محمد پیغمبر ہیں اُنھوں نے کہا کہ ہاں اورجب یہ پوچھا کہ میں بھی پیغمبر ہوں تو انھوں نے کہا کہ میں بہرا ہوں - اس پر مسلمہ نے ان کو مروا ڈالا - جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو اپنے یقین پر مارا گیا اور اس نے رخصت پر عمل کیا -

اسی تفسیر میں لکھا ہے کہ کافروں کی دوستی تین طرح پر ہو سکتی ہے ایک یہ کہ اس کے کفر کو پسند کرتا ہو اور کفر کے سبب اُس سے دوستی رکھتا ہو - ایسی دوستی تو منع بلکہ کفر ہے - دوسرے یہ کہ دنیاوی امور میں بحسب ظاہر معاشرت جمیلہ یعنی اچھا میل جول ہو اور یہ ممنوع نہیں ہے - تیسرے یہ کہ کافروں کے ساتھ میلان ہوتا اور ان کی اعانت اور مدد اور نصرت کرنا بسبب قرابت کے یا محبت کے اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان کا مذہب باطل ہے ممنوع ہے مگر کفر نہیں - مگر ممنوع ہونے کی جو وجہ لکھی ہے وہ محض ناکافی ہے یعنی اس میں لکھا ہے کہ ممنوع اس لیے ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کبھی اُن کی کفر کی پسندیدگی پر منجر ہو جاتا ہے، مگر یہ بات محض لغو اور خود اپنے خیال سے پیدا کی ہوئی ہے جو مذہبی مسئلہ کی بنیاد نہیں ہو سکتی -

پس ان تمام روایتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کفار سے محبت اور دوستی من حیث الدین ممنوع ہے اس کے سوا کسی قسم کی دوستی اور معاشرت و محبت و وفاداری اور امداد اور کسی طرح کی راہ و رسم مذہبِ اسلام کی رو سے ممنوع نہیں ہے -

سمت قبلہ کی تحویل

تحویل قبلہ کا ذکر شروع کرنے سے پہلے ہم کو یہ بات بتانی چاھیے کہ حضرت ابراھیم کے وقت میں قبلہ یا سمت قبلہ کا کیا حال تھا - اس امر کا بیان اس بات پر موقوف ھے کہ حضرت ابراھیم کے زمانہ میں نماز کے کیا ارکان تھے - غالباً اُس نماز میں بھی رکوع و سجدہ ھو، مگر ھمارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں ھے کہ حضرت ابراھیم کے زمانہ میں نماز کے بعینہ یہی ارکان تھے - جو اب مذھب اسلام میں ھیں نہ یہ ثابت ھے کہ اس نماز میں جیسے کہ وہ ھو اُسی طرح پر رکوع و سجدہ تھا جیسے کہ ھماری نماز میں ھے بلکہ اگر اس زمانے کے حالات اور اس زمانے کی وحشی قوموں کی عبادت پر خیال کریں تو بجز اس کے اور کچھ نہیں پایا جاتا کہ وہ لوگ آپس میں حلقہ باندھ کر کھڑے ھو جاتے تھے اور کودتے اچھلتے تھے اور وہ حلقہ کا حلقہ اسی طرح چکر کھاتا جاتا تھا اور اسی جوش و خروش میں کھڑے ھو جاتے تھے اور سر ٹیک دیتے تھے اور اس کا نام پکارتے جاتے تھے - یا اس کی تعریف کے گیت گاتے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اسی نماز کا نشان اسلام میں طریقہ ابراھیمی پر موجود ھے جس کا نام مذھب اسلام میں طواف کعبہ قرار پایا ھے - ابن عباس سے مشکوۃ میں روایت ھے کہ ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الطواف حول البیت مثل الصلواۃ الا انکم متکلمون فیہ فمن تکلم فیہ فلا یتکلمن الا بخیر“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ کے گرد

طواف کرنا مثل نماز کے ہے - گویہ طریقہ نماز کا وحشیانہ ہو مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ حال کی سودب اور باوقار نمازوں سے زیادہ پُر جوش اور زیادہ تر محبت معبود کا بر انگیختہ کرنے والا اور معبود کے شوق کو زیادہ تر جوش میں لانے والا اور دل کو خالص اس کی یاد میں مشغول کرنے والا تھا - یہ حرکتیں انسان میں بالطبع مجنون کا سا جوش پیدا کر دیتی ہیں اور جس طرح مجنون کسی بات میں مشغول ہو اسی طرح خدا کی یاد میں انسان کو مشغول کر دیتی ہیں - حضرت ابراھیم کے زمانہ میں جو طریقہ نماز کا ہو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا - ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ کوئی سمت قبلہ کی معین نہیں ہوتی - یہ تمام ذوق و شوق اور اچھل کود اس شے کے گرد ہوتا تھا جس کو وہ بطور خدا کی نشانی کے قائم کرتے تھے - اسی قسم کی پرستش اب بھی بعضی وحشی قوموں میں پائی جاتی ہے - حضرت ابراھیم خدا کی نشانی کے لیے ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے اور جو عبادت یا نماز ہوتی تھی وہ اسی کے گرد ہوتی تھی - اس نے حضرت ابراھیم کے زمانہ میں کوئی خاص سمت کا قبلہ ہونا بجز اس نشان کے جس کو وہ قائم کر لیتے تھے اور کچھ نہیں پایا جاتا -

حضرت ابراھیم کی اولاد کا حال جہاں تک ہم کو ملا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ بھی کعبہ کی جانب کو سمت قبلہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر جگہ پتھر کھڑا کرکے اسی کے گرد اسی وحشیانہ طریقہ پر عبادت کرتے تھے چناں چہ ارزقی نے کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ بنی اسماعیل اور جرہم جو مکہ میں رہتے تھے - اُن کو گنجائش نہ ہوئی تو وہ ملک میں نکلے، اور معاش کی تلاش میں پڑے - پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ اولاً

پتھر کا پوجنا بنی اسماعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ جب آن میں سے کوئی مکہ جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا تھا - حرم کو بزرگ سمجھ کر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اترتے تھے تو اس پتھر کو رکھ لیتے تھے اور اس کے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے تھے - پھر اس کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے - اسی طرح پشتوں پر پشتیں گزر گئیں اور بھول گئے جو بات پہلی تھی اور ابراہیم اور اسماعیل کے دین کو بدل دیا اور بتوں کو پوجنے لگے-

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اسماعیل اور جرہم کی اولاد میں پشت در پشت کبھی کعبہ کی جانب سمت قبلہ نہیں قرار پائی تھی اور ان کا طریقہ عبادت ہی کا ایسا تھا کہ کوئی سمت قبلہ قرار نہیں پا سکتی تھی - قرآن مجید میں بھی کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ خدا نے اسماعیل یا آس کی اولاد کے لیے کعبہ کو سمت قبلہ مقرر کرنے کا حکم دیا تھا - زمانہ جاهلیت میں جب کہ عرب کی قوم نے کعبہ میں بت رکھ دیے تھے - اس زمانہ میں بھی جو کچھ آن کی پوجا ہوتی ہوگی وہ کعبہ میں ہوتی ہوگی ، لیکن یہ بات کہ جب وہ کعبہ سے دور چلے جاتے تھے اور اور مقاموں میں ہوتے تھے جب بھی کعبہ کی طرف منہ کرکے پوجا کرتے تھے کسی طرح ثابت نہیں -

بنی اسرائیل میں جب بیت المقدس کی تعمیر ہو گئی تو وہ بھی بطور ایک مسجد کے بنائی گئی تھی اور تمام رسومات عبادت کی جو کچھ کہ بنی اسرائیل ادا کرتے تھے اسی معبد یا مسجد میں جا کر ادا کرتے تھے ، مگر اس زمانہ تعمیر بیت المقدس میں آن کے وحشیانہ طریق عبادت یا نماز میں کافی اصلاح ہو گئی

اور ایک باقاعدہ ارکان نماز کے جس میں قیام اور رکوع بھی تھا قرار پائے - ہم کو عہدِ عتیق کی کوئی ایسی آیت نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم بیت المقدس سے دور ہو تو اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو مگر جب بنی اسرائیل کی نماز باقاعدہ ہوگئی تھی اور اس کے ادا کرنے میں کسی نہ کسی طرف منہ کا ہونا ایک لازمی امر تھا - س لیے بالطبع بنی اسرائیل اس بات پر مائل ہوئے ہوں گے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں اور اس طرح پر بیت المقدس آن کا سمت قبلہ قرار پایا -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت قریب تیرہ برس کے مکہ میں تشریف رکھی - اس بحث کو چھوڑ دو کہ نماز پنج گانہ فرض ہوچکی تھی یا نہیں اور جو ارکان نماز کے بالفعل مسلمانوں میں مقرر ہیں وہ مقرر ہو چکے تھے یا نہیں - مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس زمانہ دراز میں بھی کوئی طریقہ عبادت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اختیار کیا تھا - خواہ یہی ارکان نماز کے اختیار کیے ہوں جو بالفعل موجود ہیں خواہ بعد کو آن میں کچھ اصلاح ہوگئی ہو، لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ایسی حالتوں میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے بعید ہوں تو انھوں نے نماز یا عبادت ادا کرنے میں کعبہ کی طرف منہ کرکے ادا کرنا بطور ایک امر لازمی کے جس سے ثبوت سمت قبلہ کا ہو اختیار فرمایا ہو بلکہ ہر طرح قرینہ و قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تشریف رکھی کوئی سمت قبلہ اختیار نہیں کی -

جب کہ حضرت مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے جہاں یہودی کثرت سے تھے اور ان کی نماز بھی قریباً قریباً اسی قسم کی تھی

جیسی کہ مسلمانوں کی تھی ، تو بالطبع آنحضرت کو اسی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کی رغبت ہوئی - جس طرف کہ یہودی متوجہ ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے - بلاشبہ یہ امر مشرکین کو شاق گزرا ہوگا ، لیکن بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے میں ایک بڑی حکمت یہ تھی کہ مشرکین میں سے جو لوگ منافق تھے وہ اصلی ایمان والوں سے بالکل ممیز ہو جاتے تھے - یہی بات خدا تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے کہ ''وما جعلنا القبلة التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ'' یعنی ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا بہ جز اس مطلب کے اور کسی لیے نہیں مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں اس شخص کو جو پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر -

مدینہ میں اور اس کے گرد و نواح میں کثرت سے یہودی رہتے تھے اور انھوں نے بھی اسلام کی طرف رغبت ظاہر کی چند نے دل سے اسلام کو برحق جانا اور بہت سے ایسے تھے جو بطور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے - پس جو ضرورت منافقین مشرکین کو اصلی ایمان والوں کو ممیز کرنے کی پیش آئی تھی وہی ضرورت منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی پیش آئی - ہر ایک شخص ظاہر داری کے لیے دوسرے مذہب کی جس کو کہ وہ حق نہیں سمجھتا جھوٹی باتوں میں منافقانہ طور پر شریک ہو سکتا ہے ، لیکن کسی ایسی بات میں جو ایک امر عظیم ہو اور خاص عبادت سے علاقہ رکھتا ہو اور ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں داخل ہونے کی بطورایک نشانی کے ہو اس کو بطور ایک نفاق کے ادا کرنے سے بالطبع نفرت اور پرہیز کرتا ہے اور جب تک کہ دل ہی سے اس دوسرے مذہب

کو نہ قبول کر لیا ہو اس وقت تک اس کو ادا نہیں کرتا ۔
اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی کہ سمت قبلہ کو
تبدیل کیا جائے اور اس پر خدا سے وحی آئی کہ کعبہ کی طرف سمت
قبلہ بدل دو ۔ اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے جہاں
فرمایا ہے ۔ "قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک
قبلة ترضھا فول وجھک شطر المسجد الحرام" یعنی
ہم نے دیکھا تیرا منہ کا پھیرنا آسمان کی طرف پھر ضرور ہم تجھ کو
ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو تو پسند کرے گا ۔
پس پھیر اپنا منہ مسجد حرام کی طرف ۔ بیت المقدس اور بیت الحرام
دونوں مسجدیں تھیں اور دونوں میں سے کسی طرف منہ کرکے
نماز پڑھنا برابر تھا ، مگر ایسا کرنے سے منافقین یہود کی اصلی ایمان
والوں سے تمیز ہوگئی ۔ یہ امر ایک ایسا ممیز قرار پایا کہ آنحضرت
نے فرمایا کہ "من استقبل قبلتنا فھو مسلم" یعنی
جس شخص نے کہ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہے
اور درحقیقت یہ امر ایسا ہے کہ جب تک کوئی یہودی دل سے
مسلمان نہ ہوگیا ہو بیت المقدس چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے
پر بالطبع اس کو جرأت نہیں ہو سکتی ۔

اسی نشان کے قائم مقام اور مستحکم رہنے کو خدا نے
یہ حکم دیا کہ جہاں کہیں تم ہو اور جہاں کہیں جاؤ تو کعبہ
ہی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو ، مگر سمت قبلہ قرار دینے میں
ایک بڑا نقص یہ لازم آتا ہے کہ لوگوں کے خیال میں یہ بات
جمتی ہے کہ اس سمت کو یا اس مکان کو جو سمت کے لیے
مخصوص کیا گیا ہے خدا کی ذات سے کوئی خاص خصوصیت ہے
اور اس سمت میں یا اس مکان میں بالتخیص خدا ہے ۔ اس خیال
کے باطل کرنے کو صاف ہدایتیں خدا نے تحویل

قبله کے ساتھ ھی بتلا دیں - جہاں فرمایا ھے "وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" یعنی خدا کے لیے ھے مشرق اور مغرب - پس جدھر منہ کرو ادھر ھی خدا کا منہ یعنی اس کی ذات ھے اس ھدایت نے صاف صاف لوگوں کو شرک سے نجات دی اور جس طرح کہ مشرکین اپنے بتوں یا معبدوں کو سمت قبلہ بناتے ھیں اور جس طرح کہ مسلمانوں نے سمت قبلہ ٹھیرایا ھے اُن دونوں کے فرق کو بخوبی سمجھا دیا ھے اور ہر شخص سمجھتا ھے کہ مشرکین کی سمت قبلہ میں کیا فرق ھے - مسلمانوں کے مذھب کے مطابق کوئی خصوصیت یا وقعت بیت المقدس یا بیت الحرام کو قبلہ ھونے کے لیے نہیں ھے - بجز اس کے کہ وہ صرف ابتداءً واسطے تفریق درمیان منافقین اور مومنین کے ٹھیرایا گیا اور انتہاءً بطور مسلمانوں کی ایک نشانی کے قرار پایا -

کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ھے اور جو احکام اسلام میں ھیں لوگ اُن کو بخوبی نہیں سمجھتے - اس بات میں تو بہت لوگوں نے کوشش کی ھے کہ کون سا حکم فرض ھے اور کون سا واجب اور کون سا سنت اور کون سا مستحب - جو صرف ایک فرضی یا خیالی یا اصلاحی امور ھیں اور تفریق کو اصل مذھب اسلام سے کچھ چنداں تعلق نہیں ھے - اسلام کی حقیقت اور اس کے اسرار جاننے والے کو صرف اسی تفریق کا جاننا کافی نہیں ھے بلکہ اُس کو اس امر کا تحقیق کرنا ضرور ھے کہ در حقیقت اصلی احکام اسلام کے جن پر اسلام قائم ھے کون سے ھیں اور ان کے سوا کون ھے -

بالفعل مذھب اسلام جو ایک مجموعہ حقیقی اور فرضی یا واقعی اور قیاسی یا اجتہادی اور استنباطی احکام کا گنا جاتا ھے وہ دو قسم کے احکام پر منقسم ھو سکتا ھے : اول حقیقی اور واقعی -

دوم فرضی اور قیاسی اور اجتہادی اور استنباطی - پچھلی قسم کو مذہب اسلام کے احکام قرار دینا صرف ایک فرضی یا اصطلاحی بات ہے اور صرف اس وجہ سے کہ آئمہ اسلام اور علمائے اسلام نے ان کو استخراج کیا ہے احکام اسلام کا بطور ایک اصطلاح کے ان پر اطلاق ہوتا ہے ورنہ در حقیقت وہ اصلی احکام مذہب اسلام کے نہیں ہیں - ہر شخص کو اختیار ہے کہ ان احکام کو تسلیم کرے خواہ نہ کرے - دونوں حالتوں میں اس کے اسلام میں کچھ فرق نہیں آتا - اگر در حقیقت وہ واقعی اصلی احکام اسلام کے ہوتے تو ان کے نہ ماننے سے اسلام سے خارج ہونا ایک امر لازمی ہوتا - جہاں تک کہ خرابیاں مذہب اسلام میں مخالفین بیان کرتے ہیں وہ اسی غلطی پر مبنی ہیں کہ انھوں نے ان احکام و مسائل کو جن کو علماء اور آئمہ نے استنباط اور استخراج کیا ہے جزو اسلام سمجھا ہے - حالاں کہ اسلام کو ان سے کچھ علاقہ نہیں - اگر وہ صحیح اور ٹھیک ہیں فھوالمراد اور اگر ان میں کوئی غلطی اور خطا ہے تو وہ ان کی ہے جنھوں نے ان کو استخراج کیا ہے - نہ مذہب اسلام کی - ہمارا مقصد اس بیان سے کسی عالم یا امام کی حقارت کرنے کا یا کسی شخص کی جو ان کی پیروی کرتا ہے تحقیر کرنے کا یا اس کو برا جاننے کا نہیں ہے - بلکہ صرف اصلی احکام اور استخراجی میں فرق بتانا اور ان لوگوں کو جو حقائق یا اسرار اسلام پر غور کرنا - یا مخالفین اسلام کو جو اس پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں حقیقت احکام اور تفرقہ ان دونوں قسم کے احکام میں بتانا مقصود ہے تاکہ پہلے تحقیق حقائق یا اسرار اسلام میں اور پچھلے غلط بناء پر اعتراض کرنے میں غلطی نہ کریں -

پہلی قسم البتہ بیان کے لائق ہے - مذہب اسلام میں جو اصلی اور واقعی احکام ہیں وہ دو قسم کے ہیں : ایک اصلی اور دوسرے

محافظ احکام اصلی جس کو ہم اس زمانہ میں قانون اور ضابطہ کارروائی سے اصطلاح قانونی میں تعبیر کرتے ہیں - مذہب اسلام کے احکام اصلی جس قدر ہیں انھی پر اسلام کی بنیاد قائم ہے اور ان میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو قانون قدرت اور انسان کے نیچر کے خلاف ہو - بلکہ ان پر غور کرنے سے اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ مذہب انسان کے لیے بنایا گیا ہے نہ انسان مذہب کے لیے - احکام محافظ سے صرف احکام اصلی کی حفاظت مقصود ہے اور وہ خود مقصود بالذات نہیں ہیں - یہ احکام ایسے عام قاعدہ پر صادر ہوتے ہیں جو قریباً کل افراد کے مناسب حال ہیں اور ممکن ہے کہ کسی شاذ و نادر فرد کے مناسب حال نہ ہوں ، مگر ایسا ہونا ان احکام کے نقصان کا باعث نہیں ہے - کیوں کہ تمام احکام عام کا خاصہ یہ ہے کہ قریباً کل افراد کے مناسب حال ہوتے ہیں گو کہ کوئی شاذ و نادر فرد ایسے بھی نکلتے ہیں کہ اس کے مناسب حال نہ ہوں ، مگر اس مطلب سے کہ قاعدہ کلیہ ٹوٹنے نہ پائے تمام افراد کے ساتھ یک ساں عمل کرنا واجب ہوتا ہے -

احکام محافظ کی نسبت کسی نادان کا کوئی اعتراض کرنا اور ان کی نسبت اس بحث کا پیش کرنا کہ ان میں نیچر کی کیا مطابقت ہے اور ان احکام کو قانون قدرت سے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا - ایک محض بے وقوفی کا اعتراض ہوگا - کیوں کہ وہ احکام بالذات اس اعتراض اور بحث کے کہ وہ نیچر کے مطابق ہیں یا نہیں مورد نہیں ہو سکتے - بلکہ ان پر یہ بحث ہو سکتی ہے کہ آیا وہ احکام آن اصلی احکام کے جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہیں محافظ ہیں یا نہیں - اگر ان کا محافظ ہونا ثابت ہو تو وہ بھی ضمناً داخل احکام اصلی اور مطابق قوانین قدرت اور صحیح تصور

ھوں گے اور اگر اُن سے اصلی احکام کی محافظت ثابت نہ ھو تو بلاشبہ وہ غلط ھوں گے -

ھاں ایک بحث ان پر اور ھو سکتی ھے کہ جو طریقہ ان احکام اصلی کی حفاظت کا احکام محافظ میں قرار دیا ھے مثل اس کے دوسرا طریقہ بھی حفاظت کا موجود تھا حالاں کہ اس کے ترک اور اس کے اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ھے یا یہ کہ ان احکام اصلی کی حفاظت کا دوسرا طریقہ اُس سے بھی اچھا موجود تھا - پہلا شبہ اگر وہ تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی لغو اور مہمل ھوگا - کیوں کہ یہ شبہ بطور ایک شبہ عامۃ الورود کے ھوگا جس کو تمام عقلا لغو اور بے ھودہ سمجھتے ھیں - کیوں کہ اگر بالفرض دو مساوی چیزوں میں سے ایک کے ترک اور ایک کے اختیار کی کوئی وجہ نہ ھو تو جو شبہ اس پر وارد ھوتا ھے وھی شبہ اُس وقت بھی وارد ھوگا کہ جب مختار کو ترک اور متروک کو اختیار کیا جاوے - دوسرا شبہ اگر وارد ھو تو البتہ تسلیم کے قابل ھوگا ، لیکن ھمارا دعویٰ یہ ھے کہ مذھب اسلام میں جو طریقہ حفاظت احکام اصلی کا قرار دیا گیا ھے اُس کے مساوی بھی کوئی طریقہ ان کی حفاظت اصلی کا نہیں ھے - چہ جائے اس کے کہ اس سے افضل کوئی طریقہ دوسرا ھو -

ھم اس مطلب کو دو ایک مثالوں سے سمجھاتے ھیں - مثلاً نماز - قرآن مجید میں صرف نماز کا مقرر ھونا آیا ھے - اصلی حکم خدا کا اس سے صرف اس کے بندہ کا خدا کی طرف خلوص اور خضوع اور خشوع سے متوجہ ھونا اور عجز عبدیت کا ظاھر کرنا - اور شان خالقیت کا تسلیم کرنا اور اس کے سامنے اپنے تئیں عاجز اور ذلیل اور مسکین بنانا ھے - ارکان نماز کے جو قرار دیے گئے ھیں وہ اس تمام خضوع و خشوع ظاھری اور باطنی کے محافظ ھیں -

پس ان احکام محافظ پر اعتراض کرنا کہ نماز میں اٹھنا اور بیٹھنا اور سر ٹیکنا نیچر کے برخلاف ہے - ایک بیوقوفی کا اعتراض ہے - کیوں کہ ان احکام میں ایک یہ بات دیکھنی ہے کہ در حقیقت وہ اصلی حکم کے محافظ ہیں یا نہیں -

ان احکام اصلی اور احکام محافظ کا تفرقہ ایسے مقام پر بخوبی واضح ہو جاتا ہے جب کہ کوئی حکم احکام محافظ میں سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس کا سقوط ثابت کرتا ہے کہ وہ اصلی حکم نہیں تھا - جیسے نماز میں قیام اور قعود اور رکوع اور سجود اور قراءت یہ سب احکام محافظ ہیں - جب انسان ان پر قادر نہیں ہوتا تو کسی کا ادا کرنا بھی اس پر لازم نہیں ہوتا - برخلاف اس اصلی نماز کے کہ وہ کسی حالت میں انسان سے جب تک کہ اس پر مکلف ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے ساقط نہیں ہوتا - اس سے جو تمیز کہ ان دونوں قسم کے احکام میں ہے وہ بخوبی واضح ہوتی ہے یا مثلاً اسلام نے ایک اخلاقی امر کی نسبت یہ حکم دیا ہے کہ جو عورت کہ اس کا خاوند مر جاوے یا اس کو طلاق دے تو اس کو دوسرا شوہر کرنے میں اس قدر توقف کرنا چاہیے جس سے معلوم ہو جاوے کہ وہ اس شوہر سے حاملہ ہے یا نہیں اور اس امر کے دریافت کرنے کو ایک معیاد مقرر کی ہے جو عورتوں کے نیچر سے مناسبت رکھتی ہے - یہ حکم احکام محافظ میں سے ایک حکم ہوگا اور بلاشبہ ایسی عورت نے جس نے اس مدت سے بھی زیادہ عرصہ سے اپنے شوہر سے مقاربت نہ کی ہو مناسب حال نہ ہوگا ، مگر یہ حکم تمام افراد سے از روئے عمل کے اس لیے متعلق ہوگا کہ عام قاعدہ جو اکثر افراد سے متعلق ہے ٹوٹنے نہ پائے - پس اس حکم محافظ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ قانون قدرت کے مطابق نہیں ہے - کیوں کہ یہ حکم اس قانون قدرت

کا محافظ ھے جس کے اولاد کو اپنے باپ پر اور باپ کو اپنی اولاد پر قانون قدرت کے موافق حقوق حاصل ھوتے ھیں۔

مگر یہ بھی سمجھنا چاھیے کہ اگرچہ احکام اصلی اور احکام محافظ اپنی اصلیت میں مختلف درجہ اور حقیقت رکھتے ھیں، لیکن عملاً دونوں کا درجہ برابر ھے اور اس لیے جس طرح احکام اصلی کی تعمیل لازم ھے اسی طرح احکام محافظ کی بھی تعلیم لازم ھے۔ کیوں کہ وہ دونوں لازم و ملزوم یا موقوف و موقوف علیہ ھیں اور اس لیے عملاً دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

نماز میں سمت قبلہ کوئی حکم اصلی مذھب اسلام کا نہیں ھے اور اس لیے ایک ادنٰی سے عذر پر ساقط ھو جاتا ھے۔ مثلاً سمت مشتبہ ھونے پر سہواً کسی دوسری سمت نماز پڑھ لینے پر بعض صورتوں میں گھوڑے کی سواری پر دریا کے سفر میں اور اس چودھویں صدی نبوی میں ریل کے سفر میں اور علیٰ ھٰذالقیاس۔ مگر چوں کہ یہ حکم بطور ایک نشان اور تمیز ان لوگوں کے قرار دیا گیا ھے۔ جنھوں نے اسلام قبول کیا ھے اس لیے اس کا بھی بجا لانا مثل احکام اصلی کے ضرور ھوگا اور قصداً ترک نہ کیا جائے گا۔ ھاں ان لوگوں پر تعجب ھوگا جو غلبہ اوھام سے سمت قبلہ کے لیے دوپہر میں باھر نکل کر سورج کو دیکھتے پھرتے ھیں کہ کس طرف سے نکلا ھے اور کس طرف ڈوبے گا اور اپنی جیبوں اور تسبیحوں میں قطب نما یا قبلہ نما رکھے لٹکائے پھرتے ھیں ھیں اور چاھتے ھیں کہ ٹھیک ھماری ناک کعبہ کے سامنے ھو جائے اور اسی میں ایک بڑا ثواب اور ٹھیک نماز کا ادا کرنا سمجھتے ھیں۔

سمت قبلہ کی تحویل پر یہودی جو طعنہ دیتے تھے اس کا ذکر بھی خدا نے اس مقام پر کیا ھے اور ان کی نادانی کو بتلایا

ہے کہ باوجود اس بات کے جاننے کے کہ تحویل قبلہ ٹھیک ہے ۔ پھر اس پر طعنہ کرتے ہیں ۔ جہاں فرمایا کہ "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" یعنی یہودی تحویل قبلہ کا حق ہونا ایسا ہی جانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں ۔ "یعرفونہ" میں جو ضمیر ہے اس کی نسبت مفسروں میں اختلاف ہے اکثر تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہودی توراۃ کی بشارات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا ایسا ہی یقینی جانتے تھے جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے تھے اور ابن عباس اور قتادہ اور ربیع اور ابن زید کا یہ قول ہے کہ "یعرفونہ" کی ضمیر امر قبلہ کی طرف راجع ہے اور یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ یہاں اول سے آخر تک امور متعلق قبلہ کا ذکر ہے ۔ نہ آنحضرتؐ کے نبی ہونے کی بشارات کا ۔

توریت میں حضرت ابراہیم کا اور حضرت اسماعیل کا اور ان کے فاران میں یعنی حجاز میں آباد ہونے کا ذکر موجود ہے ۔ جس پر یہودی مذہبی اعتقاد سے بھی یقین رکھتے تھے ۔ یہودی توریت کی رو سے اس بات کو بھی یقینی جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم کا طریقہ عبادت کے لیے مذبح قائم کرنے اور بیت ایل یعنی بیت اللہ بنانے کا تھا ۔ ان کو اپنی قومی اور پشتینی روایتوں سے کامل یقین تھا کہ کعبہ حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا بیت اللہ ہے اور من وجہ بیت المقدس سے ترجیح رکھتا ہے اور اس کی طرف سمت قبلہ ہونا عین حق اور درست ہے ۔ انھی وجوہ پر خدا نے فرمایا کہ "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" اور یہی وجہ ان کے الزام کی ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے جاننے کے حق بات کو چھپاتے ہیں اور پھر تحویل قبلہ پر طعنہ دیتے ہیں ۔

یہ سب باتیں جو ہم نے بیان کیں ایسی صاف و صریح ہیں کہ ہر شخص جو قرآن مجید کی سیاق و سباق عبارت پر غور کرے گا بلاشبہ ان کو تسلیم کرے گا ۔

اس سلسلے میں ہمیں ایک اور روایت بیان کرنی ہے کہ اختیار کرنا سمت قبلہ کا گو وہ کیسی ہی خدا پرستی پر مبنی ہو خوف اور اندیشہ سے خالی نہیں ہوتا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تردد تھا کہ کہیں کعبہ بت پرستوں کی مانند نہ پجنے لگے ۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے متعدد طرح سے اس کو رفع کیا ہے ۔ ایک جگہ فرمایا ہے کہ ''و للہ المشرق و المغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ'' اور اس آیت میں فرمایا کہ ''لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب'' اور پھر بتایا کہ خدا کو، قیامت کو ، فرشتوں کو ، نبیوں کی کتابوں کو۔ نبیوں کو ماننا خدا کی محبت سے غریب قرابت مندوں ، یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں ، سائلوں اور قیدیوں کو کچھ دینا ۔ غلاموں کو آزاد کرنا ، نماز پڑھنی ، زکواۃ دینی ، اقرار پورا کرنا ، سختی اور مصیبت میں اور لڑائی میں صبر کرنا دراصل نیکی ہے ۔

مسئلہ قصاص قرآن مجید میں

"کتب علیکم القصاص" والی آیت میں تین حکم ہیں - پہلا حکم اسلام میں قصاص کا قائم کرنا ہے - دوسرا حکم جو معاوضہ خون کا زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل اسلام کے تھا بعد اسلام اس کا باطل کرنا ہے - تیسرا حکم ان معاہدوں کا قائم رکھنا ہے جو باہم قبل اسلام کے خونوں کی بابت ہوئے تھے -

عرب کے مختلف قبیلے جب مسلمان ہو گئے تو ان میں ایسے بھی لوگ تھے، جنھوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا تھا اور اس وقت تک مقتول کے لوگوں نے قاتل سے بدلا نہیں لیا تھا - زمانہ جاہلیت میں بدلا لینے کا یہ دستور تھا کہ جو قومیں زبردست اور شریف تھیں وہ اپنے تئیں دوسری قوموں سے اس طرح بدلا لینے کا مستحق سمجھتی تھیں کہ اپنے غلام کے بدلے ان میں کے ایک فرد کو اور اپنی عورت کے بدلے ان کے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے ان کے دو مردوں کو ماریں اور نیز زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مقتول کے وارث خون کو معاف کر دیتے تھے اور کبھی قتل کے بدلے میں کچھ روپیہ یا مال قاتل سے یا قاتل کے قبیلہ سے لے کر راضی ہوتے اور دعوے قتل سے دست بردار ہو جاتے - پچھلے دو حکم اسی رسم جاہلیت سے علاقہ رکھتے ہیں - (تفسیر کبیر جلد ۱، صفحہ ۶۳۱ و معالم التنزیل صفحہ ۶۷) -

پہلا حکم جو اسلام میں قصاص قائم کرنے کا ہے وہ اس آیت کے پہلے جملہ میں موجود ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے - "یا ایھا

الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی"۔ یہ ایک مستقل جملہ ہے اور تفسیر کبیر میں بھی بعض مفسرین کا یہ قول لکھا ہے کہ "کتب علیکم القصاص فی القتلی جملہ تامہ مستقلہ بنفسہا" اور اس جملہ سے مطلقاً یعنی بغیر کسی قید کے قصاص کا حکم پایا جاتا ہے - یعنی قاتل بعوض مقتول کے مارا جائے گا - کوئی شخص قاتل ہو اور کوئی شخص مقتول ہو، مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، کافر ہو، مسلمان ہو، یا لازمی قصاص غالباً ان لوگوں کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جن کے ہاں معافی اور خون کے بدلے مال لینا بھی جائز تھا - سخت گراں گذرا ہوگا اور اسی لیے اس کے بعد خدا تعالیٰ نے قصاص میں جو حکمت ہے وہ بتلائی اور فرمایا کہ "ولکم فی القصاص حیات یا اولی الالباب لعلکم تتقون" اور اخیر آیت سے زیادہ تر اس رائے کو تقویت ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں صرف خون کے بدلے خون کا حکم ہے - اگرچہ مسلمانوں میں دیت اور معافی کا رواج جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا موقوف نہیں ہوا - اور اس کی بنا حدیثوں پر قائم کی ہے - مگر مجھ کو اس مقام پر ان سے بحث نہیں ہے، صرف یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت سے کیا حکم نکلتا ہے سو وہ حکم یہی ہے کہ بلا کسی قید اور تفرقہ کے مقتول کے بدلے قاتل مارا جائے -

قصاص کے لفظ سے بعض علماء نے جو یہ مطلب سمجھا ہے کہ جس طرح قاتل نے مقتول کو مارا ہے اسی طرح قاتل بھی مارا جاوے - یہ بھی اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا - بلکہ صرف مقتول کے بدلے قاتل کا بے جان کر دینا ثابت ہوتا ہے - قصاص کے معنی دو آدمیوں کا ایک سا کام کرنے کے ہیں - جیسے کہ عرب کہتے ہیں کہ "اقتص فلان اثر فلان" جب کہ کوئی شخص

ویسا ہی کام کرے جیسا کہ دوسرے نے کیا ہو۔ اہلِ شرح نے اس کے معنی یہ قرار دیے ہیں کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا ہی کیا جاوے جیسا کہ اس نے دوسرے انسان کے ساتھ کیا ہو۔ مگر ایسی تعمیم قصاص کے معنی کی اس آیت کے لفظوں سے نہیں پائی جاتی۔ کیوں کہ اس آیت میں قصاص کے لفظ کے ساتھ "فی القتلی" کی بھی قید لگی ہوئی ہے اور اس قید سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے مقتول ہو جانے میں مساوات چاہیے۔ نہ کیفیت مقتول ہونے میں۔ کیوں کہ مقتول ہو جانا یعنی جان کا بدن سے مفارقت کرنا ایک چیز ہے اور جس طرح اور جس ذریعہ سے اس نے مفارقت کی ہے وہ دوسری چیز ہے اور اس آیت میں لفظ قصاص سے مقتول ہونے میں یعنی جان کے بدن سے مفارقت کرنے میں مساوات چاہی گئی ہے نہ کیفیت قتل میں۔ پس آیت کا حکم صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بے جان کر دیا ہو تو وہ بھی ویسا ہی یعنی بے جان کر دیا جاوے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ بعض علماء کا لفظِ قصاص سے یہ سمجھنا کہ اگر کسی نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو اس کو بھی پتھر سے سر پھوڑ کر مارا جاوے۔ اور اگر کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو اس کو بھی آگ سے جلا کر مارا جاوے۔ اور اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہو تو اس کو بھی پانی میں ڈبو کر مارا جاوے صحیح نہیں ہے مع ذا ان علما کا یہ خیال بھی کہ ایسا کرنے میں ٹھیک ٹھیک مساوات ہو جاوے گی غلط ہے۔ کیوں کہ ان افعال کو اس طرح پر عمل میں لانا کہ بالکل اُن افعال کے فعل میں اور اثر میں مساوی ہوں جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیے ہیں محض ناممکن ہے۔ منطوق آیت کا صرف اس بات پر دلالت کرنا ہے کہ مقتول کے بدلے قاتل بھی مار ڈالا جاوے۔

دوسرا حکم جس طرح زمانہ جاہلیت میں معاوضہ خون لیا تھا اس کا باطل کرنا ہے اور وہ ان الفاظ سے باطل ہوتا ہے - ''الحر بالحر والعبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی'' اگرچہ علماء نے ان لفظوں کی نسبت بہت بحث کی ہے جو ایک تطویل لاطائل ہے - مگر صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ اسلام میں قصاص تو لیا جاوے گا لیکن یہ طریقہ جو جاہلیت میں تھا کہ قاتل کو چھوڑ کر دوسرے شخص کو مارتے تھے اور غلام کے بدلے حر کو مارتے تھے اور عورت کے بدلے مرد کو مارتے تھے اور ایک مرد کے بدلے دو مردوں کو مارتے تھے - یہ طریقہ اسلام میں نہیں رہا بلکہ اگر کسی حر نے حر کو مارا ہے تو وہ حر ہی مارا جائے گا اور کسی غلام نے غلام کو مارا ہے تو غلام ہی مارا جائے گا اور اگر کسی عورت نے عورت کو مارا ہے تو عورت ہی ماری جائے گی اور حر اور عبد اور انثٰی پر الف لام ہے - اس سے قصاص میں قاتل و مقتول کی تخصیص لازم آتی ہے اس بیان سے اوپر کے جملہ کی جس میں قصاص کا حکم ہے تفصیل مقصود نہیں ہے بلکہ جاہلیت میں جو رواج تھا کہ عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے حر کو مارتے تھے اس کا موقوف کرنا مقصود ہے -

جن علماء نے غلطی سے ان الفاظ کو حکم قصاص کی تفصیل سمجھا ہے انھوں نے ایک بے فائدہ بحث کی ہے اور نتیجہ اپنی بحث کا یہ نکالا ہے کہ اگر حر نے کسی عبد کو مار ڈالا ہو - ایک عبد نے کسی حر کو مار ڈالا ہو یا ایک مرد نے کسی عورت کو یا ایک عورت نے کسی مرد کو مار ڈالا ہو تو ان سے قصاص لینے کا حکم اس آیت میں پایا نہیں جاتا اور اس لیے ان کی قصاص میں مختلف رائے ہو گئی ہیں - بعضوں نے کہا کہ اگر کسی عبد نے

حر کو یا عورت نے مرد کو مار ڈالا ہو تو ان سے قصاص لینا قیاس پر مبنی ہے - کیوں کہ ادنٰی نے اعلٰی کو مارا ہے اور اگر ایک حر نے عبد کو یا مرد نے عورت کو مار ڈالا ہو تو ان سے قصاص لینا اجماع پر مبنی ہے - مگر کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ سب رائے غلط ہے اور جملہ اول سے عموماً قصاص لینے کا حکم ثابت ہے -

تیسرا حکم ایام جاہلیت کے کہ خونوں کی بابت معاہدہ کا قائم رکھنا ہے - وہ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ ''فمن عفی لہ' من اخیہ شیئی فاتباع بالمعروف و اداء علیہ باحسان ذالک تخفیف من ربکم و رحمۃ فمن اعتدی بعد ذالک فلہ' عذاب الیم'' یہ جملہ بھی اسی پہلے جملہ کے تابع ہے جو جاہلیت کے خونوں سے علاقہ رکھتا ہے، اس جملہ کا یہ مطلب ہے کہ ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت اگر کسی نے کچھ معاف کر دیا ہو یا اس کے عوض میں کچھ دینے کا اقرار کیا ہو تو وہ اسی اقرار کے موافق ادا کر دیا جاوے - قتل ایک ایسی چیز نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اس کے مواخذہ سے کوئی شخص بری ہو سکے مگر زمانہ جاہلیت میں جو بے انتہا خون ہوتے تھے اور بدلہ لینے کے لیے قتل و قتال قائم تھے اس نے ابتدائے اسلام میں ان تمام جھگڑوں کے مٹانے کے لیے وہ معاہدے جو زمانہ جاہلیت میں قصاص سے بری ہونے کی بابت قرار پائے تھے اسی طرح جائز رکھے گئے - اس خاص آیت کے استدلال سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام میں بھی قتل عمد کا معاف کر دینا یا دیت کا لینا جائز کر دیا گیا ہے - قتل خطاء، قتل عمد سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور اس میں آیت کا قرار پانا اور کسی معاوضہ کا ٹھہرانا انصاف کے برخلاف نہیں ہے -

حرام اشیاء کھانا

اس آیت میں ان مضر چیزوں کا بالتخصیص ذکر کیا ہے جن کے کھانے کا رواج عرب کی قوموں میں تھا - عرب کے لوگ مرے ہوئے جانور کو اور سور کو کھاتے تھے اور جانوروں کا گلا کاٹنے میں جو خون نکلتا ہے اس کو ایک برتن میں جمع کرتے تھے اور جب وہ جم کر لوتھڑا ہو جاتا تھا تو بھون کر کھاتے تھے اور یہ تینوں چیزیں انسان کے لیے مضر ہیں ، گو کہ مثل زہر کے فی الفور ان کی مضرت ظاہر نہ ہو -

مرے ہوئے جانور کے مضر ہونے میں جو اپنی موت سے مر جاتا ہے کسی کو کلام نہیں اور دم مسفوح کا مضر ہونا تسلیم کیا گیا ہے ، سور کے گوشت کے مضر ہونے پر علی الخصوص گرم ملکوں میں بہت سے مباحثے ہوئے ہیں اور انجام کار اس کا مضر ہونا تسلیم ہوا ہے - پس ان تینوں چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ ان کے مضر ہونے پر مبنی ہے - علاوہ اس کے اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غذا کی تاثیر انسان کے اخلاق پر ضرور ہوتی ہے - سور میں بعض خصائل ذمیمہ ایسے پائے جاتے ہیں جو عام اخلاق انسانی کے برخلاف ہیں اور اس لیے اس کا کھانا بہ لحاظ حفظ اخلاق انسانی ممنوع کرنا بلاشبہ انسان کو اخلاق ذمیمہ سے محفوظ رکھنا ہے -

البتہ چوتھی چیز یعنی ، و ما اھل بہ لغیر اللہ ، کی حرمت قابل بحث ہے - پس اس کی حرمت نفس مذبوح کے مضر ہونے یا نجس ہو جانے کے سبب سے نہیں ہے - بلکہ اس کی حرمت

واسطے مٹانے رسم شرک کے ہے - مشرکین عرب کا دستور تھا جیسے کہ ہندوؤں کا ہندوستان میں دستور ہے کہ جانوروں کا گلا بتوں اور دیوبیوں کا نام لے کر کاٹتے تھے جس کا یہ مقصود تھا کہ اس کی نذر اور اس کے تقرب کے لیے جانور کو مارا ہے - یہاں تک کہ جو جانور اپنے کھانے کے لیے بھی مارتے تھے اس کو بھی کسی بت یا دیبی کی نذر مقرر کر کے اور اسی کا نام لےکر مارتے تھے - ہندوستان میں اب تک یہ رسم ہندوؤں میں ہے اور کوئی ہندو کسی بکرے کا بغیر دیبی کے نام کے جھٹکا نہیں کرتا بہت گوشت خور ہندو ایسے ہیں کہ اگر کوئی جانور دیبی کے نام پر جھٹکا نہ کیا جاوے تو اس کا گوشت نہیں کھاتے اسلام میں تقرب الیٰ غیر اللہ شرک اور کفر قرار پایا ہے - پس رسم شرک ہر طرح پر مٹانے کے لیے یہ حکم ہوا ہے کہ جو جانور اس رسم پر مارا جاوے وہ بھی نہ کھایا جاوے - پس حرمت مذبوح لغیر اللہ کی احکام محافظ حکم اصلی میں سے ہے جس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں -

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ علماء کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو بقصد تقرب الیٰ غیراللہ کے ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور ذبیحہ اس کا مرتد کا ذبیحہ ہے اور یہ حکم اہل کتاب کے ذبائح کے سوا اوروں کے ذبیحہ سے متعلق ہے اور اہل کتاب کے ذبائح ہمارے لیے حلال ہیں جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ طعام آن بزرگوں کا جن کو کتاب دی گئی ہے تمھارے لیے حلال ہے -

پس اس آیت سے جس کی ہم تفسیر لکھتے ہیں اس میں تو کچھ شبہ نہیں کہ جو مسلمان کسی جانور کو تقرباً غیر خدا کے نام پر ذبح کرے اس کا کھانا اس وجہ سے کہ وہ ایک فعل شرک

پر ذبح کیا گیا ہے حفظاً لحکم التقرب الی اللہ وحدہ ممنوع و حرام ہے مگر یہ بات باقی ہے کہ اگر غیر مسلم اس طرح پر کرے تو اس کا کھانا بھی ممنوع و حرام ہے یا نہیں ۔ امام فخر الدین رازی نے جو قول علمائے اسلام کا نقل کیا ہے ۔ اس میں ذبیحہ اہل کتاب کو مستثنیٰ کیا ہے ۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ گو اہل کتاب نے تقرباً الی غیر اللہ ہی ذبح کیا ہو مگر وہ حلال ہے اور یہی قول بعض فقہا کا بھی ہے اور انھوں نے تصریح کر دی ہے ۔ کہ " ولو ذبح باسم المسیح " مگر یہاں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ تو پھر دیگر اہل مذاہب کا بغیر اللہ ذبح کیا ہو کیوں نہ حلال ہو ۔ اس کا جواب بقاعدہ اہل نقل یہ ہو سکتا ہے کہ آیت طعام اہل کتاب سے ان کا ذبیحہ مستثنیٰ ہو گیا ہے اور دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ مستثنیٰ نہیں ۔ مگر پھر اس پر یہ سوال ہوگا کہ کیوں دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ مستثنیٰ نہیں ہوا ۔

ہاں اگر اس استثنیٰ کی یہ وجہ بیان کی جاوے کہ اہل کتاب میں کبھی بغیر اللہ جانور کے ذبح کرنے کی رسم و عادت نہ تھی ، یا وہ خدا کے نام پر قربانی کرتے تھے یا خدا کا نام لے کر ذبح کرتے تھے جیسے کہ یہود کی عادت ہے یا کسی کا نام لیے بغیر ذبح کرتے تھے ، جیسے کہ عیسائیوں کی عادت ہے تو صرف ذبائح اہل کتاب کے مستثنیٰ کرنے کی اور دیگر اہل مذاہب کے ذبائح کے مستثنیٰ نہ کرنے کی وجہ کافی ہوگی اور اس لیے دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ یا جھٹکا حفظاً الحکم التقرب الی اللہ وحدہ حرام اور ممنوع الاکل رہے گا ۔

البتہ ایک سوال اور باقی رھتا ہے کہ اگر کسی غیر اہل کتاب نے کسی جانور کو لا بغیر اللہ ذبح کیا ہو تو وہ بھی

حرام اور ممنوع الاکل ہے یا نہیں - یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہوگا - کیوں کہ آیت ''کلو مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ'' کا حکم عام نہیں ہے - پس نص صریح قرآن مجید سے اس کی حرمت ثابت نہ ہوگی الاّ اجتہاد سے جس کی تسلیم خود مجتہد یا اس کے متبعوں پر لازم ہوگی - نہ ہر شخص پر -

(اھل بہ لغیر اللہ) اس کے معنی میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ خدا کے سوا اور کسی کے نام پر پکارے جانے سے کیا مطلب ہے اصمعی کا قول ہے کہ اہلال کے معنٰی پکارنے کے ہیں - احرام باندھنے والے پر مہل کا لفظ اس لیے بولا جاتا ہے کہ وہ احرام باندھتے وقت لبیک کہہ کر پکارتا ہے اور ذبائح پر بھی مہل کا لفظ بولتے ہیں - کیوں کہ عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لے کر پکارتے تھے اور ''استھل الصبی'' کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہے کہ پیدا ہونے کے بعد چلاتا ہے اس لیے ''ما اھل بہ لغیر اللہ'' کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو بتوں کے لیے ذبح کیے جاویں - یہ مذہب تو مجاہد ضحاک اور قتادہ کا ہے اور دوسرا قول ربیع بن انس اور ابن زید کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''اھل بہ لغیر اللہ'' سے یہ مطلب ہے کہ جو خدا کے نام کے سوا اور کسی کے نام سے پکارا جاوے یعنی وہ ذبح کے وقت پکارے جانے کی قید نہیں لگاتے - بلکہ صرف غیر خدا کے نام موسوم کر دینے ہی کو ''اھل لغیر اللہ'' میں داخل کرتے ہیں - جیسے کہ ہندوستان میں مسلمان بکرے کو شیخ سدو اور گائے کو سیرا اور مرغے کو مدار کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں - ان مفسروں کی رائے کے مطابق جو جانور کہ غیر خدا کے نام تقرباً موسوم ہو گیا ہو اور گو بر وقت ذبح خدا ہی کا نام لیا جاوے تب بھی وہ حرام

ہو جائے گا اور پہلی رائے کے موافق حرام نہ ہوگا - بشرطیکہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا جاوے - شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں پہلی رائے اختیار کی ہے مگر درحقیقت وہ صحیح نہیں ہے - کیوں کہ صرف نام رکھ دینا کہ شیخ سدو بکرا ہے اور سیراں کی گائے یا مدار کا مرغا - اقدام بالشرک ہے - نہ وقوع شرک اور جب تک شرک کا وقوع مذبوح کے اوپر نہ ہو اُس وقت تک وہ مذبوح ممنوع الاکل نہیں ہو سکتا - پس اگر ذبح کے وقت خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے تو اس کا کھانا حرام نہیں ہے -

وصیت کی ضرورت اور اہمیت

"کتب" کے لفظ سے علمائے اسلام فرض کے معنی لیتے ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ والدین اور اقربا کے لیے وصیت فرض تھی۔ مگر کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ آیت توریث نازل نہیں ہوئی تھی۔ اتنی بات بلا شبہ تسلیم کے لائق ہے کہ آیت توریث کے نازل ہونے کے بعد جو شدید ضرورت وصیت کی تھی وہ باقی نہیں رہی۔ کیوں کہ ایک عام قاعدہ مقرر ہو گیا اور ہر شخص نے جان لیا کہ میرے بعد میرے اقربا میں اس طرح مال تقسیم ہو جاوے گا۔

لیکن فقہائے اسلام نے دو مسئلے وصیت کے متعلق قرار دیے ہیں۔ ایک یہ کہ آیت توریث میں جو لوگ وارث قرار پائے ہیں ان کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے "لقولہ علیہ الصلواۃ والسلام ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث" دوسرے یہ کہ ثلث مال سے زیادہ میں وصیت جائز نہیں جو کچھ فقہا نے اپنے اجتہاد سے یا کسی حدیث کی بناء پر مسئلہ ٹھیرایا ہے اس میں بحث ضرور نہیں ہے۔ کیوں کہ بحث حدیث کی صحت و غیر صحت پر جا پڑتی ہے۔ بحث اس میں ہے کہ قرآن مجید سے وصیت کا کسی قید سے مقید ہونا پایا جاتا ہے یا نہیں سو نہیں پایا جاتا۔

قرآن مجید سے وصیت کرنا ایک فعل جائز ثابت ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے مرنے کے بعد اس طرح پر کیا جاوے جس طرح کہ خود اس نے اپنی زندگی میں مقرر

کر دیا ہے - جب کہ کسی شخص کو کسی سبب سے ہلاک ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جو مطلب "اذا حضر احد کم الموت" کا ہے تو اس کو ضرور ہے کہ وصیت کر دے کہ اس کا مال اس کے والدین اور قرابت مندوں کو کیوں کر دیا جاوے - آیت توریث سے اس حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا - کیوں کہ آیت وصیت کے نازل ہونے کے بعد یہ ضرور نہ تھا کہ کوئی شخص بلا وصیت مرے ہی نہیں پس جو لوگ کہ باوجود حکم وصیت کے بلا وصیت مر جاویں ان کے مال کی تقسیم کے لیے کوئی قاعدہ مقرر ہونا چاہیے تھا وہ قاعدہ آیت توریث میں قرار پایا پس قرآن مجید کی دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مرنے والے نے اگر کوئی وصیت کی ہے تو اس کا مال اس کی وصیت کے مطابق تقسیم کیا جاوے گا اور اگر اس نے کچھ وصیت نہیں کی یا جس قدر کہ وصیت کی ہے اُس سے زیادہ مال چھوڑا ہے تو اس کے مال کی یا اُس قدر کی جو وصیت سے زیادہ ہے آیت توریث کے مطابق تقسیم ہو جاوے گی - پس دونوں آیتوں کا حکم بحال اور قائم ہے - ثلث سے زیادہ میں اور وارث کے حق میں وصیت کا جائز نہ ہونا ایک ایسا امر ہے جو قرآن مجید کی کسی آیت سے نہیں پایا جاتا اور جن حدیثوں سے اُس پر استدلال کیا ہے اگر وہ تسلیم بھی کر لی جاویں تو بھی نہایت شبہ ہے کہ ان سے اس امر پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں -

بلا شبہ وصیت کو غیر مقید رکھنے میں بد اخلاق یا حق تلفی کا احتمال ہو سکتا ہے اس کا انسداد جہاں تک کہ بمقتضائے فطرت انسانی ممکن تھا وہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ "بالمعروف" یعنی نیکی اور نیک دلی سے وصیت کرے نہ یہ کہ بد نیتی سے کسی کا حق تلف کرنے اور ذی حق کے محروم

کرنے کے لیے - پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی دیکھے کہ وصیت کرنے والا کسی کے حق میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اس کو سمجھا دے اور اس کی وصیت کو یا ارادہ کو بدلوا دے تاکہ حق تلفی نہ ہو اور اس بد اخلاق یا حق تلفی کے روکنے کا طریق بجز اس کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا -

منقول ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن مالک کی بیماری میں خبر پرسی کو تشریف لے گئے - سعد بن مالک نے عرض کیا کہ میں اپنے کل مال کی وصیت کر دوں (یعنی سوائے اپنے قرابت مندوں کے اوروں کے لیے جیسا کہ حدیث کے مضمون سے پایا جاتا ہے) آپ نے فرمایا کہ نہیں - انھوں نے کہا کہ نصف مال کی وصیت کر دوں - آپ نے فرمایا کہ نہیں - انھوں نے کہا کہ ایک ثلث مال کی وصیت کر دوں - آپ نے فرمایا کہ تہائی کی اور تہائی بھی بہت ہے - اگر تو اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑے تو اس سے بہتر ہے - کہ ان کو مفلس چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ھاتھ پھیلا کر خیرات لیتے پھریں - ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں اپنے مال کی وصیت کر دینا چاھتا ہوں (یعنی سوائے اولاد کے) حضرت عائشہ نے پوچھا کہ تیرے پاس کتنا مال ہے اور کتنی اولاد ہے - اس نے کہا کہ تین ہزار درہم ہیں اور چار اولاد ہیں - حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ تو بہت مال نہیں ہے بہتر ہے کہ اپنی اولاد کے لیے رہنے دے اور روایتوں میں ہے کہ حضرت علی فرماتے تھے کہ میں پانچویں حصہ مال کی وصیت کرنے والے کو چوتھائی مال کی وصیت کرنے والے سے اور چوتھائی مال کی وصیت کرنے والے کو تہائی مال کی وصیت کرنے والے سے زیادہ پسند کرتا ہوں اور جس نے کہ تہائی مال کی وصیت کر دی اس نے

تو کچھ چھوڑا ہی نہیں - حسن بصری نے چھٹے حصے یا پانچویں حصے یا چوتھے تک وصیت کو پسند کیا اور اس زمانہ کے لوگ اکثر پانچواں حصہ یا چوتھا حصہ وصیت کرتے تھے - یہ سب روایتیں اگر صحیح تسلیم ہوں تو بھی ان سے نا جوازی وصیت کی ثلث سے زائد کی نسبت ثابت نہیں ہوتی - بلکہ ان روایتوں سے صرف صلاح اور فہائش پائی جاتی ہے جس کی نسبت خود خدا نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اگر کوئی دیکھے کہ وصیت کرنے والا کسی کے حق میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اس کو سمجھاوے - وصیت کو کسی قید سے مقید کرنے سے بد اخلاق و ظلم کی بندش نہیں ہو سکتی جب کہ ہبہ کرنے میں کچھ قید اور بندش نہیں ہے وصیت و ہبہ در حقیقت ایک شے ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہبہ عطا بالفعل ہے اور وصیت عطا بعد الموت - حدیث ”فلاوصیۃ لوارث“ کو تسلیم کرنے کے بعد بھی وارث کے حق میں وصیت کا بطلان تسلیم نہیں ہو سکتا - کیوں کہ نفی ضرورت کی طرف منسوب ہوگی نہ نفس وصیت کے بطلان تسلیم نہیں ہو سکتا - کیوں کہ نفی ضرورت کی طرف منسوب ہوگی نہ نفس وصیت کے بطلان کی طرف علاوہ اس کے حدیث سے نسخ حکم قرآن مجید کسی طرح تسلیم نہیں ہو سکتا -

آیت وصیت کو آیت توریث سے یا حدیث سے منسوخ قرار دینا ایک ایسا امر ہے جس کو علمائے متقدمین سے بھی اکابر علماء نے تسلیم نہیں کیا - تفسیر کبیر (جلد ۱ صفحہ ۶۴) میں لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی کا یہ مذہب تھا کہ آیت وصیت آیت توریث سے منسوخ نہیں ہوئی ہے - جو لوگ کہ اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان کی بڑی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ اس حدیث کی رو سے ”الا لاوصیۃ لوارث“ آیت وصیت منسوخ و مسترد ہو گئی ہے

اور پھر لکھا ہے کہ اس میں بڑی دقتیں ہیں - کیوں کہ یہ حدیث خبر احاد ہے اور خبر احاد سے نسخ قرآن جائز نہیں - اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ خبر احاد ہے لیکن آئمہ نے اس کو تلقی کیا ہے اور اس لیے یہ حدیث حدیث متواتر سے مل گئی ہے - مگر اس جواب پر کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ دعویٰ کہ آئمہ نے اس کو تلقی بالقبول کیا ہے بطور ظن کے یا بطور یقین کے ہے پہلی بات مسلم ہے لیکن کا ان یہ اجماع خبر احاد کی بناء پر ہوگا اور جو اجماع کہ خبر احاد کی بناء پر ہو اس سے نسخ قرآن جائز نہیں اور دوسری بات تو ممکن نہیں کیوں کہ اگر انھوں نے اس حدیث کو قطعی سمجھ کر اجماع کیا ہے باوجودیکہ وہ خبر احاد ہے تو ان کا اجماع خطاء پر مبنی ہوگا جو ناجائز ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہو گئی ہے تو بھی اجماع سے قرآن کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے - کیوں کہ اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی دلیل آیت کے منسوخ ہونے کی موجود ہے مگر انھوں نے اس دلیل کو تو بیان نہیں کیا اور اجماع ہی پر اکتفا کیا ، تو وہ کیوں کر ناسخ قرآن ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ایسے لوگ بھی امت میں موجود ہیں جو اس نسخ کے منکر ہیں تو اجماع کا نسخ پر کیوں کر دعویٰ ہو سکتا ہے - غرض کہ قرآن کی رو سے پایا جاتا ہے کہ وصیت کا ہر شخص کو بلا کسی قید کے اختیار ہے - اگر اس نے ظلم اور حق تلفی کے ارادہ سے وصیت کی ہوگی تو اس کا وبال اُس کی گردن پر ہوگا - مگر وصیت کے نافذ ہونے میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا - ہاں جن لوگوں نے وصیت نہیں کی یا وصیت سے زیادہ مال چھوڑا تو ان کا مال مطابق حکم آیت توریث کے وارثوں پر تقسیم ہوگا -

روزہ کا بیان قرآن کریم کی روشنی میں

(یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام) اس آیت میں جو یہ حکم ہے کہ تم پر روزہ لکھا گیا جس طرح کہ تم سے پہلوں پر لکھا گیا تھا۔ اس کا مطلب قرار دینے کو چار باتوں کی تنبیح چاھیے: اول یہ کہ ان روزوں سے کون سے روزے مراد ھیں ؛ دوسرے یہ کہ ”تم سے پہلوں“ سے کون لوگ مراد ھیں ؛ تیسرے یہ کہ ان پہلووں پر کون سے روزے لکھے گئے تھے ؛ چوتھے یہ کہ ”جس طرح“ کے لفظ سے کس بات میں تشبیہ مراد ھے۔

پہلی بات کی نسبت مفسرین میں اختلاف ھے، معاذ و قتادہ عطا اور بہ موجب ایک روایت کے ابن عباس کے نزدیک یہ روزے ایام بیض کے اور روز عاشورہ کا تھا۔ یعنی وہ تین روزے تھے جو ھر مہینے کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جاتے تھے اور ایک روزہ وہ تھا جو دسویں محرم کو رکھا جاتا تھا اور اکثر محققین کے نزدیک جن میں ابن عباس اور حسن اور ابی مسلم بھی شامل ھیں۔ ان روزوں سے رمضان ھی کے روزے مراد ھیں اور اس صورت میں لفظ ”شھر رمضان“ جو اگلی آیت میں ھے وہ بدل واقع ھوگا۔ لفظ ”صیام“ سے جو اس آیت میں ھے ”کتب علیکم الصیام صیام شھر رمضان۔“

جو لوگ کہ کہتے ھیں کہ ان روزوں سے رمضان کے روزے مراد نہیں ھیں وہ یہ دلیلیں پیش کرتے ھیں۔ اول یہ کہ آن حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کے روزوں سے اور باقی روزوں کے رکھنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے - پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے سوا اور بھی روزے تھے اور اس مقام پر "صیام" سے وہی روزے مراد ہیں - دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان روزوں کے ذکر کے بعد بھی مریض اور مسافر کی نسبت حکم بتایا ہے اور اگلی آیت میں جہاں خاص رمضان کے روزوں کا نام لیا ہے اس کے بعد بھی مریض اور مسافر کی نسبت حکم بتایا ہے - پس اگر یہ دونوں روزے ایک ہی ہوتے تو دوبارہ حکم بتانے کیا حاجت تھی - تیسرے یہ کہ ان روزوں کی نسبت ان لوگوں کو بھی جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں خدا نے اختیار دیا تھا کہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہیں فدیہ دیں - مگر رمضان کے روزوں کی نسبت یہ اختیار نہیں دیا - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روزے رمضان کے سوا تھے -

اس رائے کی تائید ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو معالم التنزیل میں لکھی ہیں کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے ہر مہینے میں تین روزے اور عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا اور سترہ مہینے تک قبل فرض ہونے روزہ رمضان کے - اسی طرح رکھے گئے اور حضرت عائشہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ آنحضرت نے مدینہ پہنچنے کے بعد عاشورہ کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا اور زمانہ جاہلیت میں قریش اور آن حضرت بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے - جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا اور ابن عباس سے ایک روایت لکھی ہے کہ ہجرت کے بعد جو حکم اول منسوخ ہوئے وہ بیت المقدس کی طرف قبلہ ہونے اور روزہ رکھنے کے تھے - مگر یہ روایتیں ایسی ہیں جن کی صورت نہایت مشتبہ ہے -

جو لوگ اس رائے کے برخلاف ہیں ،، اور لفظ ،، ،، صیام ،، سے جو اس مقام پر ہے رمضان ہی کے روزے مراد لیتے ہیں وہ ان دلیلوں کا اس طرح پر جواب دیتے ہیں کہ اولاً خدا نے فرمایا کہ تم پر روزے لکھے گئے - یہ ایک مجمل حکم تھا - جس سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ایک روزہ یا دو روزے یا کئی روزے - پھر اس کے بعد فرمایا کہ ،،گنے ہوئے دنوں کے ،، اس قول سے کچھ اجمال رفع ہوا - پھر فرمایا کہ ،، ماہ رمضان کے ،، جس سے ہر ایک بات متعین ہو گئی - پس اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ،، صیام ،، اور ،، ایام معدودات ،، اور ،، شہر رمضان ،، تینوں کی ایک ہی مراد ہے ، تو لفظ ،، صیام ،، سے سوائے رمضان کے اور روزوں کے مراد لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور یہ جو دلیل ہے کہ آں حضرت نے فرمایا ہے کہ ،، ان صوم رمضان نسخ کل صیوم ،، اس سے یہ متحقق نہیں ہوتا کہ جو روزے منسوخ ہوئے وہ اسلام میں فرض تھے - بلکہ ممکن ہے کہ وہ روزے ہوں جو اور شریعتوں میں فرض تھے اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ وہی روزے تھے جو اسلام میں فرض تھے تو کیوں کر متحقق ہوگا کہ وہ وہی روزے تھے جو اس آیت کی رو سے فرض کیے گئے ہیں اور یہ جو دلیل ہے کہ اگر یہ دونوں روزے ایک ہوتے تو بیمار اور مسافر کا حکم مکرر نہ بیان کیا جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں رمضان کے روزے رکھنے یا فدیہ دینے کا اختیار تھا مگر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مسافر اور مریض کے لیے جو حکم تھا وہ بدستور باقی رہا ، اس شبہ کے رفع ہونے کے لیے آیا تھا کہ آیا بیمار و مسافر کے حق میں بھی وہ حکم منسوخ ہو گیا ہے یا نہیں اس حکم کو مکرر بیان کیا گیا اور جب کہ فدیہ دینے کا حکم منسوخ ہو گیا تو یہ حجت کہ ان

روزوں میں فدیہ دینے کا اختیار تھا اور رمضان کے روزوں میں فدیہ دینے کا اختیار نہیں ہے اس لیے وہ روزے رمضان کے علاوہ تھے پیش نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں رایوں میں سے کوئی سی رائے تسلیم کی جائے اس کا نتیجہ کسی نہ کسی آیت کا منسوخ ماننا ہوگا۔ کیوں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ "رمضان" سے رمضان کے سوا اور روزے مراد تھے۔ تو اُن کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس آیت میں خاص رمضان کے روزوں کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت منسوخ ہو گئی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ لفظ "صیام" سے رمضان ہی کے روزے مراد ہیں تو وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جس آیت میں روزے رکھنے یا فدیہ دینے کا حکم تھا. وہ رمضان کے روزوں کی آیت سے جس میں یہ اختیار نہیں رہا منسوخ ہو گئی ہے۔

اس طرح پر ناسخ و منسوخ ماننے میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ایسی آیتوں کو جو بالکل مفصل اور سلسلہ وار ہیں کس طرح ایک دوسری کا ناسخ تسلیم کریں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تلاوت میں آیتوں کا متصل ہونا اس بات کا مستلزم نہیں ہے کہ وہ اسی طرح مفصل نازل بھی ہوئی ہوں۔ بلکہ ایسا بھی ہے کہ منسوخ آیت نزول میں اول ہے اور ناسخ بعد، مگر تلاوت میں ناسخ مقدم ہو گئی ہے اور منسوخ بعد "و انا اقول فیہ نظر"۔

دوسری بات کی نسبت مفسریں نے ایک مبہم بات لکھ دی ہے۔ تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ "من قبلکم" سے مراد "من الانبیاء و الامم" ہے اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ "من قبلکم" یعنی "الانبیاء و الامم من لدن آدم" مگر یہ بیان محض ناکافی ہے۔ کیوں کہ صاف بتانا چاہیے کہ "من قبلکم" سے کون سے بنی یا کون سی آست مراد ہے۔

اس واسطے کہ اس بات کا کچھ ثبوت نہیں ہے کہ حضرت آدم سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس پر روزہ فرض نہ ہوا ہو۔ اس لیے اس امت کا تعین کرنا ضرور ہے۔ مشرک قومیں جو روزے رکھتی تھیں ان کی نسبت تو کہا ھی نہیں جا سکتا کہ خدا نے ان پر روزے فرض کیے تھے۔ کیوں کہ اکثر روزے غیر خدا کے لیے ہوتے تھے۔ قرآن مجید میں اکثر جگہ ''من قبلکم'' کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہوا ہے یعنی یہود اور نصاریٰ کی طرف اور اس لیے ''من قبلکم'' سے اہل کتاب مراد لیے جاتے ھیں اور ان کی نسبت خدا کی طرف سے کسی حکم کا مقرر ہونا صادق بھی آ سکتا ہے۔

تیسری بات کی نسبت مفسرین نے یہود اور نصاریٰ کے روزوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہود اور نصاریٰ پر بھی خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے تھے۔ نصاریٰ نے اس مہینے کو بدل کر معین موسم میں روزوں کا رکھنا مقرر کیا اور اس تبدیلی کے معاوضہ میں دس روز بڑھا دیے۔ اس کے بعد اُن کا کوئی بادشاہ بیمار ہوا اور اس کے اچھا ہونے کے لیے سات روزوں کی نذر مانی۔ جب وہ اچھا ہوا تو سات روزے اور بڑھا دیے۔ سینتالیس ہو گئے پھر اُن میں ایک بادشاہ ہوا اس نے کہا کہ تین روزوں کے چھوڑنے سے کیا فائدہ ہے اس لیے انھوں نے پورے پچاس کر لیے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ نصاریٰ احتیاطاً رمضان کے اول اور رمضان کے بعد بھی ایک روزہ رکھتے تھے تاکہ رمضان کے مہینے میں کچھ نقصان نہ پڑے۔ ان کے بعد کے لوگ اسی طرح ایک ایک بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ پچاس تک نوبت پہنچ گئی اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ دو بادشاہ نصاریٰ کے مر گئے تھے اس لیے انھوں

نے رمضان سے پہلے دس روزے اور رمضان کے بعد دس روزے اور بڑھا لیے - ایک اور روایت بیان کی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے یہود اور نصاریٰ پر فرض کیے تھے - یہودیوں نے اس کو چھوڑ دیا اور بجائے ان کے برس بھر میں صرف ایک روزہ اُس دن رکھنا اختیار کیا جس دن فرعون کا غرق ہونا وہ خیال کرتے تھے اور اس دن کے اختیار کرنے میں بھی انھوں نے غلطی کی کیوں کہ فرعون دسویں محرم کو غرق ہوا تھا - یہ تمام اقوال مفسرین کے ایسے لغو اور بے ہودہ ہیں جیسے کہ ان کی اور باتیں متعلق قصص اور حکایات کے لغو اور بے بنیاد ہوتی ہیں - جن کی نہ کوئی سند ہوتی ہے اور نہ کوئی ثبوت ہوتا ہے - یہود اور نصاریٰ کے روزوں کے حالات جو اُن کی کتابوں سے معلوم ہوتے ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں -

کتاب خروج کے (جو توریت کی دوسری کتاب ہے) باب ۳۴، ورس ۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کوہ سینا پر تھے تو چالیس دن اور چالیس رات وہاں رہے اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا - توریت کی کتاب استثنا باب ۹، ورس ۹ و ۱۸ و ۲۵ کی تفسیر (ہنری اسکاٹ) میں نہ روٹی کھانے اور نہ پانی پینے کی نسبت لکھا ہے کہ لوگوں کی معصیت کی وجہ سے موسیٰ نے دوسری دفعہ چالیس دن کا روزہ رکھا تھا اور بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسیٰ نے تین مرتبہ چالیس چالیس دن کا روزہ رکھا ہے -

کتاب لویان کے (جو توریت کی تیسری کتاب ہے) باب ۱۶، ورس ۲۹ اور باب ۲۳، ورس ۲۷ و ۲۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دس تاریخ کو کفارہ کے روزے رکھنے کا حکم تھا اور اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس دن روزہ

نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جائے گا اور اعمال حواریان باب ۲۷ ، ورس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے -

انجیل لوقا ، باب ۱۸ ورس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی ہفتہ میں دو دن روزہ رکھا کرتے تھے - ایک پانچویں دن جب کہ حضرت موسیٰ کوہ سیناہ پر چڑھے تھے اور ایک دوسرے دن جب کہ اترے تھے -

کتاب زکریا باب ۸ ، ورس ۱۹ ، سے پایا جاتا ہے کہ یہودی چوتھے مہینے اور پانچویں مہینے اور دسویں مہینے میں بھی روزہ رکھتے تھے - چوتھے مہینے یعنی تموز میں سترھویں تاریخ کو بیت المقدس کی تباہی کے غم میں جو بخت نصر کے ہاتھ سے ہوئی تھی - پانچویں مہینے یعنی اب میں نویں تاریخ کو بیت المقدس کے شہر کے جلنے کے غم میں جس کو بنوز روان شاہ بابل کے افسر نے جلایا تھا - ساتویں مہینے یعنی تشری کی دسویں تاریخ کو جدلباہ کے قتل ہونے کے غم میں جو بمقام مصباہ مارا گیا تھا - دسویں مہینے یعنی ثبت کی دسویں تاریخ کو بیت المقدس کے غم میں جس روز بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ شروع کیا تھا -

کتاب اول ملوک باب ۲۱ ، ورس ۹ و کتاب دوم تواریخ ایام باب ۲۰ ، ورس ۳ میں ایک دن کا روزہ ہے جس کو ملکہ ایزبل نے اپنے شوھر احاب کی خاطر سے منادی کرا کے مقرر کرایا تھا -

کتاب قضاۃ باب ۲۰ ، ورس ۲۶ سے ایک اور روزہ مقرر ہونا پایا جاتا ہے جب کہ بنی اسرائیل نے قوم بنیامین سے شکست پائی تھی اور بیت المقدس میں آن کر فتح کے لیے دعا مانگی تھی -

کتاب اول شموئل باب ۳۱ ، ورس ۱۳ سے پایا جاتا ہے کہ شاول یعنی طالوت کے مرنے کے غم میں سات روزے مقرر

ہوئے تھے جو اس کی ہڈیوں کے دفن کرنے کے بعد رکھے گئے تھے -

کتاب یوناہ باب ۳ ، ورس ۵ میں ایک اور روزہ مقرر ہونا پایا جاتا ہے جب کہ تنبوہ کے لوگ ایمان لائے تھے -

کتاب دانیال باب ۱۰ ، ورس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتہ تک روزے رکھے تھے -

کتاب اول ملوک باب ۱۹ ، ورس ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس کوہ حوریب کو گئے تھے تو انھوں نے چالیس دن رات رکھے تھے -

علاوہ ان کے اور روزے بھی مثلاً خدا تعالیٰ کی خفگی دور کرنے کے لیے یا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یا کسی بلا یا مصیبت کو ٹالنے کے لیے یا کسی ذاتی یا خاندانی امور کے متعلق جس طرح کہ منت وغیرہ کے ایفا میں ہوتا ہے روزے رکھا کرتے تھے -

انجیل متی باب ۴ ، ورس ۱ تا ۱۱ اور انجیل لوقا باب ۴ ، ورس ۱۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بھی جب کہ وہ بیابان میں تھے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے -

علاوہ اس کے انجیل متی کے باب ۲۷ ، ورس ۲۱ سے جس میں یہ لکھا ہے کہ "بہرنج اس قسم کا شیطان بجز نماز اور روزے کے نہیں جاتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں روز بعض امور خاص میں اثر بد کے دفع کرنے کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا تھا -

انجیل متی باب ۹ ورس ۱۴ ، کے مضمون سے عیسائی خیال کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ نے روزوں کا رکھنا موقوف کر دیا مگر اس کے ساتھ یہ بھی اشارہ ہے کہ بعد حضرت عیسیٰ کے رکھنے ہوں گے -

ان تمام حالات پر جو اوپر بیان ہوئے غور کرنے سے اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ یہودیوں پر ایک روزہ جو ساتویں مہینے کی دس تاریخ کو رکھا جاتا تھا اور جو کفار کا روزہ کہلاتا تھا بلاشبہ فرض تھا اور جو کہ عیسائی بھی یہودی شریعت کے تابع ہیں اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ روزہ ان پر بھی فرض تھا۔ چالیس دن کے روزے حضرت موسیٰ نے کوہ سیناہ پر اور حضرت عیسیٰ نے بیابان میں رکھے۔ ممکن ہے کہ فرض ہوں مگر توریت یا انجیل میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جس سے فرضیت ان روزوں کی ثابت کی جا سکے۔ علاوہ اس کے جس قدر روزوں کا بیان ہے وہ سب روزے کیا یہودی مذہب میں اور کیا عیسائی مذہب میں فرض روزے نہیں معلوم ہوتے بلکہ بطور نفل روح کے تزکیہ اور عبادت کے ثواب حاصل کرنے کے لیے معلوم ہوتے ہیں۔

چوتھی بات کی نسبت بھی مفسروں میں اختلاف ہے جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ لفظ ''کما'' کی تشبیہ سے روزوں کے عدد میں مشابہت مراد تھی ان کی رائے کی غلطی تو صریح ظاہر ہے کیوں کہ یہود اور نصاریٰ پر نہ ایام بیض کے روزوں کا فرض ہونا پایا جاتا ہے۔ نہ رمضان کے تیس یا انتیس روزوں کا اور جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اس تشبیہ سے روزے کی مدت میں مشابہت مراد ہے یعنی جس وقت سے جس وقت تک یہودی روزہ رکھتے تھے اسی وقت سے اسی وقت تک مسلمانوں پر بھی روزہ فرض ہوا ہے۔ یہ رائے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودی دن کے ختم ہونے کے بعد روزہ کھول کر کچھ کھا پی لیتے تھے اور پھر اسی وقت ان کا روزہ شروع ہو جاتا تھا اور اسی وجہ سے توریت اور انجیل میں دن رات کا روزہ رکھنا بیان ہوتا ہے کیوں کہ

رات بھی روزہ میں داخل تھی مسلمان بھی ان باتوں میں جن کی نسبت کوئی خاص حکم نہیں ہوتا تھا اکثر یہودیوں کی پیروی کرتے اور اس لیے وہ بھی یہودیوں کی طرح روزہ رکھتے تھے - لیکن کوئی خاص حکم اس طرح پر روزہ رکھنے کا مسلمان کے لیے نہ تھا - ''کما'' کے لفظ کے ساتھ جو اس آیت میں ہے کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ مشابہت روزہ کی مدت میں تھی - اس آیت میں صرف اس قدر بیان ہوا ہے کہ جس طرح اگلوں پر روزے مقرر کیے گئے تھے اسی طرح تم پر بھی مقرر کیے گئے ہیں اور اس تشبیہ سے مدت میں مشابہت قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے ، اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ صرف نفس فرضیت میں تشبیہ مراد ہے - چناں چہ تفسیر کبیر میں زجاج کا قول لکھا ہے کہ ''موضع کما نصب علی المصدر لان المعنی فرض علیکم فرضاً کالذی فرض علی الذین من قبلکم'' اور ابو علی کا قول لکھا ہے کہ ''ھو صفة لمصدر محذوف تقدیرہ کتابة کما کتب علیھم فخذف المصدر واقیم نعتہ مقامہ''- مگر جب کہ یہ بات اب تک ثابت نہیں ہوئی کہ درحقیقت خدا کی طرف سے یہودیوں اور عیسائیوں پر روزے فرض تھے تو ''کما'' کے لفظ سے نفس فرضیت میں تشبیہ کیوں کر تسلیم کی جاوے -

ان چاروں مباحثوں کی نسبت جو میری سمجھ ہے وہ یہ ہے کہ :

(۱) ان روزوں سے جو کتب علیکم الصیام کی آیت میں ہیں رمضان ھی کے روزے مراد ہیں -

(۲) ''من قبلکم'' سے اهل کتاب مراد ہیں -

(۳) اس آیت میں اس بات کی کہ اهل کتاب پر کوئی روزے

فرض تھے یا نہ تھے کچھ علاقہ نہیں ہے -

(۴) ''کما'' کے لفظ سے نہ عدد میں تشبیہ مراد ہے نہ مدت میں اور نہ نفس فرضیت میں بلکہ صرف سبب صیام میں تشبیہ مراد ہے - زمانہ نزول وحی میں حضرت موسیٰ نے چالیس دن پہاڑ میں اور حضرت عیسیٰ نے چالیس دن بیابان میں بسر کیے - توریت اور انجیل دونوں سے پایا جاتا ہے کہ ان دونوں میں وہ روزہ دار تھے - بعد کو ان کی امت نے آن کی متابعت کے خیال سے آن دونوں میں ہر سال روزے رکھنے اختیار کیے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو جو نزول وحی کا مہینہ تھا کوہ حرا میں بسر کیا اور آپ بھی آس زمانہ میں روزہ دار تھے - پس خدا نے فرمایا کہ جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے بہ مطابعت اپنے نبی کے آس زمانے میں روزے اختیار کیے تھے اسی طرح تم بھی اختیار کرو پس جو سبب کہ اہل کتاب کے روزے اختیار کرنے کا تھا وہی سبب مسلمانوں پر روزوں کے مقرر ہونے کا ہے اور ''کما'' کے لفظ سے آسی سبب صیام میں تشبیہ دی گئی ہے -

مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ ان تینوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ ہے - یہ کہنا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ روزے رمضان کے سوا تھے اور پھر یہ تسلیم کرنا کہ اس کے بعد کی آیت نے جس میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ اس رائے کو تسلیم کر کے پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان ہی کے روزے ہیں مگر پچھلی آیت سے جو

اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا منسوخ ہو گیا ہے تسلیم کرنا مشکل ہے پچھلی آیت میں جس کو ناسخ قرار دیا جاتا ہے کوئی اشارہ کسی قسم کا پہلی آیت کے حکم کے منسوخ ہونے کا نہیں ہے صرف قیاساً یہ بات قرار دی جاتی ہے کہ پہلی آیت کے روزے رمضان کے روزوں سے علیحدہ تھے - نہ جن کی نسبت قرآن میں بیان ہے کہ وہ کے تھے اور کون سے تھے اور اس قیاس کے قرار دینے کے بعد کہا جاتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جس میں کچھ بھی اشارہ منسوخ کرنے کا نہیں ہے - حدیث پر جو استدلال کیا گیا ہے اول تو اس کی صحت میں کلام ہے پھر اس بات میں کلام ہے کہ حدیث اور خصوصاً خبر احاد سے قرآن کا حکم منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں - یا قیاساً یہ بات قرار دی جاتی ہے کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ وہی رمضان کے روزے ہیں جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہے اور پھر بغیر کسی اشارے کے کہا جاتا ہے کہ جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا وہ پچھلی آیت سے منسوخ ہو گیا - اگر قرآن میں اس طرح پر ناسخ و منسوخ کو تسلیم کیا جاوے تو اس کے احکام کا منسوخ ہونا اور قائم رہنا صرف لوگوں کے قیاس پر منحصر رہ جاتا ہے جو کسی طرح تسلیم کے لائق نہیں -

فدیہ دینے کی آیت میں جو حکم ہے وہ منسوخ نہیں ہوا اور وہ آیت یہ ہے و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیر فھو خیر لہ و ان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ، اس آیت میں جو لفظ " یطیقون " کا ہے اس کی اور بھی قرآتیں مثلاً " یطوقونہ " یے کے پیش اور واؤ کے تشدید سے " یا یے کے زبر اور ط اور واؤ " دونوں کی تشدید سے جس کے معنی کسی کام کے تکلیف اٹھا کر ہونے کے ہیں

مگر جو مشہور قرأت ہے ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں بعض علمائے مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فدیہ کا حکم بھی مسافر اور مریض سے علاقہ رکھتا ہے ۔ کیوں کہ بعض مریض اور مسافر ایسے ہوتے ہیں جو مطلق روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ۔ پہلی قسم کے مسافر اور بیمار کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اور دنوں میں روزہ رکھ لیں اور دوسری قسم کے مسافر اور بیمار کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہے فدیہ دے دیں ۔ مگر یہ معنی صحیح نہیں ہو سکتے ۔ کیوں کہ "علی الذین" سے بالتخصیص بیمار اور مسافر مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور جو رعایت اول قسم کے بیمار اور مسافر کی ہونی چاہیے تھی وہ دوسری قسم کے بیمار اور مسافر کی ہوتی ہے ۔

بعض علماء کا یہ قول ہے (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۵۰) کہ "یطیقون" کے معنی بھی مشکل اور تکلیف سے کسی کام کے انجام ہونے کے ہیں ۔ دو لفظ ہیں ایک "وسع" اور ایک "طاقت" "وسع" اس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو اور طاقت اس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر مشکل تکلیف اٹھا کر قادر ہو اور شاذ و قرائین جن کا ذکر کیا ہے اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں پس "یطیقونہ" کے معنی "یستصعبونہ" کے ہوں گے جو لوگ کہ روزہ رکھنے کی نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر طاقت رکھتے ہیں ان کو اجازت ہے کہ روزہ رکھنے کے بدلے فدیہ دے دیں پس یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اپنے حکم پر بحال ہے ۔

بعض علمائے مفسرین نے بھی جیسا کہ تفسیر کبیر میں مندرج ہے اس بات کو تسلیم کیا ہے مگر یہ بحث پیش کی ہے

که وه کون لوگ هیں جو نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر روزه رکھنے کی طاقت رکھتے هیں سعدی کا قول ہے که وه لوگ وه هیں جو بہت بوڑھے هو گئے هیں اور ایک روایت میں ہے که حضرت انس رض اپنے مرنے سے پہلے روزه نہیں رکھتے تھے - ان کو روزه رکھنے میں سختی اور دشواری معلوم هوتی تھی اور هر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے تھے - مگر میں نہیں سمجھتا که بڈھے آدمی کی کیوں قید لگائی ہے - قرآن مجید میں کوئی ایسا اشاره نہیں ہے جس سے "الذین" سے صرف بڈھا هی آدمی مخصوص کیا جائے - تمام انسان بڈھے هوں یا جوان ان کی حالت باعتبار خلقت اور موسم اور ملک کے مختلف هوتی ہے - بہت سے جوان آدمی بلحاظ اپنی خلقت کے ایسے هوتے هیں که ان کو روزه میں بے انتہا تکلیف اور مشقت هوتی ہے اور بعض بڈھے ایسے هوتے هیں که ان کو روزه معلوم بھی نہیں هوتا - پھر موسم کے اختلاف کے سبب سے بہت اختلاف پڑ جاتا ہے - وهی لوگ جو ایک موسم میں نہایت آسانی روزه رکھ سکتے هیں دوسرے موسم میں روزه رکھنے میں نہایت سختی اور تکلیف اٹھاتے هیں - ایک ملک کے لوگ جب که دن ایک معتدل مقدار کا هوتا ہے آسانی سے روزه رکھیں گے اور وهی لوگ جب که دن بڑا هوتا ہے نہایت تکلیف اور سختی روزه رکھنے میں آٹھاویں گے بلکه بعض ملکوں میں کبھی دن اتنا بڑا هو جاتا ہے که انسان کی طاقت سے روزه رکھنا خارج هوتا ہے جیسے که عرض تسعین میں جهاں چھ مہینے کا دن هوتا ہے اور عرض ستین میں جهاں بعض موسموں میں غروب اور طلوع میں اس قدر فاصله هوتا ہے جس کی نسبت یه کہا جا سکتا ہے که رات هوتی هی نہیں - پس خدا تعالیٰ نے ان تمام حالات کے لحاظ سے جو اس کے علم میں تھے نہایت عمده ترتیب سے جو فطرت انسانی

کے بالکل مطابق ہے یہ حکم دیا ہے کہ ''علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین'' پھر اس کو شخص ِدون سے شخص مقید کرنا ایک غلطی اور زیادتی علی الکتاب ہے -

پہلی آیتوں میں جہاں بیمار اور مسافر کا اور اُن لوگوں کا جو بہ دشواری روزہ برداشت کر سکتے ہیں حکم ہے اُن آیتوں کا علانیہ منشا تھا کہ مریض اور مسافر کو روزے کا نہ رکھنا بہتر ہے - مگر اُن لوگوں کی نسبت جو بہ دشواری روزہ رکھ سکتے تھے یہ منشا تھا کہ اُن کو روزہ رکھنا بہتر ہے - جیسا کہ ان لفظوں سے کہ '' و ان تصوموا خیرلکم '' پایا جاتا ہے - اسی منشاء سے پچھلی آیتوں میں جن میں روزوں کو رمضان کے ساتھ مخصوص کیا ہے - مریض اور مسافر کا مکرر ذکر کیا اور ان لوگوں کا جو بہ دشواری روزہ برداشت کر سکتے تھے ذکر چھوڑ دیا ہے کیوں کہ ان کے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر تھا -

ان تمام بحثوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان ہی کے روزے ہیں اور کوئی حکم اور کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور تمام آیتوں پر لحاظ کرنے کے بعد روزوں کی نسبت مفصلہ ذیل حکم پائے جاتے ہیں :

(۱) روزے رمضان کے ہر مسلمان پر لکھے گئے ہیں جس کو شرعی اصلاح میں فرض کہتے ہیں -

(۲) روزوں کے رکھنے سے یہ فرض ادا ہوتا ہے -

(۳) اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور اور دنوں میں جب کہ تندرست ہو اور سفر ختم ہو جاوے تو اس کے بدلے روزے رکھ دے -

(۴) جن لوگوں کو روزہ رکھنے میں زیادہ سختی اور تکلیف

ہوتی ہے اور بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں ان کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیں مگر ان کے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر ہے ۔

جو لوگ کہ روزہ پر اعتراض کرتے تھے کہ وہ انسان کی تکلیف کا باعث ہے اور صحت جسمانی کا نہایت مضر ہے اور بعض ملکوں میں اس کا ادا کرنا غیر ممکن ہے ان کو تو معلوم ہوگیا ہوگا کہ جس ترتیب اور خوبی سے خدا نے روزوں کا حکم دیا وہ تکلیف کا باعث ہے اور نہ صحت جسمانی کو مضر ہے اور نہ خلاف فطرت انسانی ہے اور نہ کسی ملک کے رہنے والوں کے خلاف طاقت ہے مگر ایک بحث البتہ باقی ہے کہ آیا وہ فی نفسہ عبادت بھی ہے یا نہیں اور اگر عبادت ہے تو کیوں ؟ چناں چہ اس بحث کو ہم شروع کرتے ہیں ۔

جس قدر کثرت سے یہود اور متقدمین میں عیسائی روزے رکھتے تھے اس سے ظاہر ہے آن کا خیال روزہ رکھنے سے تزکیہ نفس اور خدا کی رضامندی اور خدا کی عبادت کا تھا ۔ ابتدائے زمانہ میں جب کہ انسان نے شائستگی کی طرف میلان شروع کیا تھا تمام لوگوں کو یہ خیال تھا کہ خدا اپنی مخلوق سے نہایت راضی ہوتا ہے اگر مخلوق قصداً اپنے بدن کو اپنی روح کو خدا کی خوشنودی کی نیت سے تکلیف و مصیبت میں ڈالے ۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض قوموں نے تکالیف مشاقہ اپنے پرگوارا کی ہیں ۔ کسی نے ایک غار میں اپنی تمام زندگی بسر کر دی ۔ جب ہم ہندو جوگیوں اور قدیم عیسائی فقیروں کے رہنے کے غار اور پہاڑوں کی تنگ و تاریک کھوئیں دیکھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے اور مذہبی خیالات کا جو غلبہ انسان پر ہوتا ہے اس کا اندازہ کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ انھی خیالات کے سبب سے انسان نے کس قدر تکلیفیں

اپنے پر گوارا کی ھیں - کوئی اپنا ھاتھ اونچا کر کے سکھا دیتا ھے - کوئی بیٹھنا اور لیٹنا چھوڑ دیتا ھے اور تمام عمر کھڑے رہ کر گذار دیتا ھے - کوئی لذیذ غذا چھوڑ دیتا ھے اور تمام عمر صرف نہایت حقیر اور کثیف غذا پر زندگی بسر کرتا ھے - کوئی پلنگ پر سونا اور شادی کرنا چھوڑ دیتا ھے جس کی بہت سی مثالیں اب بھی ھم کو ھزاروں عیسائی ، نانک اور نن میں دکھائی دیتی ھیں - غرض کہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ھوا ھے اسی خیال سے جان کی قربانی مروج ھوئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ انسان نے اپنی جان کی اور اپنی اولاد کی جان کی گناہ سے روح کو پاک کرنے سے قربانی کی - یہ ایک عجیب خیال تھا کہ خدا یا دیوتا انسان کی زندگی کو آسائش سے بسر کرنا پسند نہیں کرتا - تمام یونانی اور رومی مذھبی افسانوں سے یہ خیال مترشح ھوتا ھے کہ دیوتا یا خدا انسان کے عیش کو روا نہیں رکھتا -

ابتدا میں جب کہ انسان کی غذا صرف زمین کی قدرتی پیداوار اور جنگل کے جانوروں کے شکار پر منحصر تھی کبھی کبھی فاقہ گذر جانا لازمی امر ھوگا - نیم وحشی انسانوں کو غذا سے زیادہ کوئی چیز حظ دینے والی نہ ھوگی - جب انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ھوا کہ دیوتا یا خدا انسان کی جسمانی تکلیف سے راضی ھوتا ھے تو اس وقت روزے نے مذھبی امر ھونے کا درجہ پایا ھوگا - توریت میں جہاں روزہ رکھنے کا حکم ھے وھاں بھی حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا ھے کہ "اپنی روحوں کو مبتلا کرو - عبری زبان کے قدیمی محاورہ کے مطابق روح کے مبتلا کرنے سے روزہ رکھنا مراد ھے پس کچھ شبہ نہیں ھے کہ روزہ رکھنا اسی خیال سے کہ خدا ریاضت بدنی سے راضی ھوتا ھے مذھبی امر قرار پایا ھے -

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو کہ خدا انسان کی ریاضت بدنی یعنی جسم اور روح کو تکلیف میں ڈالنے سے راضی ہوتا ہے۔ متعدد طرح سے باطل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال پر رمضان کے روزوں کا حکم دیا ہو۔ مگر انبیاء کا کام صرف سمجھ دار ھی لوگوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ ان کو تمام لوگوں سے کام پڑتا ہے اور عام لوگوں کو ایسے امور کی نسبت جس سے آن کو خدا کے رضا مند کرنے کا خیال پیدا ہو زیادہ خیال ہونا ہے۔ عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آس رسم کو جاری رکھنے کی ایک عمدہ اور آسان اور غیر مخالف فطرت انسانی کے طریقہ میں اجازت دی۔ چنانچہ الفاظ ''کما کتب علی الذین من قبلکم'' صاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رسم کے موجد نہ تھے بلکہ اس رسم کو صرف بدستور قائم رہنے دیا تھا۔ باینہمہ اس رسم کی سختی کو نہایت عمدگی سے نرم اور قابل برداشت کر دیا کہ بیماروں اور مسافروں کو اور دنوں میں اور جو لوگ روزے سے زیادہ تکلیف آٹھاتے ہیں آن کو روزہ رکھنے اور فدیہ دینے میں مجاز کر دیا۔

باوجود ان سب باتوں کے جب کہ روزہ حد اعتدال سے نہ گذر جاوے اور وبال جان نہ ہو جائے اور انسان پر صعوبت نہ ڈالے جس کا اشارہ ''بطیقونہ'' کے لفظ میں ہے تو بلا شبہ تزکیہ نفس اور روح میں نیکی اور صلاحیت پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ کم کھانا بلا شبہ انسان کے دل اور دماغ کو زیادہ صحیح اور درست

رکھتا ہے اور انسان کے دل کو خدا کی طرف زیادہ تر متوجہ کرتا ہے اور جو عبادت خدا کی غیر روزہ کی حالت میں کی جاتی ہے روزہ کی حالت میں زیادہ تر دلی توجہ سے ہوتی ہے - اس کا یہ سبب نہیں ہے کہ انسان کو اپنے تئیں تکلیف میں ڈالنا خدا کو پسند آتا ہے - بلکہ یہ سبب ہے کہ انسان میں یہ ایک فطرتی امر ہے کہ جب کسی خاص امر کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے تو اس کو غذا کی طرف کم رغبت یا کم توجہ ہوتی ہے - اسی طرح قلیل غذا انسان کو اس طرف جس پر وہ توجہ کرنی چاہتا ہے زیادہ تر متوجہ کر دیتی ہے - یہی باعث ہے کہ روزہ کی حالت میں خدا کی عبادت غیر روزہ کی حالت کی بہ نسبت زیادہ تر توجہ اور خلوص سے ہوتی ہے - اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کی رسم کو ایک نہایت اعتدال سے جاری رہنے دیا -

حضرت موسٰی نے کوہ سینا پر یا حضرت عیسٰی نے بیابان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ حرا میں جب کہ زمانہ نزول وحی قریب‌تر تھا روزے رکھنے اختیار کیے یا غذا سے پرہیز کیا یا معمولی غذا میں کمی کی اس کا یہی سبب تھا - پس جب کہ روزہ ایسی حالت میں کہ اس کا رکھنا شاق نہ گذرے تزکیہ نفس اور روحانی نیکی کا ذریعہ ہے - تو اس رسم کا نہایت اعتدال کے ساتھ قائم رکھنا جس طرح کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم رکھی فطرت‌انسانی کے بالکل مطابق و موافق ہے -

"احل لکم" یہودی اور عیسائی دن رات کا روزہ رکھا کرتے تھے یعنی روزہ افطار کرنے کے بعد ہی سے دوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا - یہی سبب ہے کہ توریت اور انجیل میں جہاں روزہ کا ذکر ہے دن رات کا روزہ بیان ہوا ہے - رمضان کے روزوں کا

جب حکم ہوا تو کوئی حد روزے کی مقرر نہ تھی - مسلمان بھی یہودیوں کی دیکھا دیکھی دن رات کا روزہ رکھتے تھے جو ان پر نہایت شاق گذرتا تھا اور جس منشاء سے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو قائم کر رکھا تھا اس کے بھی مخالف تھا - اس لیے اس آیت میں خدا کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ صرف دن ہی کا روزہ رکھنا چاہیے رات جو آرام کے لیے ہے وہ روزہ میں داخل نہیں ہے - اس آیت سے یہ سمجھنا کہ پہلے مسلمانوں کو بھی دن رات کے روزے رکھنے کا حکم تھا اور وہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا محض غلطی ہے -

حج کی حقیقت اور اُس کی تفصیلات

واتموالحج والعمرۃ للہ، اس آیت سے حج کے احکام شروع ہوتے ہیں مگر قبل اس کے کہ ہم حج کی ماھیت اور اس کے اسرار پر بحث کریں پہلے سیدھی سادھی طرح سے بتا دینا چاھیے کہ مسلمان عمرہ اور حج کیوں کر کرتے ھیں اور یہ بتا دینا چاھیے کہ جو کچھ حج میں کیا جاتا ھے اس میں سے قرآن مجید میں کس کس چیز کا ذکر ھے -

حج میں اتنی چیزیں ھیں، احرام و نیت، طواف قدوم، سعی بین الصفاء والمروہ، خروج منٰی، وقوف مزدلفہ، منٰی اور رمی جمار، طواف الزیارت، طواف الصدر؛ چناں چہ ھم آن میں سے ھر ایک چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ھیں -

احرام اور نیت حج

احرام باندھنے کے لیے مقامات معین ھیں جو میقات کہلاتے ھیں - مکہ کے رھنے والوں کے لیے خاص حرم کعبہ میقات ھے اور مدینہ کی طرف سے آنے والوں کو ذوالحلیفہ اور عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عرق، اور شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے حجفہ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے قرن - اور یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے جس میں ھندوستان کے جانے والے بھی داخل ھیں یلملم -

میقات پر پہنچ کر صرف حج کی یا صرف عمرہ کی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا جاتا ھے احرام کے معنی ایسے بزرگ

اور مقدس کام کے شروع کرنے کے ہیں جس کا ادب نہ توڑا جا سکے۔ احرام میں صرف ایک چادر بطور تہبند کے باندھتے ہیں اور ایک چادر اوڑھنے کے لیے ہوتی ہے مگر سر پر چادر نہیں اوڑھی جاتی - سر کھلا رہتا ہے - چادر ایک پاٹ کی ہو خواہ دو پاٹ کی سی ہوئی کچھ مضائقہ نہیں قطع کیا ہوا کپڑا جو قینچی سے قطع کرکے سیتے ہیں پہننا منع ہے -

میقات پر پہنچ کر غسل کیا جاتا ہے یا وضو اور اس کے بعد نیت کرکے احرام باندھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں "لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لک لا شریک لک لبیک" اور ہ نماز کے بعد یا جب اونچی جگہ پر چڑھے یا نیچے اترے تو وھی جملہ کہنا چاہیے -

زمانۂ احرام میں سر کو ڈھانکنا یا ایسا کپڑا جو قطع ہو کر سیا گیا ہو پہننا - موزہ یا جراب سے پاؤں کو ڈھانکنا ، شکار کھیلنا یا دوسرے کو شکار بتانا ، سر منڈانا ، ناخن ترشوانے ، عورت کے پاس جانا منع ہے -

طواف قدوم

جب مکہ میں پہونچے اور حرم کعبہ دکھائی دے تو کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و للہ الحمد"

جب حرم کے اندر جائے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو - اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے ورنہ ہاتھ سے بوسہ لینے کا اشارہ ہی کر لے اور کعبہ کے گرد گھومنا شروع کرے اور جب حجر اسود کے سامنے آوے یا اُس کا بوسہ لے یا اُسی طرح اشارہ کرے سات مرتبہ گھومے اور کوئی دعا جو اُس کا جی چاہے پڑھتا رہے اور اس گھومنے میں تیز مونڈھے ہلا کر چلے -

سات دفعہ گھومنے کے بعد جس کو طواف کہتے ہیں مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز کی پڑھے -

سعی بین الصفا والمروہ

اسی دن طواف کعبہ کے بعد صفا و مروہ میں جو نہایت چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں سات دفعہ پھرے صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور کعبہ کی طرف منہ کرکے کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد - اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید" اس کے بعد جو دعا چاہے مانگے اور صفا پر سے اتر کر مروہ کو جاوے - اس رستے میں دو نشان بنے ہوئے ہیں ان نشانوں کے بیچ میں دوڑ کر چلے - جب مروہ پر چڑھے تو کعبہ کی طرف منہ کرکے وہی تمام جملہ جو صفا پر پڑھا تھا پڑھے - یہ ایک دوڑ ہوئی جس کو ایک شوط کہتے ہیں - اسی طرح سات دفعہ کرے - ساتویں دوڑ مروہ پر ختم ہوگی -

اگر احرام باندھتے وقت صرف عمرہ کی نیت کی ہے تو عمرہ ختم ہوگیا احرام کھول دے اور پھر آٹھویں ذی الحجہ کو حرم کے اندر جا کر حج کا احرام باندھے اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کی یا صرف حج کی نیت کی ہو تو بدستور احرام باندھے رکھے -

خروج منیٰ

جو لوگ عمرہ ادا کرکے احرام سے خارج ہو گئے ہیں ان کو چاہیے کہ حرم میں جا کر صبح کی نماز پڑھیں اور حج کا احرام باندھیں اور منیٰ کو روانہ ہوں اور جن لوگوں نے احرام نہیں کھولا وہ صبح کی نماز کے بعد منیٰ کو روانہ ہوں اور رات کو منیٰ

میں رھیں نویں تاریخ صبح کی نماز کے بعد علی الصباح عرفات کے میدان میں جاویں اور غروب آفتاب تک اسی میں رھیں اور جو دعا چاھیں مانگتے رھیں - وھاں امام اونٹنی پر چڑھ کر خطبہ پڑھتا ھے اور لوگوں کو نیکی اور خدا پرستی کی نصیحت کرتا ھے اور ھزاروں لوگ اس کے گرد کھڑے ھو کر سنتے ھیں اور جو نہیں سن سکتے وہ اپنی ھی جگہ دعا وغیرہ پڑھتے ھیں -

وقوف مزدلفہ

مغرب کی نماز کے بعد اس میدان سے لوگ روانہ ھوتے ھیں اور مزدلفہ کے میدان میں آ کر رات بسر کرتے ھیں -

منٰی اور رمی جمار

دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ سے چل کر منٰی میں پہنچتے ھیں - منٰی کے میدان میں تین ستون بطور نشان کے بنے ھوئے ھیں - ھر ایک ستون پر سات سات کنکریاں ایک ایک کر کے مارتے ھیں اور ھر کنکری کے مارنے کے وقت پڑھتے ھیں - اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد -

جب تینوں ستونوں پر یہ کنکریاں مار لیں تو ھر بلندی و پستی پر اور نماز کے بعد جو لبیک کہتا تھا وہ کہنا موقوف کر دے اور جمرۃ العقبہ کے پاس ایک چھوٹی سی پہاڑی ھے وھاں قربانی کرے اور سر منڈوائے یا بال کتروا ڈالے اور احرام کھول دے اور کپڑے پہن لے - مگر عورت کے پاس جانے کی اب تک اجازت نہیں -

گیارھویں اور بارھویں کو بدستور منٰی میں رھے اور دونوں دن بھی ان تینوں ستونوں کو سات سات کنکریاں اسی طرح مارے جس طرح کہ دسویں تاریخ کو ماری تھیں -

طواف الزیارت

انھی تاریخوں میں یعنی دسویں یا گیارھویں یا بارھویں کو قربانی کے بعد منٰی سے حرم میں آوے اور خانہ کعبہ کا طواف اسی طرح کرے جس طرح اوپر بیان ھوا اور پھر منٰی میں چلا جاوے۔ بعد اس کے اپنے کام میں لگے اور جو چاھے سو کرے۔

اگر کسی نے طواف قدوم کے بعد سعی بین الصفا والمروہ نہ کی ھو تو اس کو اس طواف کے بعد کر لینی چاھیے۔

طواف الصدر

جو لوگ اور ملکوں سے حج کرنے کو آتے ھیں اور حج کے بعد واپس جانا چاھتے ھیں تو ان کو صرف طواف کر کے روانہ ھونا چاھیے۔

اقسام حج

حج تین قسم ھے افراد ، قران ، تمتع اگر صرف حج کی نیت سے احرام باندھا ھے اس کا نام تو حج افراد ھے اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا ھے اس کا نام قران ھے اور اگر صرف عمرہ کی نیت سے اور عمرہ کے بعد پھر حج کی نیت سے احرام باندھا ھے تو حج تمتع ھے۔

حج افراد اور تمتع کی تو بالکل وھی صورت ھے جو بیان ھوئی الا حج قران میں اس قدر فرق ھے کہ طواف قدوم اور سعی بین الصفا والمروہ دو دفعہ کرنی لازم ھے۔

ارکان حج جو قرآن مجید میں مذکور ھیں

میقات کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ھے۔ غالباً جو لوگ باھر سے کعبہ کی زیارت کو یا حج کو آتے تھے اور جب قریب پھونچے تھے تو حج کی نیت سے ایسی باتوں کے کرنے سے جن کو تقدس

اور ادب کے برخلاف سمجھتے تھے - اجتناب کرتے تھے - رفتہ رفتہ وہ مقامات بطور میقات قرار پا گئے اور زمانہ کے گذرنے پر انھی مقامات سے مسافروں کا احرام میں داخل ہونا ایک امر لازمی اور ضروری قرار پا گیا اگر کوئی شخص بلا ارادہ حج اور بغیر باندھے احرام کے میقات پر مکہ میں چلا جاوے اور مکہ میں پہنچنے کے بعد حج کا ارادہ کرے اور احرام باندھے تو اس کے حج میں بھی کوئی نقص نہیں ہونے کا -

احرام کے وقت تہ بند اور بغیر قطع کیا ہوا کپڑا پہننے کا بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا رواج زمانہ جاہلیت سے برابر چلا آتا تھا اور اسلام میں بھی قائم رہا یہ پوشاک جو حج کے دنوں میں پہنی جاتی ہے ابراہیمی زمانہ کی پوشاک ہے حضرت ابراہیم کے زمانہ میں دنیا نے سویلزیشن میں جو تمدنی امور سے علاقہ رکھتی ہے کچھ ترقی نہیں کی تھی - وہ قطع کیا ہوا کپڑا بنانا نہیں جانتے تھے - اس زمانہ کی پوشاک یہی تھی کہ ایک تہ بند باندھ لیا - کسی کو اگر زیادہ میسر ہوا تو ایک ٹکڑا کپڑے کا بطور چادر کے اوڑھ لیا - سر کو ڈھانکنا اور قطع کیا ہوا کپڑا پہننا کسی کو نہیں معلوم تھا حج جو اس بڈھے خدا پرست کی عبادت کی یادگاری میں قائم ہوا تھا جس نے بہت سوچ بچار کر کہا تھا " انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین " تو اس عبادت کو اسی طرح اور اسی لباس میں ادا کرنا قرار پایا تھا جس طرح اور جس لباس میں اس نے کی تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع سویلزیشن کے زمانہ میں بھی اسی وحشیانہ صورت اور وحشیانہ لباس کو ہمارے بڈھے دادا کی عبادت کی یادگار میں قائم رکھا -

احرام میں داخل ہونے اور حج کی نیت یعنی حج کے قصد کرنے کا قرآن مجید کے آن لفظوں سے کہ "فمن فرض فیهن الحج" پایا جاتا ہے۔

احرام کے دنوں میں جنگل کے جانوروں کے شکار کی ممانعت بھی قرآن سے پائی جاتی ہے۔ جہاں خدا نے فرمایا ہے "یاایها الذین آمنوا لا تقتلوا الصید و انتم حرم۔ احل لکم صید البحر و طعامه متاعاً لکم والسیارة و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما"۔

احرام کے دنوں میں لڑائی اور فساد اور عورت کے پاس جانے کی بھی ممانعت قرآن کی اس آیت سے پائی جاتی ہے "فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج"۔

احرام اور ارکان کے ختم ہونے تک سر منڈانے کی ممانعت کا بھی اشارہ اس آیت سے نکلتا ہے "ولا تحلقوا روسکم حتی یبلغ الهدی محله"۔

طواف کا اور اس میں ذکر اللہ کرنے کا اشارہ بھی قرآن سے پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے "ولیطوفوا بالبیت العتیق"۔

"فاذکر اللہ عند المشعر الحرام" مگر سات دفعه پھرنے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ غالباً ایام جاهلیت سے برابر چلا آتا ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ جس طرح ایام جاهلیت میں لوگ کرتے تھے اسی طرح اب بھی کرتے ہیں اس کا بھی اشارہ قرآن میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے "ان الصفا والمروہ من شعائر اللہ فمن حج البیت اوعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما"۔

عرفات میں جانے کا بھی قرآن کی اس آیت سے اشارہ پایا جاتا ہے ”فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام“۔

مزدلفہ میں رہنے اور منیٰ میں ایام تشریق میں ٹھیرنے کا بھی اشارہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے ”ثم افیضوا من حیث افاض الناس“ واذکرو اللہ فی ایام معدودات ۔ فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ و من تاخر فلا اثم علیہ ۔

قربانی جو حج میں کی جاتی ہے اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے وہ قربانی تین طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک وہ جو جانور کو ساتھ لے کر جاتے ہیں اس ارادہ سے کہ مکہ میں جا کر ذبح کریں گے ۔ اس کا ذکر تو اس آیت میں ہے ” والبدن جعلنا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر وما ذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا و جبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر“۔

دوسری قسم قربانی کی وہ ہے جو حج تمتع میں کی جاتی ہے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے ”فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج کما استیسر من الھدی فمن لم یجد ثلثۃ ایام فی الحج دسبعۃ اذا رجعتم“۔

تیسری قربانی عام طور پر حج کے بعد ہے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے ۔ ” و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر“ ۔

حجر اسود اور رمی جمار کا ذکر قرآن میں نہیں ہے ۔ حجر اسود کعبہ کے ایک کونے میں لگایا گیا تھا اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ طواف کی تعداد معلوم رہے ۔ اسی کونے سے طواف شروع ہوتا ہے اور اسی مقام پر ختم ہوتا ہے اور حجر اسود کو چھو لیا جاتا

ہے یا بوسہ دیا جاتا ہے یا اُس کی طرف اشارہ کر لیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو کہ ایک طواف ختم ہوا - رمی جمار کی کوئی ٹھیک وجہ معلوم نہیں ہوتی - تمام ارکان حج اسلام میں وہی بحال رہے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں تھے اور اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہی رسم رمی جمار کی جو زمانہ جاہلیت میں تھی اسلام میں بھی مثل دیگر ارکان حج کے عملدر آمد رہی -

حج کی حقیقت

جب کہ حضرت اسماعیل مکہ میں آباد ہوئے اور ابراہیم اور اسماعیل نے کعبہ کو بنایا تو اور قومیں جوگرد و نواح میں خانہ بدوش پھرتی تھیں وہاں آ کر آباد ہوئیں اور جیسا کہ دستور ہے اُسی مقدس مسجد کی زیارت کو لوگ آنے لگے - وہاں کوئی زیارت کی چیز بجز بے چھت کی مسجد کی دیواروں کے اور کچھ نہ تھی اور جو کچھ زیارت تھی وہ یہی تھی کہ لوگ جمع ہو کر اُس زمانہ قدیم کے وحشیانہ طریقہ پر خدا کی عبادت کرتے تھے - ننگے سر، تہ بند بندھا ہوا، ننگ دھڑنگ اُن دیواروں کے گرد جو خدا کے نام سے بنائی گئی تھیں اُچھلتے اور کودتے اور حلقہ باندھ کر چوگرد پھرتے تھے - جس کا اب ہم نے طواف نام رکھا ہے -

حضرت ابراہیم نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت یہ بات چاہی کہ لوگوں کے آنے اور زیارت کرنے اور اس مقام پر عبادت معبود کے بجا لانے کے لیے ایام خاص مقرر کیے جاویں تاکہ لوگوں کے متفرق آنے کے بدلے موسم خاص میں مجمع کثیر ہوا کرے اور سب مل کر خدا کی عبادت بجا لاویں اور مکہ کی آبادی اور تجارت کو ترقی ہو - اس امر کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے جہاں حضرت ابراہیم کو کہا ہے کہ حج کو لوگوں میں مشہور کر دے

تیرے پاس پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر ہر ایک دور و دراز رستے سے لوگ آویں گے تاکہ اپنے فائدوں کے لیے موجود ہوں ۔ تفسیر ابن عباس میں ”لیشهدوا منافع لهم“ کی تفسیر میں لکھا ہے ”منافع الدنیا والآخرہ ومنافع الآخرة با لدعاء والعبادة منافع الدنیا بالربح والتجارة“ یعنی منافع سے دنیا و آخرت دونوں کے منافع مراد ہیں ۔ آخرت کا منافع دعا مانگنے اور عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور دنیا کا منافع فائدہ اٹھانے اور تجارت سے ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس رسم کو انھی اغراض کے لیے جاری رکھا ۔ جس غرض سے کہ حضرت ابراہیم نے مقرر کی تھی جس کا اشارہ اس آیت میں ہے ”لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم“ یعنی حج کے دنوں میں اگر تم تجارت سے روزی کمانے کی تلاش کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے ۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بانئے اسلام نے کعبہ شریف کو مثل پارس پتھر کے قرار دیا تھا کہ جس نے اس کو چھوا اور سونا ہو گیا یہ ایک غلط خیال ہے ۔ ابراہیم اور اسماعیل کی بنائی ہوئی مسجد میں لوگ نماز پڑھنے کو آتے تھے اور ابراہیمی طریقہ پر نماز پڑھتے تھے جو سختی اور اضطراب کہ اسماعیل اور اس کی ماں ہاجرہ پر صفا و مروہ کے مقام پر پانی کی تلاش میں گذرا تھا اور اس بے قراری کی حالت میں جس طرح اس نے اپنے خدا کو یاد کیا تھا اور دعا مانگی تھی اس کی یادگاری میں وہی حالت اپنے پر طاری کرتے ہیں اور خدا کی عبادت کا اپنے دل میں جوش پیدا کرتے ہیں موسم حج کا صرف تجارت کی نظر سے مقرر کیا گیا تھا تاکہ قوم اس سے فائدہ اٹھاوے اور ان ایام میں عرب کی قومیں قافلوں کو لوٹنے اور آپس میں لڑائی جھگڑوں سے باز رہیں ۔

وہی تمام طریقے جو حج کی نسبت ابراہیم کے وقت سے چلے آتے تھے - محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قائم رکھے - اس میں دنیاوی منفعت کے سوا روحانی بھی بہت بڑی تربیت ہے - اول اس بزرگ کی سالانہ یادگاری ہے جو دنیا کی قوموں کے لیے اور خدائے واحد کا نام دنیا میں پھیلانے اور فطرت اللہ یا دین اللہ کو تمام دنیا میں شائع کرنے کا باعث ہوا - ایسے بزرگوں کی یادگاری قائم رکھنا اور ان کے پرانے تاریخی واقعات کو زندہ کرنا ان کے دائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہے اور اس بات کا ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ خدا نے کس طرح انسان تک اپنی برکت اور اپنا فضل پہونچایا تھا یہ یادگار آئندہ انھی نیکیوں اور قوائد کے جاری رکھنے میں بہت بڑی مددگار ہوتی ہے اور انسان کے دل کو نرم اور نیکیوں کی طرف راغب رکھتی ہے - ہمت بندھتی ہے ، دل اور روحانی قوت نیکیاں کرنے پر تازہ ہو جاتی ہے - دوسرے تمام ارکان حج میں بجز ابراہیمی طریقہ کی نماز اور دعا اور خدا کی عبادت کے اور کچھ نہیں ہے اور جب وہ ایسے مقام پر کی جاتی ہے جس کے تاریخی واقعات صرف خیال ہی سے دل پر بہت بڑا اثر پیدا کرتے ہیں اور جب کہ وہ ایک بہت بڑے جم غفیر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے جو دور و دراز رستوں اور مختلف ملکوں سے آ کر خدا کی عبادت کے لیے جمع ہوئے ہیں - تو صرف اس ہیئت مجموعی میں ہے جو اثر دل پر اور انسانوں کی روح پر پڑتا ہے وہ کسی اور طرح ہو ہی نہیں سکتا - یہ ایک عملی طریقہ روحانی تربیت کا ہے جس کی مثل کوئی دوسرا طریقہ دنیا میں نہیں ہے - تیسرے یہ کہ چند روز کے لیے اُس وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کرنی جو اس بڈھے دادا کے زمانہ میں تھی بہت قوی اثر خدا کی محبت کا دل میں پیدا کرتی ہے - سویلزیشن کے زمانہ میں جب کہ نیک دلی اور سچائی اور خدا پرستی

اور خدا کے احسانات کی یادگاری میں وہی وحشیانہ سوانگ بھرا جاوے تو اس کا نہایت قوی اثر دل پر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ ایک گروہ کثیر کے مجمع کے ساتھ ہو اور مجمع کا مجمع ایک شخص یا ایک ذات پاک کی یادگاری میں دیوانہ وار مستغرق ہو۔ انسویلزڈ زندگی بھی ایک طرح پر نہایت عمدہ ہوتی ہے اور دل کی سادگی اور بےگناہ زندگی کے سبب سے تقدس کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور خیالات کو بن سمجھے خدا کی طرف زیادہ رجوع کرتی ہے۔ بے سمجھا یقین دل پر بہت بڑا اثر رکھتا ہے۔ اس کے بعد شک کا دور دورہ آتا ہے جب تک کہ وہ نہ مٹ جاوے اور سمجھنے کے بعد دل پر یقین کا تسلط نہ ہو پس اس پاک خدا کی چند روزہ عبادت کے لیے اسی مقدس زندگی کو اختیار کرنا روحانی تربیت کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت حج کی ہماری سمجھ میں یہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے۔ اسی کا نام مقدس ہے اور اسی کا نام مقدس رہے گا۔ اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں۔ وہ تو کبھی حاجی نہیں ہوئے۔ پھر دو پاؤں کے جانور کو اس کے گرد پھر لینے سے ہم کیوں کر حاجی جانیں ہاں جو حقیقةً حج کرے وہ حاجی ہے۔

اس بیان سے حج کے ارکان کی بھی حقیقت بہ خوبی واضح ہوئی ہوگی۔ احرام باندھنا ابراہیمی زمانہ کی صورت بنانا ہے۔ طواف کرنا کعبہ کی دیواروں کے گرد صدقے ہونا نہیں ہے۔ بلکہ در حقیقت وہ

اس طریقہ پر نماز ہے - جو ابراہیمی زمانہ میں اُس چوکھونٹے گھر کے گرد پڑھی جاتی تھی - صفا و مروہ میں سعی کرنا اسماعیل اور ہاجرہ کے استقلال اور خدا پر کامل یقین کو یاد کرنا ہے کہ اُس اضطرار اور اضطراب کی حالت میں بھی جو پانی کی تلاش میں وہاں اُن پر گذری تھی انھوں نے نہیں چھوڑا تھا اور ایسی حالت میں بھی خدا ھی پر انھوں نے بھروسہ کیا - پس اُس یقین کو یاد کرکے اپنے دل کو خدا کی محبت میں زیادہ تر ترقی کرنا ہے -

حج میں قربانی کی کوئی مذھبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی - مکہ ایک بیابان غیر ذی ذرع تھا اس قدر لوگوں کے جمع ہونے سے خوراک کا میسر آنا مشکل تھا اس لیے اکثر لوگ خوراک کے لیے جانور اپنے ساتھ لے جاتے تھے جو بدن اور قلائد کے نام سے مشہور تھے اور جو نہ لے جاتے تھے وہ مکہ میں خریدتے تھے ان کو ذبح کرکے خود بھی کھاتے تھے اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے حج میں صرف یہی اصل قربانی قرآن مجید سے پائی جاتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے ”فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر“ لکم فیھا منافع الی اجل مسمی ثم محلھا الی البیت العتیق“ والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فا ذکر اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا و اطعموا القانع و المعتر“ وھاں پر نہ کوئی دیوتا ہے نہ کوئی دیبی ہے نہ پہاڑ پر کوئی چیز ہے جس پر بکرا یا مینڈھا یا اُونٹ چڑھایا جاوے - نہ خدا کو اس کی بو خوش آتی ہے نہ اُن کا خون پیتا ہے نہ ان کی جان لینے سے خوش ہوتا ہے بلکہ وہ تو صرف نیکی اور بھلائی چاہتا ہے جیسے کہ خود اس نے کہا ہے ”لن ینال اللہ لحومھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقوی منکم“ پس اس زمانہ میں جو حج کے دنوں

میں حاجت سے زیادہ قربانی کی رسم ہے اور لاکھوں جانور ذبح کرکے جنگل میں ڈالتے ہیں جن کو گیدڑ اور کوے بھی نہیں کھاتے اُس کا کچھ بھی نشان مذہب اسلام میں نہیں ہے ”خدا نے حج ادا کرنے کی زیادہ سختی انسان پر نہیں کی“ اور ہر شخص کی استطاعت پر اُس کو منحصر کیا ہے جو نہایت وسیع معنی رکھتا ہے - وہ بھی تمام عمر میں ایک دفعہ اگر ہو سکے -

---

کیا اسلام زبردستی اور جبر سے پھیلا ؟

اور

کیا آنحضرت نے دین حق کی اشاعت تلوار سے کی ؟

اهل یورپ کا غلط اور فضول اعتراض
آنحضرت صلعم کے غزوات و سرایا کا تفصیلی تذکره

قرآن کریم کی سوره انفعال اور سوره توبه دونوں میں کافروں سے لڑنے اور اُن کو قتل کرنے اور مغلوب کرنے کا ذکر هے اس کی نسبت مخالفین اسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے اسلام کی نسبت مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کیے هیں ۔ اگرچه حضرت موسیٰ علیه السلام نے کافروں کے ساتھ جو کچھ کیا اور جس قدر اور جس طرح اُنھوں نے خدا کے حکم سے کافروں کو قتل اور غارت کیا ۔ اگر اُس کا مقابله محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کے زمانه کی لڑائیوں سے کیا جاوے تو معلوم هوگا که وه لڑائیاں بمقابله حضرت موسیٰ کی لڑائیوں کے خدا کی رحمت تھیں ۔ پس جو لوگ توریت کو اور حضرت موسیٰ کو مانتے هیں اُن کے لیے تو حضرت مسیح کا یه قول کافی هے که " تو اُس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں هے کیوں دیکھتا هے اور جو شہتیر که

تیری آنکھ میں ہے اُسے دریافت نہیں کرتا'' مگر ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجت الزامی پر اکتفا کریں بلکہ ہمارا مقصود ہر امر کو تحقیق کرنا اور اُس کی اصلیت کو ظاہر کرنا ہے اس لیے ہم اس امر کو بخوبی تحقیق کرنا چاہتے ہیں -

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بانئے مذہب کو جس کا موضوع سچی اور سیدھی راہ کا بتانا اور اُس کے نتیجوں کی خوش خبری دینا اور بد راہ کی برائی کو جتلانا اور اُس کے بد نتیجوں سے ڈرانا اور اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی، رحم اور صلح، آپس میں محبت و ہمدردی کا قائم کرنا اور تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اس راہ میں پیش آویں صبر و تحمل سے برداشت کرنا زیبا ہے یا زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اور قتل خون ریزی سے اُس کو منوانا لازم ہے - بس اب ہم کو اسی امر کا تحقیق کرنا مقصود ہے کہ کیا قران مجید میں ہتھیار اُٹھانے کا حکم زبردستی سے اسلام منوانے کے لیے تھا ؟

ہرگز نہیں - بلکہ قرآن مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوئیں بخوبی ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قائم رکھنے کے لیے ہوئی تھیں نہ زبردستی سے اور ہتیاروں کے زور سے اسلام منوانے کے لیے -

مکہ میں اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو اور اُن مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے ایذا پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا - آنحضرت نے خود اور اُن کے پیرو مسلمان مرد عورت نے اُن تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو نہایت صبر و تحمل کے برداشت کیا تھا جن کے خیال سے تعجب آتا ہے کہ کیوں کر برداشت ہوئی تھیں -

خاص آنحضرت کی نسبت منه در منه دشنام دهی کرنا اور برا کہنا اور تذلیل کرنا یه تو ایک عام بات تھی جو روزمره هوتی تھی - معززین قریش کمینه لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشاره کرتے تھے اور وه اس طرح سے آنحضرت کو ایذا پہنچاتے تھے -

اغروا به (محمد صلعم) سفهاءهم و عبيدهم و يصيحون به حتى اجتمع اليه الناس و الجوؤه الى حايط -

(ابن هشام، صفحه ۲۸۰)

ایک دفعه اسی طرح آن کمینه لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آنحضرت صلی الله علیه وسلم کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت و سست الفاظ کہه کر غل مچانی شروع کی - بہت سے آدمی جمع هو گئے اور ایسی دھکا پیل هوئی که آنحضرت صلی الله علیه وسلم کو ایک احاطه میں پناه لینی پڑی -

ابو لہب همیشه آنحضرت صلی الله علیه وسلم کے دروازه پر نجاست اور نجس و بد بو دار چیزیں ڈلوا دیتا تھا -

ابو لهب كان يطرح العذرة والنتن على باب النبى صلى الله عليه وسلم -

(تاریخ ابن الاثیر، جلد ۲ صفحه ۲۸)

ام جمیل ابی لہب کی بیوی اس رسته پر جہاں سے آنحضرت صلی الله علیه وسلم کی آمد و رفت تھی کانٹے ڈلوا دیتی تھی -

انها (ام جميل امراة ابى لهب) كانت فيما بلغنى تحمل الشوك فتطرحه على طريق رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث يمر -

(ابن هشام، صفحه ۲۳۳)

راه چلنے کی حالت میں آنحضرت صلی الله علیه وسلم کے سر مبارک

اعترضه (محمد صلی الله علیه وسلم) سفیه من سفهاء قریش فنثر علی رسه ترابا۔
(ابن هشام، صفحه ۲۷۷)

پر لوگ مٹی، کوڑا کرکٹ ڈال دیتے تھے۔

قریش نے آپس میں نہایت سخت عہد کیا تھا که کوئی شخص آنحضرت کے پاس نه جاوے، آن کے پاس نه بیٹھے، آن کی بات نه سنے ایک دفعه عقبه جا کر آنحضرت کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سنا اس کی خبر ابی کو پہنچی جو آس کا بڑا دوست تھا وہ آس کے پاس آیا اور کہا که میں نے سنا ہے که تو آنحضرت پاس جا کر بیٹھا تھا اور آن کی باتیں سنی تھیں تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور میں اپنی قسم کو زیاده سخت کروں گا اگر تو اب گیا اور آن کے پاس بیٹھا اور آن کی بات سنی کیا تجھ سے یه نه هو سکا که آن کے منه پر تھوک دیتا چناں چه آس خدا کے دشمن نے ایسا هی کیا۔

و کان عقبة قد جلس الی رسول الله صلی الله علیه وسلم و سمع منه فبلغ ذلک ابیا فاتی عقبة فقال له الم یبلغنی انک جالست محمد او سمعت منه ثم قال وجهی من وجهک حرام ان اکلمک و استغلظ من الیمین ان انت جلست الیه و سمعت منه۔ اولم تاته فتتفل فی وجهه ففعل ذلک عدو الله عقبة بن ابی معیط۔
(ابن هشام صفحه ۲۳۸)

جو لوگ مسلمان هو گئے تھے آن پر بھی نہایت ظلم هوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی جاتی تھی۔ جہاں بے کس مسلمانوں کو

و ثب کل قبیلة علی من فیها من مستضعفی

المسلمین فجعلوا یجسونهم و یعذبونهم بالضرب و الجوع و العطش و رمضاء مکة و النار لیفتنونهم عن دینهم -

(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶)

دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے قید کرتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، جلتی ریت میں ڈال دیتے تھے آگ سے جلا کر ایذا پہنچاتے تھے -

فصار بلال لامیة بن خلف الجمحی فکان اذا حمیت الشمس وقت الظهیرة یلقیه فی الرمضاء علی وجهه و ظهره ثم یامر بالصخرة العظیمة فتلقی علی صدره و یقول لاتزال هکذا حتی تموت او تکفر بمحمد -

(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶)

حضرت بلال کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت آمیہ بن خلف کبھی منہ کے بل اور کبھی پیٹھ کے بل جلتے ریت پر ڈال دیتا تھا اور چت کرکے اُن کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کیے جاؤں گا جب تک کہ تو مر جاوے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کرے -

کانو - ایخرجون عمار اواباه و امه الی الابطح اذا حمیت الرمضاء یعذبونهم بحر الرمضاء فمر بهم النبی صلی الله علیه وسلم فقال صبرا آل یاسر فان موعدکم الجنة فمان

ایک دفعہ اُنھوں نے عمار بن یاسر کو اور اُس کے باپ اور ماں کو جو مسلمان ہوگئے تھے پکڑ لیا اور دھوپ میں جلتے ریت پر ڈال دیا - اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس طرف سے گذرے اور اُن سے کہا کہ اے یاسر کے خاندان کے لوگو صبر کرو تمھاری جگہ جنت میں ھے - حضرت یاسر تو

یاسر فی العذاب و اغلظت امراته سمیة القول لابی جهل فطعنها فی قبلها بحربة فی یده فماتت وهی اول شهید فی الاسلام و شدد والعذاب علی عمار بالحرتارة و بوضع الصخر احمر علی صدره اخری و بالتغریق اخری فقالو الا نترکک حتی تسب محمدا و تقول فی اللات خیرا ففعل فترکوه و لکن قلبه مطمئن بالایمان ۔

(تاریخ ابن اثیر صفحہ ۲۶)

آسی سختی کی حالت میں مر گئے اور آن کی بیوی سیمہ نے ابوجہل کے ساتھ سخت کلامی کی ابوجہل نے وہ ہتھیار جو آس کے ہاتھ میں تھا حضرت سیمہ مظلومہ کی شرم گاہ میں مارا کہ وہ مر گئیں اور اس طرح وہ سب سے اول شہید ہوئی ہیں ۔ آس کے بعد ابو جہل نے حضرت عمار کو ایذا پہنچانے میں زیادہ سختی کی ۔ کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر آن کے سینے پر رکھواتا تھا ۔ کبھی آن کو پانی میں ڈال کر ڈبواتا تھا ۔ آخر کار آن سے کہا کہ ہم تجھ کو نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو محمد کو دشنام نہ دے اور لات کی تعریف نہ کرے لاچار آنھوں نے ایسا ہی کیا تب آن کو چھوڑا ۔ مگر آن کے دل میں ایمان مستحکم تھا ۔

خباب ابن ارث کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا

اخذه الکفار (خباب ابن الارث) و عذبوه عذابا شدیدا فکانو یعرونه و یلصقون ظهره بالرمضاء ثم بالرضیف و هی الحجارة المحماة بالنارولو واراسه فلم

پہنچائی آس کو ننگا کر کے منہ کے بل گرم جلتے ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کی کتلوں کو آگ سے گرم کر کے آس پر لٹاتے تھے اور آس کا سر مروڑ کے آلٹا پھیر دیتے تھے مگر

بجیہم الی شئی مما اراد و امنہ ۔ (تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

وہ خاموش تھا اور جو کچھ وہ کہتے تھے مطلق اُس کا جواب نہیں دیتا تھا ۔

ابو فکیہ کو اُمیہ بن خلف نے پکڑا اور اُس کے پاؤں میں

اخذہ (ابوفکیھۃ) امیۃ بن خلف و ربط فی رجلہ حبلا و امر بہ فجر ثم القاہ فی الرمضاء و مر بہ جعل فقال لہ امیۃ الیس ھذا ربک فقال اللہ ربی و ربک و رب ھذا فخنقہ خنقا شدیدا و معہ اخوہ ابی بن خلف یقول زدہ عذابا حتی یاتی محمد فیخلصہ بسحرہ و لم یزل علی تلک الحال حتی ظنوا انہ قدمات ۔ (تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۲۷)

رسی بندھوائی اور کھنچوایا اور جلتی ریت میں ڈال دیا ۔ اتفاقاً ایک بد صورت کالا پاؤں والا چھوٹا سا کیڑا اُس کے قریب نکلا تو اُمیہ نے طعنہ سے کہا کہ یہ تیرا خدا ھے اُس نے کہا کہ اللہ میرا رب ھے اور تیرا رب اور اس کیڑے کا بھی ۔ یہ سن کر اُمیہ نے نہایت زور سے اُس کا گلا گھونٹنا شروع کیا اُس وقت اُس کا بھائی ابی ابن خلف بھی موجود تھا اور کہتا تھا زور سے تاکہ محمد آ جاویں اور اپنے جادو سے اس کو چھڑا لیں ۔ غرض کہ اُس کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ اُنھوں نے خیال کیا کہ وہ مر گیا ۔ مگر وہ مرا نہیں تھا ۔

خود حضرت عمر نے اپنے مسلمان ھونے سے پہلے لبینہ ایک

کان عمر (قبل اسلامہ) یعذبھا (لبینۃ) حتی تفتن ثم یدعھا و یقول انی لم

مسلمان عورت کو پکڑ لیا اور اُس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع کیا جب تھک جاتے تھے

ادعک الاسامة فتقول كذلك يفعل الله بك ان لم تسلم ۔
(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے میں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے میں تھک گیا ہوں اس لیے ٹھیر گیا ہوں ۔ اُس نے جواب دیا کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھ کرے گا اگر تو مسلمان نہ ہوا ۔

بلغه (ای عمر) ان اخته فاطمة اسلمت مع زوجها سعيد ابن عمه زيد و ان خباب بن الارث عندهما يعلمها القرآن فجاء اليهما منكرا و ضرب اخته فشبها فلما رات الدم قالت قدا سلمنا ۔
(ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۹)

حضرت عمر کو خود مسلمان ہونے سے پہلے معلوم ہوا کہ فاطمہ اُن کی بہن مع اپنے شوہر کے مسلمان ہوگئی ہے اور خباب بن الارث اُن کو قرآن سکھاتا ہے حضرت عمر اُن کے پاس آئے اور خوب مارا کہ اُن کا سر پھٹ گیا جب خون بہنے لگا تو اُن کی بہن نے کہا کہ ہاں ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں ۔

كان ابوجهل يعذبها (زنيرة) حتى اعميت فقال لها ان اللات و العزى فعلا بك فقالت و ما يدرى اللات و العزى من يعبدهما و لكن هذا امر من السماء و ربى قادر على رد بصرى ۔
(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

اسی طرح ابوجہل نے زنیرہ مسلمان عورت کو اس قدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہو گئی اور جب اُس نے جانا کہ وہ اندھی ہو گئی تو کہا لات اور عزی نے تجھ کو اندھا کیا ہے اُس نے کہا کہ لات اور عزیٰ تو خود ہی نہیں جانتے کہ اُن کو کون پوجتا ہے مگر یہ ایک آسمانی امر ہے اور میرا خدا

كانت (اى امرأة من بنى عبدالدار تعذبها) (النهدية) و تقول والله لا اقلعت عنك او يبتاعك بعض اصحاب محمد -

(تاريخ ابن الاثير جلد ثانى صفحه ۲۷)

كان الاسود بن عبد يغوث يعذبها (اى ام عبيث) -

(تاريخ ابن الاثير جلد ثانى صفحه ۲۷)

كان ابوجهل ياتى الرجل الشريف و يقول له اتترك دينك و دين ابيك و هو خير منك و يقبح رايه و فعله و يسفه حلمه و يضع شرفه و ان كان تاجرا يقول ستكسد تجارتك و يهلك مالك و ان كان ضعيفا اعرى به حتى يعذب -

(تاريخ ابن الاثير جلد ثانى صفحه ۲۷)

و كانت قريش انما تسمى رسول الله صلعم مذمما ثم

قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دے دے -

نہدیہ نے ایک مسلمان عورت بنی عبدالدارکو اور اسود بن عبد یغوث نے ایک مسلمان عورت ام عبیث کو سخت ایذائیں دی تھیں یہ طریقہ ایذا دینے کا برابر جاری تھا - ابوجہل جب کسی شریف آدمی کو دیکھتا کہ مسلمان ہو گیا ہے تو اس سے کہتا کہ کیا تو اپنا مذہب اور اپنے باپ کا مذہب جو تجھ سے اچھا تھا چھوڑتا ہے اور اس کی عقل پر نفرین کرتا ، اس کو حماقت کا کام بتلاتا اور اس کو بے عقل کہتا اور اس کو ذلیل کرتا اور اگر کوئی سوداگر ہوتا تو کہتا کہ تیری تجارت ڈوب جاوے گی اور تیرا مال برباد ہو جاوے گا اور اگر وہ مسلمان کوئی کمزور قبیلہ کا آدمی ہوتا تو اس کے پیچھے لوگوں کو لگا دیتا کہ اس کو ایذا دو -

کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے

یسبرنه ـ

(ابن هشام صفحه ۳۳۴)

و امیه ابن خلف اذا رای رسول الله صلعم همزه و لمزه ـ الهمزة الذی یشتم الرجل علانیة و یکسر عینیه علیه و اللمزة الذی یعیب الناس سراو یوذیهم ـ

(ابن هشام صفحه ۲۳۴)

فغدا ابن مسعود حتی اتی المقام فی الضحی و قریش فی اندیتها حتی قام عند المقام ثم قرء بسم الله الرحمن الرحیم رافعا بها صوته الرحمن علم القران قال ثم استقبلها یقرء ها قال فتا ملوه فجعلوا یقولون ما قال ابن ام عبید قال ثم قالوا انه لیتلوا بعض ماجاء به محمد فقاموا الیه فجعلوا یضربون فی وجهه و جعل یقرء حتی ابلغ منها ماشاء الله ان یبلغ ثم انصرف الی اصحابه ـ

(ابن هشام صفحه ۲۰۲)

محمد کے مذمم بطور هجو کے رکھ دیا تھا اور ابن امیه خلف علانیه منه در منه آنحضرت صلی الله علیه وسلم کو سب و شتم بد زبانی و دشنام وهی کرتا رهتا تھا ـ جب آنحضرت صلی الله علیه وسلم قرآن پڑھتے تھے تو لوگ غل مچاتے تھے اور قرآن کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دیتے تھے ـ

ایک دفعه ابن مسعود کعبه کے پاس گئے اور سوره الرحمان پڑھنی شروع کی اور قریش جو کعبه کے آس پاس بیٹھے تھے هجوم کر آئے اور جب جاناکه وه قرآن پڑھتے هیں جو آنحضرت پر نازل هوا هے تو اُن کے منه کو پیٹنا شروع کیا که اُن کا منه نیلا هو گیا اور مارنے کے نشان منه پر پڑ گئے مگر جهاں تک اُن سے بن پڑا وه بھی پڑھے گئے ـ

پانچ برس تک اسی قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُن مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے پہنچتی رہیں اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں نے نہایت صبر و تحمل سے اُن کو برداشت کیا - مگر کوئی ایسی صورت جس سے مسلمان امن میں رہیں پیدا نہ ہوئی - اُس وقت امن حاصل ہونے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا عزیز وطن چھوڑ دیں اور حبشہ کو چلے جاویں جہاں کا بادشاہ نجاشی عیسائی مذہب کا تھا -

پہلی ہجرت مسلمانوں کی بہ جانب حبشہ سن ۵ نبوی میں

اس اجازت پر تھوڑے مسلمان مرد اور عورتوں نے رجب سن ۵ نبوی میں حبشہ کو ہجرت کی - گیارہ بارہ مرد اور چار پانچ عورتیں اس قافلہ میں تھیں - مردوں میں حضرت عثمان ابن عفان اور عورتوں میں رقیہ بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی حضرت عثمان کی شامل تھیں -

مشورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا

جب قریش مکہ نے یہ بات دیکھی کہ جو مسلمان حبشہ میں گئے وہ آرام سے رہتے ہیں اور حضرت عمر بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور اسلام عرب کے قبیلوں میں پھیلتا جاتا ہے تو اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور سب

ولما رات قریش عزة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمن معہ واسلام عمر و عزة اصحابہ بالحبشة و نشرا الاسلام فی القبائل اجمعوا علی ان یقتلوا النبی صلی اللہ

علیـه وسلم فبلغ ذلک
اباطالب فجمع بنی هاشم
وبنی المطلب فادخلوا
رسول الله شعبهم ومنعوه
ممن راد قتله فاجابوه
لذلک حتی کفارهم فعلوا
ذلک حمیة علیٰ عادة
الجاهلیة ۔
(مواهب لدنیه صفحه
۳۰ و ۳۱)

لوگ اس بات پر متفق ہوگئے ۔
مگر اُس زمانہ میں ابو طالب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
چچا حضرت علی مرتضیٰ کے والد
زندہ تھے اور اُن کا رعب بھی
عرب کے قبیلوں پر کچھ کم نہ
تھا ۔ جب اُنھوں نے یہ بات سنی
تو انھوں نے بنی ہاشم اور بنی
مطلب کو جمع کیا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گروہ
کی حفاظت میں لے لیا ۔

جب کہ قریش اپنے ارادہ پر کامیاب نہ ہوئے اور اُنھوں نے

اجتمعوا وائتمروا
بینهم ان یکتبوا کتابا
یتعاقدون فیه علی بنی هاشم
وبنی المطلب علی ان لا
ینکحوا الیهم ولا ینکحو
هم ولا یبیعوهم شیئاً
ولا یبتاعوا منهم فلما
اجتمعوا لذلک کتبوه فی
صحیقة ثم تعاهدوا وتواثقوا علیٰ
ذلک ثم علقوا الصحیفة فی
جوف الکعبة توکید اعلی
انفسهم ۔ ۔ ۔ ۔ فاقاموا
اعلیٰ ذلک سنتین او

دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی
مطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی حمایت کی ہے وہ پھر جمع
ہوئے اور باہم مشورہ کر کے
ایک عہد نامہ لکھا کہ بنی ہاشم
اور بنی مطلب سے شادی اور
بیاہ موقوف کیا جائے نہ کوئی
اُن کی بیٹیاں لے اور نہ کوئی اُن
کو بیٹیاں دے اور نہ کوئی اُن
کے ہاتھ کوئی چیز بیچے اور نہ
اُن سے کچھ خریدے اور اس پر
سب نے اتفاق کر کے عہد نامہ
لکھا اور اُس کو خانہ کعبہ میں

ثلاثا حتی اجہدوا الا یصل الیہم شئی الاسرا مستخفیابه من ارادصلتہم من قریش و کان ابوجہل بن ہشام فیما یذکرون لقی حکیم بن خرام بن خویلد بن اسد معه غلام یحمل قحا یرید به عمته خدیجة بنت خویلد وھی عند رسول اللہ عم و معه فی الشعب فتعلق به وقال اتذھب بالطعام الی بنی ھاشم واللہ لایترح انت و طعامک حتی افضحک بمکة ۔

(ابن ھشام ، صفحه ۲۳۲)

لٹکا دیا ۔ اس معاھدہ سے بے انتہا تکلیف پہنچی ۔ قریش میں سے بعض لوگ بسبب قرابت کے چھپ چھپا کر کچھ پہنچا دیتے تھے لیکن اگر کھل جاتا تھا تو نہایت فضیحت کیے جاتے تھے ۔ ایک دفعه حکیم بن خرام معه اپنے غلام کے حضرت خدیجه کے لیے جو اُس کی پھپی اور آنحضرت کی بیوی تھیں کچھ ستو لوائے جاتا تھا ابو جہل رسته میں مل گیا اور اُن سے اُلجھ پڑا اور کہا که تو بنی ھاشم کے لیے کھانا لیے جاتا ھے میں ھرگز تجھ کو اور تیرے کھانے کو نه چھوڑوں گا جب تک که تجھ کو مکه میں فضیحت نه کر لوں ۔ یه مصیبت کی حالت دو تین برس تک برابر جاری رھی ۔

دوسری ھجرت مسلمانوں کی بجانب حبشه
سن ۷ نبوی میں

اس قسم کی مصیبتیں مسلمانوں پر برابر جاری تھیں اور کسی طرح کا امن مسلمانوں کو مکه میں نہیں ھوتا تھا اور جو لوگ حبشه میں ھجرت کر گئے تھے وہ وھاں امن میں تھے اس لیے اور مسلمانوں کو بھی ھجرت کر جانے کی اجازت ھوئی چناں چه بہت سے مرد اور عورتیں کے ھجرت کر گئے ۔ مجموعی دونوں دفعه کے ھجرت کرنے والوں کی تعداد بیاسی یا تراسی تھی ۔

هجرت مسلمانوں کی طرف مدینه کے سن ۱۰ نبوی میں

جب حضرت خدیجه کے بعد ابو طالب آنحضرت کے چچا کا بھی جن کے رعب داب سے کسی قدر آنحضرت صلی الله علیه وسلم کو امن تھا انتقال هو گیا اور قریش کو بہت زیادہ تکلیف اور ایذا پہنچانے کا موقع هاتھ آیا ۔ یہاں تک که رسول خدا کے نماز پڑھنے کی حالت میں بکرے کی اوجھڑی آن پر ڈال دیتے تھے لاچار آنحضرت صلی الله علیه وسلم نے چھپ کر نماز پڑھنی اختیار کی تھی اور کھانا پکاتے وقت کھانا پکنے کی هنڈیا مین اوجھڑی کے ٹکڑے ڈال دیتے تھے ۔ راسته چلنے میں آن کے سر مبارک پر مٹی اور کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے اور آنحضرت سب کو برداشت کرتے تھے اور آن سے فرماتے تھے که تم کیا اچھے میرے همسایه هو ۔ جب یہاں تک حالت پہنچ گئی تو آپ بنی ثقیف کے پاس گئے تا که وه آن کی مدد کریں مگر آن میں سے کوئی آماده نه هوا اور پھر آنحضرت صلی الله علیه وسلم مکه میں واپس چلے آئے اسی طرح عرب کے اور قبیلوں نے بھی ایمان لانے سے اور آنحضرت صلی الله علیه وسلم کی مدد کرنے سے انکار کیا ۔

فکان احدهم فیها ذکر لی یطرح علیه رحم الشاة وهو یصلی وکان احدهم یطرحها فی برمته اذا نصبت له حتی اتخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم حجرا یستتر به منهم اذا صلی فکان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا طرحوا علیه ذلک الاذی کما حدثنی عمرو بن عبدالله بن عروه بن الزبیر یخرج به رسول الله صلی الله علیه وسلم علی العود فیقف به علی بابه ثم یقول یا بنی عبد مناف ای رهذا ثم یلقیه فی الطریق ۔

(ابن هشام صفحه ۲۷۶ و ۲۷۷)

اسی درمیان میں مدینه سے چند لوگ حج کرنے آئے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو قرآن سنایا اور مسلمانوں ہونے کو کہا سات آدمی اُن میں سے مسلمان ہوئے جب وہ واپس گئے تو مدینہ کے لوگوں میں اسلام کا چرچا ہوا اور وہاں سے ستر آدمی خفیہ رات کو آنحضرت کے پاس آئے اور اسلام لائے اور جان و مال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کا معاہدہ کیا اور واپس چلے گئے -

جب قریش نے یہ خبر سنی تو مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذا دینی اور تنگ کرنا شروع کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر مسلمانوں کو مدینہ میں ہجرت کرنے کی اجازت دی اور بہت سے مسلمانوں مرد اور عورتیں جس طرح جس کو موقع ملا مدینہ چلا گیا اُنھی ہجرت کرنے والوں میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کہ حبشہ سے واپس آچکے تھے اور عیاش ابن ربیعہ بھی تھے مگر با ایں ہمہ کچھ مسلمان مرد اور عورت جن کو قریش کے خوف سے یا اور کسی طرح پر جانے کا موقع نہیں ملا مکہ میں رہ گئے -

قریش کا دوبارہ آنحضرت کے قتل کا ارادہ کرنا اور آنحضرت کا مدینہ کو ہجرت فرمانا سن ۱۳ نبوی میں

جب کہ اس طرح پر مسلمان رفتہ رفتہ مکہ سے ہجرت کر گئے تو آنحضرت کی رفاقت میں بہ جز حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابو بکر کے کوئی نہیں رہا تھا - قریش مکہ کو مسلمانوں کے اس طرح نکل جانے سے تردد پیدا ہوا اور اُنھوں نے یقین کیا کہ وہ امن پا کر اور متفق ہو کر اُن پر حملہ کریں گے - اس باب میں اُنھوں نے پھر مجلس جمع کی اس غرض سے کہ اب کیا کیا جاوے -

بعضوں نے یہ صلاح دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ابھی تک مکہ ھی میں تشریف رکھتے تھے گرفتار کر کے طوق و زنجیر ڈال کر ایک مکان محفوظ میں قید کر دیا جاوے - بعضوں نے یہ رائے دی کہ آنحضرت کو مکہ سے نکال دیا جاوے - ابو جہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی رائے دی اور کہا کہ بہتر یہ ھے کہ عرب کے ھر ایک قبیلہ سے ایک ایک جوان آدمی منتخب کیا جاوے اور ھر ایک کو تلوار دی جاوے اور سب مل کر ایک ساتھ تلواریں مار کر آنحضرت کو قتل کر ڈالیں اور جب تمام قومیں اس قتل میں شریک ھوں گی تو قبیلہ بنو عبد مناف کو جس قبیلہ میں آنحضرت تھے جھگڑا کرنے کی طاقت نہ ھوگی - اس امر پر سب نے اتفاق کیا اور سب اٹھ کھڑے ھوئے تاکہ اس تجویز کو پورا کریں - اسی امر کا ذکر قرآن مجید میں ھے جہاں فرمایا ھے "اذ یمکربک الذین کفرو الیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک - الآیہ -

اسی دن کی رات کو جب قریش مکہ نے یہ تجویز ٹھیرائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ھجرت کی حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ یا قائم مقام کر کے اپنے بچھونے پر سلا دیا تاکہ کافر جانیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ھیں اور حضرت ابو بکر کو اپنے ساتھ لیا اور مکہ سے نکل کر ثور پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے تین دن تک وھاں چھپے رھے اور پھر موقع پا کر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ھوئے -

صبح کو کفار قریش کو معلوم ھوا کہ آنحضرت تشریف لے گئے اور ان کی جگہ حضرت علی مرتضیٰ سوتے ھیں ان کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ آنحضرت کہاں گئے انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا ان کو خوب مارا اور قید کر دیا مگر تھوڑی دیر کے بعد

چھوڑ دیا اور اعلان کیا که جو کوئی آنحضرت صلعم کو پکڑلاوے اُس کو سو اُونٹ انعام دیا جاوے گا - حضرت علی مرتضیٰ نے بھی مکه سے هجرت کی اور اُفتاں و خیزاں بڑی مشکل سے دن کو چھپے ره کر اور راتوں کو چل کر مدینه میں پہنچے - پیاده چلنے سے پاؤں سوج گئے تھے جب مدینه میں پہنچے تو اس قدر طاقت نه تھی که آنحضرت کے پاس آویں اس لیے خود آنحضرت صلی الله علیه وسلم اُن کے دیکھنے کو اُن کے پاس تشریف لے گئے -

کافروں سے لڑنے کا حکم اور لڑائیوں کے واقعات

هجرت کرنے پر بھی قریش مکه مہاجرین کو اور جو لوگ اُن کو پناه دیتے تھے امن سے رهنے نہیں دیتے تھے - جن مسلمانوں نے حبشه کی طرف هجرت کی تھی اُن کے گرفتار کرنے کو سمندر کے کنارے تک اُن کا تعاقب کیا - مگر وه اُن کے هاتھ نه آئے اور حبشه میں پہنچ گئے - اس پر بھی اُنھوں نے بس نه کیا اور عمرو بن العاص اور عبدالله ابن ابی امیه کو بہت سے تحفے هدیه دے کر نجاشی کے پاس بھیجا اس غرض سے که مسلمان جو وهاں چلے گئے هیں اُنهیں قریش کو دے دے مگر نجاشی نے اُن کے دینے سے انکار کیا -

و خرجت قریش فی آثار الاولین (الی الذین هاجروا اولا الی حبشه) الی البحر فلم یدرکوهم - وقدموا الی ارض الحبشه فکانوا بها - (ابن خلدون جلد ۲ صفحه ۸)

مدینه کے لوگوں کے ساتھ بھی جو آنحضرت پاس آئے تھے اور مسلمان هو گئے تھے اور آنحضرت کی نصرت کا وعده کیا تھا قریش مکه نے برائی کرنے میں کچھ کمی نہیں کی تھی جب اُن کو

و علمت قریش صحة الخبر (ای خبر بیعة الانصار للنبی صلی الله علیه وسلم) فخرجوا فی طلبهم فادرکو

اسعد بن عبدة فجاؤا به الی مکه یضربونه ویجرونه بشعره -
(ابن خلدون جلد ۲ صفحه ۱۳)

معلوم که درحقیقت مدینه والے جو آئے تھے وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور انھوں نے آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا ہے تو ان لوگوں کا تعاقب کیا وہ تو ہاتھ نہ آئے مگر سعد ابن عبادہ ان کے ہاتھ لگ گئے ان کو مکہ میں پکڑ لائے اور ان کو مارتے تھے اور ان کے بال پکڑ کر گھسیٹتے پھرتے تھے -

اسی عدوات کے سبب جو قریش مکہ کو مہاجرین سے ہوگئی

وجاء ابوجهل ابن هشام فخادع عیاش بن ابی ربیعه و رده الی مکة فحبسوه -
(ابن خلدون جلد ۲ صفحه ۱۴)

تھی ابوجہل ابن ہشام مدینہ میں آیا اور عیاش ابن ابی ربیعہ کو فریب دیا کہ تیری ماں تیرے لیے روتی ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیا ہے تو مکہ کو چل اور دھوکا دے کر مکہ لے آیا اور جب مکہ میں پہنچا تو ان کو قید کر دیا -

ان تمام حالات سے جو عداوت کہ قریش کو مسلمانوں سے ہو

فقال بعضهم احبسوه فی الحدید و اغلقوا علیه بابا ثم تربصوا به ما اصحاب الشعراء قبله فقال النجدی ما هذا لکم برأی لو حبستموه یخرج امره من وراء الباب الی اصحابه فلا و شکرا ان یثبوا

گئی تھی اور ہر طرح پر ان کے معدوم کرنے اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے - قریش مکہ کو مدینہ کے لوگوں سے بھی جو مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا تھا ویسی ہی عداوت تھی جیسی کہ مکہ

علیکم فینزعوہ من ایدیکم فقال آخر نخرجہ و ننفیہ من بلدنا ولانبالی این وقع اذا غاب عنا فقال النجدی الم تروا حسن حدیثہ و حلاوۃ منطقہ لو فعلتم ذلک لحل علی حی من احیاء العرب فیغلب علیہم بحلاوۃ منطقہ ثم یسیر بہم الیکم حتی یطاء کم و یاخذ امرکم من ایدیکم -
(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲)

ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا -
(سورہ بقر آیت ۲۱۴)

کے مہاجرین سے تھی - سب سے بڑا خوف قریش مکہ کو یہ تھا کہ اگر یہ لوگ زیادہ قوی ہو جاویں گے تو مکہ پر حملہ کریں گے - چناں چہ جب دوبارہ آنحضرت کے قتل کا مشورہ کیا تھا تو اُس مشورہ میں جس شخص نے یہ رائے دی تھی کہ آنحضرت کو طوق اور زنجیر ڈال کر قید کر دیا جائے اُس کی رائے اُسی دلیل پر مانی نہیں گئی تھی کہ آنحضرت کے اصحاب جو مکہ سے نکل گئے ہیں جمع ہو کر مکہ پر حملہ کریں گے اور اُن کو چھوڑا لے جاویں گے اور جس شخص نے رائے دی تھی کہ آنحضرت کو جلاوطن کر دیا جاوے اُس کی رائے بھی اسی وجہ پر رد کی گئی تھی کہ آنحضرت اپنی فصاحت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیں گے اور قریش مکہ کو کچل ڈالیں گے یہی سبب تھا کہ قریش مکہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے - چناں چہ قرآن مجید میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ اہل مکہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے جہاں تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ ایسا کر سکیں -

مدینہ والے بھی قریش کے حملہ سے مطمئن نہیں رہے تھے اس لیے کہ مدینہ کے اُن لوگوں میں سے جو ایمان نہیں لائے تھے اور آنحضرت کے مدینہ میں تشریف لانے کو پسند نہیں کرتے تھے اور مدینہ کے اُن لوگوں سے جنھوں نے آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا تھا بہت ناراض تھے چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلے گئے تھے اور قریش سے جا ملے تھے ۔

اب دیکھنا چاہیے کہ ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین اور انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رہنے کے لیے کیا کرنا لازم تھا ۔ اس مقصد کے حصول کے لیے چار امر لازمی تھے کہ بغیر اُن کے کبھی امن اور مطلوبہ حفاظت کسی طرح قائم نہیں رہ سکتی تھی ۔

اول۔ اس بات کی خبر رکھنی کہ قریش مکہ کیا کرتے ھیں اور کس منصوبہ میں ھیں ۔

دوم۔ جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے گرد رہتی تھیں اُن سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاھدہ کرنا ۔ لیکن عہد شکنی کی حالت میں اُن سے مقابلہ کرنا اُس منصوبہ کے لیے ایسا ھی ضروری تھا جیسا کہ امن کا معاھدہ کرنا کیوں کہ اگر عہد شکنی کی مکافات نہ قائم کی جاوے تو کوئی معاھدہ اپنے عہد پر قائم نہیں ھو سکتا ۔

سوم۔ جو مسلمان کہ مکہ میں بہ مجبوری رہ گئے تھے اور موقع پا کر وھاں سے بھاگ آنا چاھتے تھے اُن کے بھاگ آنے پر جس قدر ھو سکے اُن کی اعانت کرنا ۔ جو قافلہ مکہ سے نکلتا تھا ھمیشہ احتمال ھوتا تھا کہ شاید اُس کے ساتھ بہانہ کر کے کوئی مسلمان مدینہ میں بھاگنے کے ارادہ سے نکلا ھو ۔

چہارم۔ جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے

کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے ہتھیاروں سے اُس کا مقابلہ کرنا - کیوں کہ ایسا کرنا اُسی امن کے قائم رکھنے کے لیے لازمی و ضروری ہے ان چاروں باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کی نسبت کہا جا سکے کہ اُس سے زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام کا منوانا مقصود ہے

ان کے سوا دو امر اور ہیں جو ہتھیاروں کے اُٹھانے کا باعث ہوتے ہیں -

و مالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذه القریة الظالم اھلھا و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا -

(سورة النساء آیت ۷۷)

ایک یہ کہ - کافر اُن مسلمانوں کو جو اُن کے قبضہ میں ہوں تکلیف اور ایذا دیتے ہوں اُن کی مخلصی کے لیے یا اُن کو اُن کے ظلم سے نجات دلوانے کے لیے لڑائی کی جاوے جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانے کے لیے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُن کے لوگ اور کر ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار -'' کون شخص ہے جو اس لڑائی کو انسانی اخلاق اوز انسانی نیکی کے برخلاف کہہ سکتا ہے اور کون شخص ہے جو اس لڑائی کی نسبت یہ اتہام کر سکتا ہے کہ وہ زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب قبلوانے کے لیے ہے -

دوسرے یہ کہ - کافر مسلمانوں کو آن کے مذہبی احکام ادا کرنے کے لیے مانع ہوں بشرطیکہ وہ آن کی عمل داری میں رہتے نہ ہوں کیوں کہ اس صورت میں آن کو وہاں سے ہجرت لازم ہے نہ لڑائی کرنی -

اگرچہ اس لڑائی کی بنیاد ایک مذہبی امر پر ہے لیکن آس کا مقصد اپنی مذہبی آزادی حاصل کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو جبر و زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا منوانا - اگر ہندو کسی قوم سے اس بات پر پر لڑیں کہ وہ قوم آن کو آن کے احکام مذہبی ادا کرنے نہیں دیتی تو کیا یہ کہا جاوے گا کہ ہندوؤں نے دوسری قوم کو بہ جبر اور ہتھیاروں کے زور سے ہندو کرنا چاہا ہے -

ایک اور امر ہے جو انھی قسم کی لڑائیوں کا ضمیمہ ہے یعنی جس ملک اور یا قوم سے انھی امور کے سبب مخالفت ہے اور لڑائی انھی امور کے سبب مشتہر ہو چکی ہے اس ملک یا قوم پر چھاپہ مارنا یا آن کا اسباب اور آن کی رسد اور آن کے ہتھیاروں کو لوٹ لینا - اس زمانہ تہذیب میں بھی کون سی مہذب سے مہذب قوم ہے جو اس فعل کو نا مہذب و ناجائز قرار دے سکتی ہے - اور کون شخص ہے جو اس کو بہ جبر و زبردستی ہتھیاروں کے زوروں سے مذہب کا قبلوانا قرار دے سکتا ہے -

تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ انھی امور پر مبنی تھیں - ایک لڑائی بھی اس غرض سے نہیں ہوئی کہ مخالفوں کو زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوایا جاوے -

اس دعویٰ کا ثبوت دو طرح پر ہو سکتا ہے - اول آن احکام سے جو قرآن مجید میں لڑائیوں کی نسبت وارد ہیں اور جن سے ظاہر

ہوگا کہ لڑائی کا حکم صرف امن قائم کرنے کے لیے تھا نہ زبردستی سے اسلام قبلوانے کے لیے - دوسرے اُن لڑائیوں کے واقعات پر غور کرنے سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہوئیں چناں چہ ہم اب اُنھیں کے بیان پر متوجہ ہوتے ہیں اس کے بعد ایک امر اور بحث طلب باقی رہ جاوے گا کہ ایک پیغمبر کو اس قسم کی لڑائیاں لڑنا بھی زیبا ہے یا خموشی سے گردن کٹوا کر اور اپنے سر کو طشت میں رکھوا کر دشمن سامنے جانے دینا - یا کافروں کے ہاتھوں میں اپنے تئیں ڈلوا کر صلیب پر چڑھنا اور جان دینا - چناں چہ ہم اس پر بھی اخیر کو بحث کریں گے -

آیات قرآنی کا بیان جن میں مذہب کی آزادی کا حکم ہے

قرآن مجید کی کسی آیت میں کسی شخص کو زبردستی سے یا ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے یا اسلام قبلوانے کا حکم نہیں ہے بلکہ مسلمان کرنے کے لیے صرف وعظ اور نصیحت کرنے کی ہدایت ہے اور صاف صاف بتلایا ہے کہ اسلام میں جبر و زبردستی نہیں ہو سکتی - سورۂ نحل میں خدا نے فرمایا ''ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن'' یعنی (اے پیغمبر) بلا اپنے رب کی راہ پر پکی بات سمجھا کر اور اچھی نصیحت کر کر اور اُن سے بحث کر ایسے طریقہ سے کہ وہ بہت اچھا ہے -

اور سورہ نور میں فرمایا ہے ''قل اطیعو اللہ واطیعو الرسول فان تولوا فانما علیه ماحمل و علیکم ما حملتم و ان تطیعوه تهتدو وا وما علی الرسول الاالبلاغ'' یعنی کہہ دے (اے پیغمبر) کہ فرماں برداری کرو اللہ کی اور فرماں برداری کرو رسول کی پھر اگر وہ پھر جاویں تو اُس کے سوا کچھ نہیں ہے پیغمبر پر وہی ہے جو اُس پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی

هدایت و نصیحت) اور تم پر وهی هے جو تم پرجھ ڈالا گیا هے (یعنی به سبب نه قبول کرنے هدایت و نصیحت کے) اور اگر اس کی فرماں برداری کرو گے تو هدایت پاؤ گے اور پیغمبر کے ذمه اور کچھ نہیں هے مگر حکم کا صاف صاف پهنچا دینا -

اور سوره تغابن میں فرمایا هے ''اطیعو الله و اطیعو الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین'' یعنی فرماں برداری الله کی اور فرماں برداری کرو پیغمبر کی پھر اگر تم پھر جاؤ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں که هارے پیغمبر کے ذمه حکموں کا پهنچا دینا هے صاف صاف -

سوره ق میں خدا نے فرمایا هے ''وما انت علیهم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید'' یعنی تو آن پر زور کرنے والا نہیں هے پھر نصیحت کر قرآن سے آس کو جو ڈرتا هے عذاب کے وعده سے -

اور سوره غاشیه میں فرمایا هے ''فذکر انما انت مذکر لست علیهم بمصیطر'' یعنی پھر تو آن کو نصیحت کر اس کے سوا کچھ نہیں که تو نصیحت کرنے والا هے اور ان پر کڑوڑا نہیں هے -

اور سوره یونس میں فرمایا هے ''ولو شاء ربک لامن من فی الارض جمیعا افا انت تکره الناس حتی یکونوا مومنین'' یعنی اگر تیرا پروردگار چاهے تو بے شبه ایمان لے آویں جو زمین پر هیں اکٹھے پھر کیا تو زبردستی کرتا هے جهاں تک که وه مسلمان هو جاویں -

اس سے زیاده وضاحت سے سوره بقر میں اسلام میں زبردستی کے هونے کی نفی فرمائی هے جهاں فرمایا هے ''لا اکراه فی الدین قدتبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن

باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہ واللہ سمیع علیم" یعنی کچھ زبردستی نہیں ہے دین میں بلاشبہ ظاہر ہو گئی ہے ھدایت گمراھی سے پھر جو کوئی منکر ہوا غیر خدا کی پرستش کا اور ایمان لاوے اللہ پر تو بے شک اس نے پکڑ لیا مضبوط ذریعہ جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔

مخالفین اسلام یہ حجت پکڑتے ھیں کہ اس قسم کی نصیحتیں آنحضرت صلعم کی اسی وقت تک تھیں جب تک کہ آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے مگر جب مدینہ میں چلے آئے اور انصار اھل مدینہ مسلمان ہو گئے اور مہاجرین اور انصار ایک جگہ جمع ہو گئے اور آنحضرت کو بہت بڑی قوت ہو گئی اس وقت ان نصیحتوں کو بدل دیا اور لڑنے اور قتل کرنے کا اور تلوار کے زور سے اسلام قبولوانے کا حکم دیا مگر یہ حجت محض غلط ہے اول تو اس لیے کہ انھیں سورتوں میں سے جن کی آیتوں کا ھم نے اوپر ذکر کیا ھے سورہ نور اور سورہ بقر ھجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ھیں جب کہ آنحضرت صلعم کو بخوبی قوت ہو گئی تھی اور انھیں سورتوں میں حکم ہے کہ رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھ زبردستی نہیں ہے۔ پھر یہ کہنا کہ آنحضرت نے مدینہ میں آنے کے بعد ان نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے۔ دوسرے یہ کہنا کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہوئے ھیں وہ جگہ کی تبدیلی یا قوت اور ضعف کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہو سکتے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ زبردستی سے کسی کو مسلمان نہیں کیا جا سکتا پس جب آنحضرت مکہ میں تھے اس وقت بھی کوئی شخص زبردستی سے مسلمان نہیں ہو سکتا اور جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے اس وقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان

نہیں ہو سکتا تھا ۔ ہاں جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگوں کو جبر و زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لیے نہ تھیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے تھیں جس کو ہم آئندہ بالتفصیل بیان کریں گے ۔

آزادی مذہب کی صلح اور معاہدہ کی حالت میں

خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کافروں سے صلح اور معاہدہ کرنے کی اجازت دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کافروں کے مذہب میں کچھ دست درازی نہ کی جائے وہ اپنے مذہب پر رہیں صرف مسلمانوں کو ایذا نہ دیں ۔ اُن سے لڑیں نہیں اور اُن کے دشمنوں کی مدد نہ کریں اور اُن معاہدوں پر قائم رہنے کی نہایت تاکید کی اور معاہدہ کرنے والوں سے جو اپنے معاہدہ پر قائم رہے ہوں لڑنے کی ممانعت فرمائی ۔ صلح اور معاہدہ کی اجازت ہی صاف دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب کی آزادی میں خلل ڈالنا مقصود نہ تھا اور نہ لڑائی سے کسی کو زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور مسلمان کرنا مقصود تھا بلکہ صرف امن کا قائم رکھنا مقصود اصلی تھا ۔

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا " و اوفوا بعہداللہ اذ عاہدتم ولا تنقضوا الا یمان بعد توکیدھا وقد جعلتہم اللہ علیکم کفیلا ان اللہ یعلم ماتفعلون " یعنی اور پورا کرو تم عہد اللہ کا (یعنی جو خدا کو درمیان میں دے کر عہد کیا ہے) جب تم نے عہد کیا اور نہ توڑو اپنی قسموں کو اُن کے مضبوط کرنے کے بعد اور بے شک تم نے اللہ کو کیا ہے اپنا ضامن بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۔

خود سورہ توبہ میں نہایت خفگی سے لڑائی کا حکم ہے خدا نے فرمایا ہے " الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم

ینقضوکم شیئاولم یظاھر و اعلیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین" یعنی جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ھے پھر اُنھوں نے اُس کے پورا کرنے میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمھارے برخلاف کسی کی مدد کی تو پھر تم پورا کرو اُن کے ساتھ اُن کا عہد اُن کی میعاد تک بے شک اللہ دوست رکھتا ھے پرھیز گاروں کو۔

پھر اسی سورۃ میں فرمایا " الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین" یعنی جن مشرکوں نے مسجد حرام کے پاس تم سے عہد کیا تھا پھر جب تک کہ وہ تمھارے لیے عہد پر قائم رھیں تو تم بھی اُن کے لیے عہد پر قائم رھو بے شک اللہ دوست رکھتا ھے پرھیز گاروں کو۔

اس سے زیادہ معاھدہ کی رعایت کفار اور مشرکین کے ساتھ کیا ھو سکتی ھے جتنی کہ قرآن مجید میں کی گئی ھے۔ سورہ نساء مدینہ میں ھجرت کے بعد اُتری ھے اُس میں حکم ھے کہ

وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا ومن قتل مومنا خطا فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدولکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ و ان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ و تحریر رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین

اگر کسی مسلمان کے ھاتھ سے کوئی مسلمان دھوکے سے مارا جائے تو قاتل کو ایک غلام آزاد کرنا چاھیے اور اگر مقدور نہ ھو تو ساٹھ روزے رکھنے چاھئیں اور اس کے سوا مقتول کی دیت اُس کے کنبے کو دی جاوے۔ پھر اگر وہ مقتول ایک ایسی

متتابعين توبة من الله و كان الله عليما حكيما ۔
(سورہ نساء آیت ۹۴)

قوم کا ہے جن سے اور مسلمانوں سے دشمنی ہے اور وہ مقتول مسلمان ہے تو قاتل کو صرف غلام ہی کا آزاد کرنا ہوگا اور اگر مقتول ایسی قوم کا ہے کہ اُس قوم سے اور مسلمانوں سے معاہدہ ہے تو قاتل کو غلام بھی آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی دیت اُس کے کنبہ کو بھی دینی ہوگی ۔ اس سے زیادہ معاہدہ کی رعایت جس کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ممکن نہیں کیوں کہ جو حق تعالیٰ نے ایسی حالت میں مسلمانوں کے لیے مقرر کیا تھا وہی حق اُن کفار اور مشرکین کے لیے بھی قرار دیا ہے جن سے اور مسلمانوں سے امن کا معاہدہ ہو گیا ہو ۔

و لما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين ۔
(سورہ انفعال آیت ۶۰)

جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ہے اگر معلوم ہو کہ وہ دغا بازی کرنا چاہتے ہیں تو معاہدہ توڑنے کی اجازت دی گئی ہے مگر ایسی احتیاط اور انصاف سے اُس کے توڑنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اُن لوگوں کو کسی طرح نقصان نہ پہنچ سکے یعنی یہ حکم ہے کہ اس طرح پر معاہدہ توڑا جائے کہ دونوں فریق برابری کی حالت پر رہیں اُس میں کچھ دغا بازی نہ ہونے پاوے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔

و ان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله ثم ابلغه منه ما ذلك بانهم قوم

عین لڑائی کے زمانہ میں اگر کوئی مشرک کافر پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دینے کا حکم ہے اور صرف پناہ ہی دینے کا حکم نہیں بلکہ یہ حکم بھی ہے کہ اُس کو اُس کے امن کی جگہ پہنچا دیا

لا یعلمون ۔
(سورہ توبہ آیت ٦)

جاوے ۔ اس سے زیادہ مذہب کی آزادی اور معاہدہ کی احتیاط کیا ہو سکتی ہے ۔

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے بہت سے قبیلوں سے اور قبائل یہود سے جو مدینہ میں رہتے تھے امن کے معاہدے کئے جو دلیل واضح اس بات کی ہے کہ مقصود یہ تھا کہ ملک میں لوگ امن سے رہیں مسلمانوں کو ایذا نہ دیں اور خدا کے کلام کو سنیں ۔ کما قال "حتی یسمع کلام اللہ" پھر جس کا دل چاہے ایمان لا وے جس کا دل نہ چاہے نہ لاوے ۔ کما قال اللہ تعالی "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" و قال فی موضع آخر "فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر" ۔

لڑائی کے احکام اور اُس حالت میں بھی آزادئ مذہب

سب سے پہلے ہم کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ کن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہوا ہے اور کس مقصد سے ، ہم اس سے پہلے بالتصریح بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ اپنے معاہدوں پر قائم ہیں اور مسلمانوں سے نہیں لڑتے اور نہ اُن کے دشمنوں کو لڑنے میں مدد دیتے ہیں اُن سے لڑنے کا حکم نہیں ہے ۔ پس لڑائی کا حکم تین قسم کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے ۔

اول ۔ اُن لوگوں سے جو مسلمانوں سے لڑائی شروع کریں ۔

و قاتلو فی سبیل اللہ الذین یقاتلو کم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المتعدین ۔
(سورہ بقر آیت ١٨٦)

اللہ تعالی نے سورۂ بقر میں فرمایا ہے کہ لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور زیادتی مت کرو بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے

فرن انتہو فلا عدو ان الا
علی الظالمین ۔
(سورہ بقر آیت ۱۸۹)
فمن اعتدی علیکم
فاعتدوا علیہ بمثل ما
اعتدی علیکم و اتقوا اللہ
واعلمو ان اللہ مع المتقین ۔
(سورہ بقر آیت ۱۹۰)

والوں کو ۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ”اگر وہ لڑنا موقوف کر دیں تو دست درازی کرنی نہیں چاہیے کیوں کہ دست درازی صرف ظالموں پر کرنی ہے“ ایک اور جگہ فرمایا کہ ”جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جتنی کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور خدا سے ڈرو اور جان لو اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ۔“

و اقتلوھم حیث
ثقفتموھم و اخرجوھم من
حیث اخرجوکم و الفتنة
اشد من القتل ۔
(سورہ بقر آیت ۱۸۷)
و لا تقاتلوھم عند
المسجد الحرام حتی یقاتلو
کم فیہ فان قاتلوکم
فاقتلوھم کذلک جزاء
الکافرین ۔
(سورہ بقر آیت ۱۸۷)
فان انتھوا فان اللہ
غفور رحیم ۔
(سورہ بقر آیت ۱۸۸)

قدیم زمانہ سے عرب میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ حرم کعبہ میں جدال و قتال نہیں کرتے تھے ۔ اس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ”لڑائی کی حالت میں ان کو جہاں پاؤ (حرم کے اندر یا حرم کے باہر) قتل کرو کیوں کہ فساد مچانا قتل سے بھی زیادہ ہے“ مگر اس حکم میں بھی احتیاط کی اور فرمایا کہ ”تم مسجد حرام کے پاس ان کو مت مارو جب تک کہ وہ وہاں تم کو نہ ماریں ۔ پھر اگر وہ وہاں بھی تم کو ماریں تو تم بھی ان کو مارو یہ ہے بدلا کافروں کا“ اس کے بعد فرمایا

کہ اگر وہ " باز رهیں " یعنی لڑنا موقوف کر دیں " تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ھے " یعنی تم بھی اُن کو معاف کر دو اور لڑنا موقوف کر دو -

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا کہ اگر تم کافروں کے ایذا

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین -
(سورہ نحل آیت ۱۲۷)

پہنچانے کا بدلا لینا چاہتے ہو تو اُسی قدر ایذا کا بدلا لو جس قدر کہ اُنھوں نے تم کو ایذا پہنچائی ھے اگر تم صبر کرو تو بے شک وہ بہتر ھے صبر کرنے والوں کو -

پھر سورہ حج میں اس سے بھی زیادہ تصریح فرمائی ھے کہ اُن

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا و ان اللہ علی نصرهم لقدیر - الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ -
(سورہ حج ۳۸ و ۳۹)

لوگوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا ھے جن سے کفار مکہ لڑتے ھیں اس لیے کہ کفار مکہ کے ھاتھ سے مسلمان مظلوم ہوئے ھیں اُنھوں نے مسلمانوں کو بغیر کسی حق کے اُن کے گھروں سے نکال دیا ھے اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ھمارا پروردگار اللہ ھے -

سورہ نساء میں خدا نے فرمایا ھے کہ کافروں سے لڑو اور اُن

الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینهم میثاق او جاؤکم حصرت صدورهم ان یقاتلوا قومهم ولو شاء اللہ لسلطهم علیکم فلقاتلوکم فان

کو قتل کرو جہاں پاؤ - مگر اُن لوگوں سے نہ لڑو اور نہ اُن کو قتل کرو جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جن سے اور تم سے امن کا معاھدہ ھے اور اُن سے بھی مت لڑو اور اُن کو بھی قتل مت کرو

اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل الله لکم علیہم سبیلا۔
(سورہ نساء آیت ۹۲)

جن کا دل لڑنے سے تنگ ہوگیا اور نہ وہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں پھر جب وہ لڑائی سے الگ ہو جاویں یعنی نہ تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ شامل ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو اُن سے مت لڑو کیوں کہ اللہ نے اُن پر تم کو لڑنے کا کوئی قابو نہیں دیا ہے۔

اس کے بعد اسی سورہ میں فرمایا ہے کہ بعض قومیں چاہتی

ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومہم کلما ردو الی الفتنۃ ارکسوا فیہا فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم و یکفوا ایدیہم فخذوہم و اقتلوہم حیث ثقفتموہم و اولئک جعلنا لکم علیہم سلطانا مبینا۔
(سورہ نساء آیت ۹۳)

ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں اور فتنہ و فساد میں نہ پڑیں پھر اگر تمہارے ساتھ لڑنے سے علیحدہ نہ ہو جاویں اور پیغام صلح نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑنے سے نہ روکیں تو اُن کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے تم کو غلبہ کرنے کا حق دیا ہے۔ پس لڑنا اسی پر موقوف ہے جب کہ کافر لڑائی شروع کریں۔

سورہ ممتحنہ میں نہایت صفائی سے اور بطور قاعدہ کلیہ کے بیان

لاینہاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروہم و تقسطوا الیہم

فرمایا ہے کہ کافروں سے کس طرح پیش آنا چاہیے اور یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں اور نہ تم کو تمہارے گھروں

ان اللہ یحب المقسطین ۔ انما ینہاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظاھر و اعلیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون ۔

(سورۃ الممتحنہ آیت ۷ و ۸)

سے نکالا ہے اُن کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا بلکہ اللہ سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے صرف اُن سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے لڑتے ہیں تمھارے دین کے سبب سے اور تم کو تمھارے گھروں سے نکال دیا ہے اور جنھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نکال دینے پر نکالنے والوں کی مدد کی ہے ۔

ان تمام آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑائی کا حکم کسی کو زبردستی سے اسلام قبول کروانے کے لیے نہیں ہے بلکہ جو لوگ مسلمانوں کو قتل کرنا اور اُن سے لڑنا چاہتے تھے اُن سے محفوظ رہنے کے لیے لڑائی کا حکم ہوا ہے اور لڑائی میں یا لڑائی کے موقوف ہو جانے اور امن قائم ہو جانے پر کسی کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض مقصود نہیں ہے ۔

مخالفین اسلام چند آیتیں اس امر کے ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں عموماً کافروں کے قتل کرنے کا حکم ہے اور نیز بہ جبر ہتھیاروں کے زور سے اُن کو مسلمان کرنے کی ہدایت ہے ۔ مگر ان کا یہ کہنا محض غلط اور صریح ہٹ دھرمی ہے جس کو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں ۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ بقر اور سورہ نساء میں آیا ہے کہ ”و اقتلوھم حیث ثقفتموھم“ اس میں صاف حکم ہے کہ کافر جہاں ملیں وہاں اُن کو قتل کرو ۔ مگر یہ صریح اُن کی غلطی ہے حرم کعبہ میں قتل و قتال زمانہ جاھلیت سے منع تھا

مگر جب قریش مکہ سے لڑائی ٹھنی تو خدا نے حکم دیا کہ اُن کو جہاں پاؤ یعنی حرم کعبہ میں یا اُس کے باہر اُن سے لڑو اور اُن کو قتل کرو پس اس آیت سے عموماً کافروں کا قتل کرنا کہاں سے نکلتا ھے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قرآن مجید سے انھی سے لڑنے کا حکم ھے جو مسلمانوں سے لڑتے ھوں نہ اُن سے کہ جو لڑنا نہیں چاھتے -

وہ کہتے ھیں کہ سورہ نساء میں صاف حکم ھے کہ جب تک کافر مکہ سے ھجرت کر کے مدینہ میں نہ چلے آویں اُن کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو - کافروں کا مدینہ میں ھجرت کر کے آنا اور مسلمان ھو جانا برابر ھے پس اس کے صاف معنی یہ ھیں کہ جب تک کافر مسلمان نہ ھو جاویں اُن کو جہاں پاؤ مار ڈالو -

مگر یہ دلیل محض غلط ھے یہ آیت مکہ کے منافقوں کے حق

ودوالو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منهم اولياء حتى يهاجروا فى سبيل الله فان تولوا فخذوا هم واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم وليا نصيرا -

(سورة نساء آیت ۹۱)

میں ھے جیسا کہ اس آیت کے اوپر بیان کیا ھے " فما لکم فی المنافقین الخ " مکہ کے بہت سے لوگ نفاق سے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کو تردد تھا کہ اُن کے ساتھ لڑائی میں کس طرح کا معاملہ کریں - اُن کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اُن کا یہ کہنا کہ ھم مسلمان اور تمھارے طرف دار ھیں ھرگز نہ مانو اگر وہ سچے ھیں تو ھجرت کر کے چلے آویں پھر اگر وہ نہ آئیں جو اس بات کا ثبوت ھے کہ وہ جھوٹے اور منافق تھے تو لڑائی میں ان کو بھی جہاں پاؤ حرم کے اندر یا حرم کے باھر مارو اور قتل کرو پس ھجرت کا حکم کسی ایسے شخص کی نسبت جو مسلمان ھونے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا

نہیں دیا گیا ہے -

وہ دلیل لاتے ہیں کہ سورہ نساء کی بعض آیتوں میں مطلقاً

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ و من یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما -

(سورہ نساء آیت ۷۶)

فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک و حرض المومنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا و اللہ اشد باسا و اشد تنکیلا -

(سورۃ النساء آیت ۸۶)

یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم و ما واھم جھنم بئس المصیر -

(سورہ تحریم آیت ۸)

فلاتطع الکافرین و و جاھدھم بہ جھادا کبیرا -

(سورہ فرقان آیت ۵۳)

کافروں سے لڑنے کا حکم ہے مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُن آیتوں سے اُن کا کیا مطلب ثابت ہوتا ہے بلاشبہ اُن آیتوں میں اور اور بہت سی آیتوں میں لڑنے کا حکم ہے مگر لڑا بھی اُنھی لوگوں سے جاوے گا جن سے لڑنے کا حکم ہے اور وہ وھی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے بخصومت دین لڑتے ہیں - علاوہ اس کے ان آیتوں میں بھی کسی کو بجبر ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کا اشارہ تک نہیں ہے -

اسی قسم کی آیتیں سورہ تحریم اور سورہ فرقان اور سورہ توبہ میں بھی آئی ہیں جن میں کافروں سے لڑنے اور لڑائی میں اُن کے قتل کرنے کا حکم ہے مگر جن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے اُنھی سے لڑنے کا حکم ان آیتوں میں ہے نہ عموماً ہر ایک کافر یا عام کافروں سے لڑنے کا - پس یہ کہنا کہ ان آیتوں میں

قاتلو الذين لا يؤمنون
بالله ولا باليوم الاخر ولا
يحرمون ما حرم الله و رسوله
ولايدينون دين الحق من
الذين اوتوا الكتب حتى
يعطوا الجزية عن يد وهم
صاغرون -

(سوره توبه آيت ٢٩)

و قاتلوا المشركين
كافة كما يقاتلونكم
كافة - (سوره توبه آيت ٣٦) -

يا يها الذين آمنوا
قاتلوا الذين يلونكم من
الكفار و ليجدوا فيكم
غلظة -

(سوره توبه آيت ١٢٣)

لڑنے کا حکم ہے اور اس بات
چھپا لینا اور نہ بیان کرنا کہ
کن لوگوں سے منجملہ کفار سے
لڑنے کا حکم ہے صریحاً ہٹ
دھرمی ہے - قرآن مجید میں
کسی کافر سے بحیثیت کفر اس
سے لڑنے کا حکم نہیں ہے صرف
تین قسم کے کافروں سے لڑنے
کا حکم ہے ایک وہ جو مسلمانوں
سے لڑتے ہیں - دوسرے وہ
جنھوں نے عہد شکنی کی ہو
اور مسلمانوں سے لڑنے والوں کے
ساتھ جا ملے ہوں - تیسرے وہ
جن کے ہاتھ میں مسلمان عورت
و مرد و بچے بطور قیدی کے
ہوں اور وہ ان کو ایذا پہنچاتے
ہوں ایک قسم کو تو ہم ابھی بیان کر رہے ہیں اور باقی قسموں کو بھی عنقریب بیان کریں گے پھر کون شخص یا مہذب سے مہذب قوم اس قسم کی لڑائی کو نا واجب یا ظلم کہہ سکتی ہے اور کیوں کر اس قسم کی لڑائیوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہ زور شمشیر اسلام قبول کروانے کے لیے کی گئی تھیں -

ہاں چند آیتیں ہیں جن پر بحث کرنا ہم کو ضرور ہے سورہ

و قاتلوهم لا تكون
فتنة ويكون الدين لله -
(سوره بقر آيت ١٨٩)

بقر اور سورہ انفال میں خدا نے
فرمایا ہے کہ کافروں سے لڑو
تا کہ فتنہ مٹ جاوے اور دین

قل للمخلفين من
الا اعراب ستدعون الى قوم اولی
بأس شديد تقاتلونهم او
يسلمون -
(سوره فتح آيت ١٦)

و قاتلوهم حتى لا
تكون فتنة و يكون الدين
كله لله فان انتهوا فان الله
بما يعملون بصير -
(سوره انفال آيت ۴۰)

بالکل اللہ کے لیے ہو جاوے -
اور سوره فتح میں فرمایا
ہے کہ اے پیغمبر تو آن گنوار
عربوں سے جو پیچھے رہ گئے تھے
کہہ دے کہ تم ایک سخت
لڑنے والی قوم سے لڑنے کو
بلائے جاؤ گے پھر تم آن سے
لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جاویں گے
معترض کہہ سکتا ہے کہ ان
آیتوں سے اس بات کا اشارہ نکلتا
ہے کہ جب تک کافر مسلمان نہ ہو جاویں آن سے لڑے جانا چاہیے اول تو یہ کہنا غلط اس لیے ہے کہ ان لفظوں سے کہ ''ویکون الدین کلہ للہ'' کسی طرح یہ مطلب نہیں نکلتا کہ جب تک کافر مسلمان نہ ہوں آن سے لڑے ہی جاؤ کیوں کہ ان لفظوں کے صرف یہ معنی ہیں کہ '' دین خدا کے لیے ہو جاوے '' یعنی کافروں کی مزاحمت احکام مذہبی کے بجا لانے میں جاتی رہے -

سورہ توبہ میں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرکوں کو مارو

فاقتلوا المشركين
حيث وجدتموهم و خذوهم
و احصروهم واقعدوا لهم
كل مرصد فان تابوا واقاموا
الصلوٰة و آتوا الزكوٰة فخلوا
سبيلهم ان الله غفور رحيم -
(سوره توبه آيت ۵)

جہاں پاؤ اور پکڑو آن کو اور
گھیرو آن کو اور آن کی گھات
میں بیٹھو - پھر اگر وہ توبہ
کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ
دیں تو آن کا رستہ چھوڑ دو
بے شک اللہ بخشنے والا ہے
مہربان -

معترضین کو اس مقام پر نہایت موقع ہے اگر وہ کہیں نماز

ادا کرنے اور زکوۃ دینے کو مشروط کرنا صاف ایسا ھے جیسے کہ اسلام لانے کو شرط کرنا - مگر جب اُس کی تفریع پر خیال کیا جاوے تو معلوم ھوگا کہ اُس شرط کو لڑائی سے کچھ تعلق نہیں ھے بلکہ اُن کی آمد و رفت کی روک ٹوک موقوف ھرنے سے تعلق ھے جب تک کہ وہ کافر تھے بلاشبہ روک ٹوک و خبرگیری کی ضرورت تھی کیوں کہ اُن سے اندیشہ تھا مگر مسلمان ھونے کے بعد وہ اندیشہ نہیں رھا اس لیے فرمایا کہ " فخلوا سبیلھم " ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے ھم تسلیم کرتے ھیں کہ ان آیتوں میں اُن الفاظ سے مسلمان ھو جانا ھی مقصود ھے تو بھی منجملہ اسباب موقوفی لڑائی کے اسلام بھی ایک سبب ھے مگر اس تسلیم سے بھی بجبر و بزور شمشیر کافروں کا مسلمان کرنا لازم نہیں آتا -

ھم نے بالتفصیل اوپر بیان کیا ھے کہ کفار سے لڑائی کا حکم صرف مسلمانوں کے لیے امن قائم کرنے کا تھا اور وہ امن صرف تین طرح پر قائم ھو سکتا تھا -

اول - قبل جنگ یا بعد جنگ آپس میں صلح ھونے اور امن کا معاھدہ ھونے سے جس کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ھے جہاں فرمایا ھے " فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم و القوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیکم سبیلا " اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی کافر قوموں سے امن کے معاھدے کئے ھیں جن کا ذکر آوے گا -

دوسرے - فتح پانے اور کافروں کا مغلوب ھو کر جزیہ دینا قبول کرنے سے جس کے بعد وہ اپنے دین و مذھب پر بدستور قائم رھتے ھیں جیسے کہ خدا نے فرمایا ھے " حتی یعطو الجزیۃ عن یدو ھم صاغرون " -

تیسرے - مسلمان ھو جانے سے - پس یہ تینوں صورتیں امن قائم

ہونے کی ہیں ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آوے تو لڑائی قائم نہیں رہتی تھی پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لڑائی سے بزور شمشیر کافروں کو مسلمان کرنا مقصود نہ تھا بلکہ صرف امن کا قائم کرنا مقصود تھا۔

دوم۔ اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جنہوں نے دغا بازی کی ہو اور معاہدوں کو توڑ دیا ہو۔ خدا نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ ”اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسم کو توڑ دیں تو جو کفر کے سردار ہیں اُن سے لڑو کیوں کہ اُن کی قسم کچھ نہیں ہے“۔

وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون۔
(سورہ توبہ آیت ۱۲)

اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ ”کیوں نہیں لڑتے ایسی قوم سے جس نے اپنی قسم توڑ دی اور رسول کو نکالنا چاہا اور اُن ہی نے پہل کی“۔

الا تقاتلوا۔ قوما نکثوا ایمانهم و هموا باخراج الرسول و هم بدؤکم اول مرة۔
(سورہ توبہ آیت ۱۳)

اور سورہ انفال میں فرمایا ہے کہ ”جن لوگوں کے شامل تم نے عہد کیا ہے پھر اُنھوں نے ہر دفعہ اپنا عہد توڑ دیا ہے اور پرہیزگاری نہیں کرتے۔ پھر اگر تو اُن کو لڑائی میں پاوے تو اُن کو ایسا مار کہ اُن کے پیچھے جو لوگ ہیں متفرق ہو جاویں۔

الذین عاهدت منهم ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة و هم لا یتقون۔ فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون۔
(سورہ انفال آیت ۵۸ و ۵۹)

پس معاهده توڑنے کے بعد اُن سے لڑنا امن قائم رکھنے کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ معاهده کرنا - کیوں کہ بغیر اس کے نہ امن قائم رہ سکتا ہے اور نہ معاهده - مگر ایسی حالت میں لڑنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اُس سے بزور شمشیر اُن کو مسلمان کرنا مقصود ہے اور نہ ایسی لڑائی مہذب سے مہذب قوم کے نزدیک بھی ناواجب ہے -

سوم - اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جنہوں نے مسلمانوں کو اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو عذاب میں اور تکلیف میں ڈال رکھا ہے - اس کا ذکر سورہ نساء میں ہے - جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور ترتیب قائم رکھنے کے لیے اُس آیت کو دوبارہ لکھتے ہیں -

و مالکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة الظالم اهلها و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا -
(سورہ نساء آیت ۷۷)

خدا نے فرمایا کہ ”کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانے کے لیے - مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُس کے لوگ اور کر ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار“ - کیا یہ انسانیت اور رحم کی بات نہیں ہے کہ لاچار بے بس مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جاوے اور اُن کی فریاد رسی کے لیے ہتھیار اُٹھایا جاوے - کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے -

اب ہم اُن واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ

علیه وسلم کے زمانہ میں واقع ہوئے تھے اور غزوہ اور سریہ کے نام سے مشہور ہیں اور یہ بات دکھلاتے ہیں کہ کوئی غزوہ یا سریہ اس مقصد سے نہیں ہوا تھا کہ بجبر و بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کیا جاوے۔ بلکہ ہر ایک غزوہ یا سریہ کا کوئی سبب اُنھی اسباب میں سے تھا جن کی تفصیل ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

ہم نے ان غزووں اور سریوں اور اُن کے مقاموں کا حال اُن کتابوں سے جن کا نام اس مقام پر لکھتے ہیں اخذ کیا ہے۔ سیرت ہشامی، کامل ابن اثیر جرزی، مواہب لدنیہ، علامہ قسطلانی، ابن خلدون مغربی، تاریخ اسماعیل ابو الفدا، مراصد الاطلاع، سیرت ابن اسحاق، مغازی و اقدی، مشترک یاقوت حموی، فتوح البلدان، تاریخ یافعی، سیرت المحمدیہ مولوی کرامت علی، معجم البلدان، زاد المعاد ابن القیم، صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

ان کتابوں میں ان لڑائیوں کے زمانہ میں اختلاف ہے۔ کوئی واقع کسی لڑائی کا کسی سن میں اور کوئی کسی سن میں بیان کرتا ہے اور ہم کو کچھ چارہ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُن میں سے ایک سلسلہ اختیار کر لیں۔

ان واقعات کے سنہ بیان کرنے میں محرم سے سال کی تبدیلی نہیں قرار دی گئی ہے بلکہ واقعی زمانہ ہجرت سے برس کا شمار کیا گیا ہے۔

ان واقعات کا ہم نہایت مختصر طور پر بیان کریں گے اور صرف اس قدر واقعات کا ذکر کریں گے جس سے معلوم ہو کہ اُن لڑائیوں کا کیا سبب تھا آیا اُن سے بزور شمشیر اسلام قبلوانا مقصود تھا یا صرف امن کا قائم رہنا اور دشمنوں کے حملوں کو روکنا۔

ہم نے تمام واقعات کو جن پر مورخین نے سریہ یا غزوہ کا اطلاق کیا ہے بالاستیعاب اس مقام پر ذکر کیا ہے حالاں کہ اُن

میں ایسے بھی واقعات ہیں جو نہ سر نہ تھے نہ غزوہ مگر ہم نے اُن کو بھی اس لیے لکھ دیا تاکہ یہ خیال نہ کیا جاوے کہ ہم نے کسی واقعہ کو چھوڑ دیا ہے -

سریہ سیف البحر رمضان سن ۱ ھجری

سیف البحر - یعنی ساحل البحر - یہ ایک جگہ بحر فارس کے کنارہ پر بنی زھیر کے متعلق جو سامہ بن لوی بن غالب کے قبیلہ سے ہیں -

اس سریہ میں کل تیس سوار تھے اور حمزہ بن عبدالمطلب بن ھاشم اس کے سردار تھے اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان بھی عنایت کیا تھا - جب یہ لوگ سیف البحر میں پہنچے تو ابو جہل بن ھشام مکہ والوں کے تین سو سوار لیے ہوئے ملا مگر کوئی لڑائی نہیں ہوئی - مجدی بن عمرو الجہنی بیچ میں پڑا اور لڑائی نہ ہونے دی -

ظاہر ہے کہ تیس سواروں کا بھیجنا کسی سے لڑنے یا حملہ کے لیے نہیں ہو سکتا - مگر ایسی قلیل جماعت کا خبر رسانی کے لیے اور مکہ کے لوگوں کے ارادہ کی تفتیش کرنے کے لیے جو ایک ضروری امر تھا بھیجنا ممکن ہے چناں چہ وہ نتیجہ حاصل ہوا اور مکہ کے لوگوں کی آمادگی اور حملہ آوری کی نیت کی خبر ملی -

سریہ رابغ شوال سن ۱ ھجری

رابغ - ایک میدان ہے درمیان ابواء اور جحفہ کے -

اس سریہ میں ساٹھ یا اسی سوار تھے اور عبداللہ بن الحارث اُس کے سردار تھے اور اُن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان عنایت کیا تھا - جب یہ لوگ ثنیۃ المرہ میں پہنچے تو وہاں قریش کا لشکر بسرداری عکرمہ بن ابی جہل یا مکرز بن حفص موجود

تھا - اسی لشکر میں مقداد بن عمرو حلیف بن زهره اور عتبه بن غزوان حلیف بن نوفل جو دل سے مسلمان تھے موجود تھے اور موقع پا کر مسلمانوں کے لشکر میں چلے آئے - غالباً اسی سبب سے لڑائی نہیں ہوئی کیوں که اگر ہوتی تو قبائل بنی زهره اور بنی نوفل جو مقداد اور عتبه کے حلیف تھے قریش سے برگشته ہو جاتے -

یه سریه خواه بقصد دریافت حالات اهل مکه بھیجا گیا ہو یا باراده مقابله لشکر قریش کے مگر حمله آوری کے طور پر بھیجنا کسی طرح قرار نہیں پا سکتا - انتہا یه ہے که قریش کے حمله کے روکنے کے لیے جو امن قائم رهنے کے لیے لازمی تھا بھیجا گیا تھا -

سریه خرار ذیقعد سن ۱ هجری

خرار حجفه کے نزدیک ایک مقام ہے جس کا یه نام ہے -

اس سریه میں اسی آدمی مہاجرین میں سے تھے اور سعد ابن ابی وقاص اُن کے سردار تھے - اُن کو کہیں کسی دشمن کا پتا نہیں ملا اور خرار تک جا کر واپس آگئے - اس سے ظاهر ہے که یه لوگ صرف خبر رسانی کی غرض سے روانه ہوئے تھے -

غزوه ودان یا غزوه ابواء صفر سن ۱ هجری

ودان - فعلان کے وزن پر ایک بستی مکه و مدینه کے درمیان فرع کی طرف حجفه کے پاس تھی ہرشی وہاں سے چھ میل اور ابواء آٹھ میل تھا -

ابواء - فرع کے متلقات سے ہے اور وہاں حضرت آمنه آنحضرت صلے اللہ علیه وسلم کی والده کی قبر ہے -

خود آنحضرت صلے اللہ علیه وسلم اس سفر میں تشریف لے گئے اور بنی ضمره بن بکر بن عبد مناف بن کنانه سے جن کا سردار مخشی بن عمرو الضمیری تھا اس بات پر معاهده کیا که وه نه آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کی مدد کریں گے نه قریش مکه کی - یه معاهده

کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ والوں کو قریش مکہ کے حملہ کا کس قدر خوف تھا ۔

غزوہ بواط ربیع الاول سن ۲ ہجری

بواط ۔ ایک پہاڑ ہے جہینہ کے پہاڑوں میں سے رضوی کے پاس ۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر فرمایا اور رضوی کی طرف سے بواط میں ہو کر واپس تشریف لے آئے ۔ یہ صرف ایک سفر تھا خواہ اس سے مقصد لوگوں میں وعظ کرنا ہو یا قریش مکہ کے ارادوں کا پتا لگانا یا دونوں ۔

غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ ربیع اول سن ۲ ہجری

سفوان ۔ بدر کے پاس جو ایک میدان ہے سفوان اس کا نام ہے ۔

بدر ۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی صفراء کے اخیر واقع ہے اور وہاں سے سمندر کا کنارہ ایک رات بسے کا رستہ ہے ۔

کرز بن جابر الفہری نے مدینہ والوں کے مویشی لوٹ لیے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خاص اُن کا تعاقب کیا اور سفوان تک تشریف لے گئے مگر وہ ہاتھ نہ آیا ۔

غزوہ ذی العشیرہ جمادی الآخر سن ۲ ہجری

ذوالعشیرہ ۔ ایک جگہ ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبع کی طرف اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہاں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا ۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا اور بنی مدلج اور اُن کے حلیف بنی ضمرہ سے امن کا معاہدہ کر کے واپس تشریف

لے آئے - اس سفر میں ایک رات حضرت علی مرتضیٰ زمین پر سو رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جگایا اور حضرت علی مرتضیٰ کو مٹی میں بھرا ہوا دیکھ کر فرمایا "مالک یا ابو تراب" اور جب سے حضرت علی مرتضیٰ کا لقب "ابو تراب" ہو گیا -

سریہ نخلہ رجب سن ۲ ھجری

نخلہ - جس کو نخلہ محمود بھی کہتے ھیں ایک جگہ ھے مکہ کے پاس درمیان مکہ و طائف کے - وھاں کھجور اور انگور بہت ہوتے تھے اور وہ پہلی منزل ھے مکہ سے -

اس سریہ میں مہاجرین میں سے اسّی آدمی تھے اور ان کے سردار عبد اللہ بن جحش تھے اور مکہ کے قریب بھیجے گئے تھے جہاں جان جانے کا نہایت اندیشہ تھا اور صرف قریش مکہ کے ارادوں کی خبر لینے کو بھیجے گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا کہ "امض حتی تنزل نخلة فترصد بها قریشا و تعلم لنا من اخبارهم" -

جب یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اتفاقاً قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر آ پہنچا - عبداللہ بن جحش نے اُن پر حملہ کیا اور واقد بن عبداللہ کے تیر سے اُس قافلہ میں سے عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیساں قید ہوگئے -

جب عبداللہ بن جحش لوٹ کا مال اور قیدیوں کو لے کر مدینہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور قیدیوں کو سعد بن ا وقاص اور عتبہ بن غزوان کے واپس آنے پر جو پیچھے رہ گئے تھے چھوڑ دیا اور عمرو بن الحضرمی کی دیت یعنی خون بہا اپنے پاس سے ادا کیا -

اس واقعه سے ثابت هوتا هے که سریوں کے بهیجنے سے صرف قریش کے ارادوں کا حال دریافت کرنا مقصود تها نه لڑنا اور کسی پر حمله کرنا ـ

غزوه بدر الکبریٰ رمضان سن ۲ هجری

اس غزوه کا حال هم سوره انفال کی تفسیر میں مفصل لکھ چکے هیں اور اس میں بتایا هے که یه غزوه قریش کے قافله کے لوٹنے کے لیے جو شام سے آتا تها نہیں هوا تها بلکه قریش مکه جو لشکر جمع کرکے حمله کے اراده سے نکلے تهے اس کے دفع کرنے کے لیے هوا تها ـ لیکن اگر اس مقام پر اسی بات کو تسلیم کر لیں که قافله هی کے لوٹنے کو حمله هوا تها تو بهی کچھ الزام نہیں هو سکتا ـ جس قدر که حالات اوپر لکهے گئے هیں ان سے ظاهر هوتا هے که قریش مکه مدینه والوں کے پورے دشمن تهے اور وه مدینه پر حمله کرنے کے موقع دیکھ رهے تهے اور حمله کر کے مدینه والوں کے مویشی لوٹ چکے تهے پس اگر مدینه والوں نے اس خیال سے که مکه کے دشمنوں کو زیاده قوت نه هو جاوے ان کے اسباب کو لوٹ لینا چاها تو کیا الزام هو سکتا هے دو قوموں میں دشمنی جب علانیه هو جاوے جو بمنزله اشتهار جنگ کے هے اور هر ایک آماده جنگ هو تو ایسے امور کا مرتکب هونا کسی طرح خلاف اخلاق یا خلاف قدرتی قانون اقوام کے نہیں هے ـ مگر همارا یه بیان بطریق تنزل کے هے کیوں که هم ثابت کر چکے هیں که یه غزوه قافله کو لوٹنے کے لیے نه تها ـ

سریه عمرو بن عدی الخظمی رمضان سن ۲ هجری

سریه سالم بن عمر وشوال سن ۲ هجری

تعجب هے که علامه قسطلانی نے ان دونوں واقعوں کو سریه کر کے لکها هے حالاں که نه وه سریه تهے نه آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن دونوں میں سے کسی کو کہیں بھیجا تھا عمر بن عدی نے از خود ایک عورت عصماء بنت مروان کو جو جورو یزید بن الخظمی کی تھی اور اُس کی رشتہ دار تھی رات کو مار ڈالا اور سالم بن عمیر نے ایک بڈھے یہودی کو مار ڈالا - یہ معمولی واقعات ھیں جو دنیا میں ہوتے رہتے ھیں اُن کو اس خیال سے کہ دو کافر مارے گئے سریہ میں داخل کرنا محض غلطی ہے بالفرض اگر پہلے واقعہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی اور اُس پر کچھ مواخذہ نہیں کیا جس کے کچھ اسباب ہوں گے تو بھی اُس کو قرار نہیں دیا جا سکتا -

سریہ بنی قینقاع شوال سن ۲ ھجری

بنی قینقاع - یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مُدینہ میں رہتے تھے اور ایک بازار اُن کے نام سے موسوم تھا اور سوق بنی قینقاع کہلاتا تھا -

ان سے بھی امن کا معاھدہ تھا مگر جب بدر کی لڑائی ہوئی تو اُنھوں نے اظہار[1] بغاوت کیا - اسی درمیان میں ایک مسلمان عورت سے جو سوق بنی قینقاع میں ایک کام کو گئی تھی نالائق طور پر ہنسی کی اور اُس کا کپڑا اٹکا کر اُس کا ستر عورت کھول ڈالا - اُس پر ایک مسلمان غصہ میں آیا اور اُس یہودی کو جس نے عورت کو بے ستر کیا تھا مار ڈالا - یہودیوں نے اُس مسلمان کو گھیر کر مار ڈالا - اس پر یہودیوں اور مسلمانوں میں نزاع قائم ہوگئی -

ظاھرا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات اُس وقت ہوئے ھیں جب آنحضرت بدر کی لڑائی میں مصروف تھے - جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو اُن یہودیوں نے علانیہ معاھدہ

۱- دیکھو تاریخ کامل بن الاثیر - جلد ثانی صفحہ ۵۶ مطبوعہ مصر -

توڑ دیا اور عہد نامہ واپس بھیج دیا[1] -

اس واقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قینقاع کے محلہ کا محاصرہ کر لیا - کیا عجب ہے کہ اس محاصرہ میں کسی سے کچھ لڑائی بھی ہوئی ہو - لیکن ضرور تھا کہ قبل شروع کرنے لڑائی کے بطور قطع حجت اُن کو دعوت اسلام کی جاوے - چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو گھیر کر فرمایا - کہ تم اسلام قبول کرو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو بدر والوں کا ہوا - اس پر اُنھوں نے سخت کلامی سے جواب دیا - مگر عبد اللہ ابن ابی ابن سلول درمیان میں پڑا اور یہ ٹھیرا کہ یہودی مدینہ سے چلے جاویں - چناں چہ عبادہ بن صامت اُن کی حفاظت کو متعین ہوئے اور وہ لوگ بامن و امان معہ مال و اسباب مدینہ سے چلے گئے - اُن کے ہتھیار لے لئے گئے اور زمینیں ضبط کر لی گئیں اور وہ لوگ خیبر میں جا کر آباد ہوئے - اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت کی طرف سے حملہ تھا یا بجبر مسلمان کرنا مقصود تھا یا صرف امن کا قائم رکھنا -

غزوۃ السویق ذوالحجہ ۲ سن ہجری

یعنی جس حملہ میں قریش مکہ اپنی خوراک کے لیے ستو اپنے ساتھ لائے تھے -

ابو سفیان دفعۃً دو سو سوار لے کر رات کو خفیہ مدینہ میں آیا اور سلام بن مشکم یہودی قبیلہ بنی نضیر سے ملا اور مسلمانوں کے حالات کی جاسوسی کر کے چلا گیا - مکہ پہنچ کر قریش مکہ کی ایک جماعت مدینہ پر بھیجی اور مدینہ کے ایک محلہ پر جس کا نام عریض ہے آ پڑی اور آس نواح کے باغوں کو جلا دیا اور ایک مسلمان انصاری کو اور ایک مکہ کے رہنے والے اُس کے حلیف کو

۱- دیکھو تاریخ کامل جلد ثانی صفحہ ۵۵ مطبوعہ مصر -

مار ڈالا[1] -

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمی لے کر اُن کا تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے مگر کوئی هاتھ نہیں آیا -

غزوہ قرقرۃ الکدر یا غزوہ بنی سلیم محرم سن ۲ ھجری

قرقرۃ الکدر - ایک چشمہ کا نام ھے جہاں یہود بنی سلیم رھتے تھے مدینہ سے آٹھ منزل ھے -

بعض اسباب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف تشریف لے جانا مناسب سمجھا اور آپ قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے اور تین دن وھاں مقام فرمایا مگر کسی سے مقابلہ یا لڑائی نہیں ھوئی -

سریہ محمد بن سلمہ ربیع الاول ۳ سن ھجری

کعب ابن اشرف ایک یہودی تھا جو کفار قریش کا تھانگی تھا اور مسلمانوں کو اور آنحضرت کو ایذا پہنچاتا تھا اور قریش مکہ کو حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا[2] - اُس کو محمد سلمہ نے چند اپنے ساتھیوں کی مدد سے مار ڈالا -

واقعہ تو اس قدر ھے اب رھی یہ بات کہ اُن لوگوں نے خود مارا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک ایسا امر ھے جس کا قابل اطمینان تصفیہ نہیں ھو سکتا - مگر ھم تسلیم

۱- کامل صفحہ ۵۷ - زادالمعاد میں خود ابوسفیان کی نسبت درختوں کا جلانا اور انصاری کا قتل کرنا لکھا ھے -

۲- واقعہ بدر کے بعد یہ خود مکہ گیا اور قریش کو جنگ پر آمادہ کیا -

مقتولین بدر کے مرثیے لکھے اور قریش کو نہایت جوش دلایا - کامل - ۵۸ -

کرتے ہیں کہ آنحضرت کے حکم سے مارا اور اس بات کا تصفیہ کہ ایسی حالت میں کہ وہ دشمنوں سے سازش رکھتا تھا اور مدینہ پر حملہ کی ترغیب دیتا تھا اُس کا قتل کروا دینا بہ لحاظ اُن اصولوں کے جو انتظام جنگ اور دشمنوں کے جاسوسوں اور تھانگتوں سے علاقہ رکھتے ہیں واجب تھا یا نا واجب اُن لوگوں کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں جو اصول جنگ سے واقف ہیں ۔

غزوہ ذی امر ربیع الاول سن ۳ ہجری

امر ۔ رائے مشدد مفتوحہ سے ایک موضع کا نام ہے جو نواح نجد میں واقع ہے ۔

یہ صرف ایک سفر تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد اور غطفان کی طرف فرمایا تھا اس سفر میں نہ کسی سے مقابلہ ہوا نہ کسی سے لڑائی ہوئی ایک مہینہ تک اُس نواح میں آپ نے قیام کیا پھر واپس تشریف لے آئے ۔

غزوہ فرع من بحران جمادی الاول سن ۳ ہجری

فرع ۔ ایک گاؤں کا نام ہے ربذ پہاڑ کے پاس مدینہ سے آٹھ منزل مکہ کی طرف ۔

بحران ۔ ایک میدان ہے اسی کے پاس ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خاص قریش مکہ کا حال دریافت کرنے کو سفر کیا اور دو مہینہ تک اُس نواح میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ میں چلے آئے کوئی جھگڑا قضیہ کسی سے نہیں ہوا ۔

غزوہ قردہ ۔ جمادی الآخر سن ۳ ہجری

قردہ ۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد میں ہے ۔

قریش مکہ کی تجارت کا روکنا جن سے ہر وقت اندیشہ جنگ تھا ایک ضروری امر تھا اُنھوں نے قدیم رستہ تجارت کا چھوڑ

کر ایک نیا راستہ عراق میں ہوکر نکالنا چاھا اور ابوسفیان بن حرب قافلہ لےکر نکلا اور فرات بن حیان رستہ بتانے والا تھا - جب اُس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو زید ابن حارثہ کو اُن پر بھیجا اُس نے قافلہ کو لوٹ لیا اور فرات ابن حیان کو پکڑ لایا جو بعد اس کے مسلمان ہو گیا -

یہ تمام واقعات ایسے ہیں جو ایک جنگ جو دشمن کے مقابلہ میں ہر ایک قوم کو کرنے پڑتے ہیں ان واقعات سے اس بات پر استدلال نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑائیاں بہ زور مسلمان کرنے کے لیے تھیں -

غزوۂ احد شوال سن ۳ ھجری

احد - مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سرخ پہاڑ ھے اُس کا نام ھے -

ابوسفیان مکہ سے تین ھزار لڑنے والوں کے ساتھ لڑنے کو اور مدینہ پر حملہ کرنے کو روانہ ھوا جب کہ وہ لوگ عینین میں جو بطن سنجہ میں مدینہ کے مقابل ایک پہاڑ ھے پہنچے تو آنحضرت بھی مدینہ سے روانہ ھوئے اور احد کے پاس مقام کیا - نہایت سخت لڑائی ھوئی مسلمانوں کی فتح کامل ھونے کو تھی کہ لوگ لوٹنے میں مشغول ھوئے اور فتح کی شکست ھوگئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار دانت پتھر کے صدمہ سے ٹوٹ گئے مشہور ھو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ھو گئے اس پر بہت لوگ بھاگ نکلے جب معلوم ھوا کہ آنحضرت صحیح و سالم ھیں تب سب لوگ ایک محفوظ جگہ میں اکٹھے ھوگئے - دوسرے دن قریش مکہ نے وھاں سے کوچ کیا اور مکہ کو چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا کو دفن کیا اور مدینہ میں چلے آئے -

غزوۂ حمراء الاسد ۔ شوال سن ۳ هجری

حمراء الاسد ۔ ایک جگہ ہے مدینہ سے آٹھ میل پر ۔

احد سے واپس آنے کے دوسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی لوگوں کو ساتھ لے کر جو احد کی لڑائی میں شریک تھے مدینہ سے کوچ کیا اور حمراء الاسد میں پہنچ کر تین دن تک مقام کیا اور پھر واپس آ گئے ۔ غالباً یہ اس لیے تھا کہ لوگ یہ نہ خیال کریں کہ احد کے واقعہ کے سبب سے مسلمانوں میں اب کچھ قوت باقی نہیں رہی ۔

سریہ عبداللہ ابن انیس محرم سن ۳ هجری

عبداللہ بن انیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی کہ سفیان بن خالد ہذلی نے عربہ وادی عرفہ میں کچھ لوگ آنحضرت سے لڑنے کے لیے جمع کیے ہیں یہ سن کر وہ مدینہ سے غائب ہوگیا اور سفیان کے پاس پہنچا اس نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص ہوں میں نے سنا ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کو لوگ جمع کئے ہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہوا چاہتا ہوں اس نے کہا اچھا آو ۔ عبداللہ ابن انیس تھوڑی دور اس کے ساتھ چلے اور اس کو دھوکا دے کر مار ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر آنحضرت کے پاس لے آئے مگر کسی کتاب میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ آنحضرت نے اس کو ایسا کرنے کو کہا تھا ۔

سریہ قطن یا سریہ ابی سلمہ محرم سن ۳ هجری

قطن ۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جو قید کی طرف واقع ہے اور قید ایک پانی کا چشمہ ہے بنی عمرو بن کلاب کے متعلق ابی سلمہ ڈیڑھ سو آدمی لے کر جس میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے طلحہ اور سلمہ پسران خویلد کی تلاش میں نکلے اور قطن پہاڑ تک

تلاش کی مگر اُن میں سے کوئی دست یاب نہیں ہوا اور نہ کسی سے کچھ لڑائی ہوئی -

سریۃ الرجیع صفر سن ۳ ھجری

رجیع ایک چشمه کا نام ہے جو حجاز کے کنارہ پر قوم ھذیل سے متعلق ہے -

چند لوگ قوم عضل اور قوم قازی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگوں میں اسلام پھیل گیا ہے آپ کچھ لوگ مذہب کے مسائل سکھانے کو ساتھ کر دیجیے آپ نے چھ آدمی ساتھ کر دئے جب رجیع میں پہنچے تو اُنھوں نے دغا بازی کی اور چھوؤں آدمیوں کو تلواروں سے گھیر لیا - اخیر کو یہ کہا کہ اگر تم قریش مکہ کے قبضہ میں جانا قبول کرو تو ہم تم کو مارنے کے نہیں قریش نے ہمارے آدمی قید کر لیے ہیں اُن کے بدلے تم کو دے کر اپنے آدمی چھوڑا لاویں گے - اُن چھ میں سے مرثد ابن مرثد اور خالد بن البکر و عاصم بن ثابت نے نہ مانا اور نہایت بہادری سے وہیں لڑ کر شہید ہو گئے اخیر کو عاصم بھی لڑنے پر تیار ہوا اور لوگوں نے پتھروں سے مار کر اُن کو بھی شہید کیا باقی دو شخصوں کو مکہ میں لے جا قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا قریش نے اُن کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اُن کو شہید کیا -

سریہ بیر معونہ صفر سن ۳ ھجری

بیر معونہ - یہ ایک کنواں ہے درمیان بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے -

ابو براء عامر بن مالک اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر مذہب اسلام کو ناپسند بھی نہیں کرتا تھا اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ کچھ لوگ اسلام کا وعظ کرنے کو نجد کی طرف بھیجیں تو غالباً اُس طرف کے لوگ اسلام قبول کر لیں گے -

حضرت نے فرمایا کہ اہل نجد سے اندیشہ ہے ابو براء نے کہا کہ وہ ہماری حمایت میں ہیں ۔ آنحضرت نے چالیس شخص جو قرآن کے قاری تھے اور دن رات قرآن پڑھنا اُن کا کام تھا ساتھ کر دیے ۔ بیر معونہ پر یہ لوگ ٹھیرے اور حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط جو عامر بن طفیل نجد والے کے نام کا تھا بھیجا اُس نے عامر کو قتل کر ڈالا اور بہت بڑی جماعت سے بیر معونہ پر چڑھ آیا اور سب مسلمانوں کو گھیر کر مار ڈالا صرف ایک شخص مردوں میں پڑا ہوا بچ گیا ۔

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول سن ۳ ہجری

بنی نضیر یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے ۔

عمرو بن اُمیۃ الضمیری مدینہ کو آتا تھا رستہ میں دو شخص قبیلہ بنی عامر سے ملے جس قبیلہ سے کہ آنحضرت سے عہد تھا ۔ عمرو بن امیۃ نے اُن دونوں کو سوتے میں مار ڈالا ۔ جب آنحضرت کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں اُن دونوں کی دیت دوں گا ۔ آنحضرت نے اُن دونوں کی دیت کے لیے بنی نضیر سے بھی مدد چاہی کیوں کہ بنی نضیر اور آنحضرت کے درمیان میں بھی معاہدہ تھا اور بنی نضیر اور بنی عامر آپس میں حلیف تھے ۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نضیر میں دیت کے پورا کرنے میں مدد کے مانگنے کو گئے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے ۔ بنی نضیر نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے وقت میں آنحضرت کو مار ڈالا جائے اور یہ تجویز کی کہ دیوار پر چڑھ کر ایک بڑا پتھر اُن پر ڈال دیا جائے اور عمرو بن حجاش اس کام کے لیے مقرر ہوا ۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ میں چلے آئے ۔ جب کہ یہ دغا بازی بنی نضیر کی محقق ہوگئی تو آنحضرت نے اُن پر چڑھائی

کی وہ قلعہ بند ہو گئے اور آنحضرت نے اُن کا محاصرہ کر لیا اور یہ بات ٹھیری کہ وہ لوگ مدینہ سے چلے جائیں اور اُن کے اونٹ سوائے ہتھیاروں کے جس قدر مال و اسباب اُٹھا سکیں لے جاویں - چناں چہ اُنھوں چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اور اپنے مکانوں کو خود توڑ دیا اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے -

غزوہ بدر موعودہ یا بدر الاخری ذیقعدہ سن ۳ ھجری

ابو سفیان نے وعدہ کیا تھا کہ میں تم سے پھر لڑوں گا اُس وعدہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے کوچ کیا اور بدر میں پہنچ کر مقام فرمایا - ابو سفیان بھی مکہ سے نکل کر ظہران یا عسفان تک آیا مگر آگے نہیں بڑھا اور کہا کہ یہ سال قحط کا ھے اس میں لڑنا مناسب نہیں اور سب لوگوں کو لے مکہ کو واپس چلا گیا -

غزوہ ذات الرقاع محرم سن ۴ ھجری

ذات الرقاع - اس غزوہ کا یا تو اس لیے نام ھوا کہ مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں میں جو پھٹ گئے تھے پیوند لگائے تھے اور بعض کا قول ھے کہ جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھیرا تھا وھاں ایک درخت تھا جس کا نام ذات الرقاع تھا -

بنی محارب اور بنی ثعلبہ نے جو قبیلہ غطفان سے تھے لڑائی کے لیے کچھ لوگ جمع کئے تھے اُن کے مقابلہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا تھا - جب آپ غطفان میں پہنچے تو ایک بہت بڑا گروہ دشمنوں کا نظر آیا - دونوں طرف کے لوگ لڑنے کے ارادہ سے آگے بڑھے مگر لڑائی نہیں ھوئی اور ھر ایک گروہ واپس چلا گیا -

غزوہ دومتہ الجندل ربیع الاول سن ۴ ھجری

دومتہ الجندل - ایک قلعہ کا نام ھے جو مدینہ اور دمشق کے

بیچ میں ہے اور اُس کے قریب ایک پانی کا چشمہ ہے۔

اس بات کا خیال ہونے پر کہ یہاں کے لوگوں نے بھی لڑائی کے لیے کچھ لوگ جمع کیے ہیں اس طرف کوچ کیا مگر اثنائے راہ میں سے واپس تشریف لے آئے۔ غالباً اس لیے کہ اُس خیال کی صحت نہ پائی گئی ہوگی۔

غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ مریسیع شعبان سن ۵ ہجری

بنی المصطلق۔ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

مریسیع۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو قدید کی طرف واقع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار نے لڑائی کے ارادہ پر لوگوں کو جمع کیا ہے۔ آنحضرت نے اُن کے مقابلہ کے لیے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور لڑائی ہوئی اور بنی المصطلق کو شکست ہوئی اور اُن کی عورتیں اور بچے سب قید ہو گئے۔ اُس وقت تک یہ آیت حریت ”فاما منا بعد و اما فداء“ نازل نہیں ہوئی تھی۔

غزوہ خندق ذیقعدہ سن ۵ ہجری

بنی نضیر کے یہودی جو جلا وطن کیے گئے تھے اُن میں سے چند سردار اور بنی وائل کے چند سردار مکہ میں قریش کے پاس گئے اُن کو مدینہ پر حملہ کرنے کو آمادہ کیا اور روپیہ اور سامان اور ہر طرح سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ قریش مکہ اس پر راضی ہوئے اور ابو سفیان کو سردار قرار دیا اور لوگوں کو جمع کیا اور قبیلہ غطفان میں پہنچے اور اُس قبیلہ میں سے بھی لوگ ساتھ ہوئے اور دس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کو روانہ ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سن کر مدینہ سے

باہر جا کر لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر مورچہ بندی کی یہود بنی قریظہ جن سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کا معاہدہ تھا اُنھوں نے بھی اپنا معاہدہ توڑ دیا اور دشمنوں سے مل گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پاس لوگوں کو بھیجا اور معاہدہ یاد دلایا مگر علانیہ مخالفت کی ۔

اس واقعہ سے اور بنی قریظہ کے دشمنوں کے مل جانے سے مدینہ والوں پر نہایت سخت وقت تھا اور ایک شخص کے بچنے کی بھی توقع نہ تھی غرض کہ یہ تمام لشکر مدینہ پر آپہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا ۔ ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور لڑائیاں ہوتی رہیں محصور مسلمان بھی خوب دل توڑ کر دشمنوں کے حملہ کو دفع کرتے تھے آخرکار دشمن غالب نہ آسکا اور محاصرہ اُٹھا کر نہایت ناکامی کے ساتھ واپس چلا گیا ۔

غزوہ عبد اللہ ابن عتیک ذیقعدہ سن ۵ ھجری

جس زمانہ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کو تمام قومیں جمع ہو رہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے اُسی زمانہ میں رافع بن عبد اللہ جس کو سلام ابن ابی الحقیق کہتے تھے ایک سردار یہودی تھا وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے قوموں کے جمع کرنے میں بہت کوشش کر رہا تھا ۔ عبد اللہ ابن عتیک اور عبد اللہ بن انیس اور ابو قتادہ اور اسود بن خزاعی اور مسعود بن سناد خیبر کو گئے جہاں وہ رہتا تھا اور کسی طرح رات کو اُس کی خواب گاہ میں چلے گئے اور اُس کو مار ڈالا ۔

مواہب لدنیہ میں لکھا ھے کہ پیغمبر خدا نے اُن کو اُس یہودی سردار کے قتل کو بھیجا تھا ۔ شاید ایسا ھوا ھو مگر ھم اس لیے شبہ میں ھیں کہ ایشیائی مؤرخوں کی عادت ھے کہ خواہ نخواہ ھر چیز

کو پیغمبر سے منسوب کر دیتے ہیں - علاوہ اس کے یہ قصہ ایسی عجیب باتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ وہی باتیں اس کے سچ ہونے پر شبہ ڈالتی ہیں - نہایت شبہ ہے کہ یہ واقعہ ہوا بھی یا نہیں مگر ہم کو مناسب ہے کہ جو طرف ضعیف ہے اسی کو اختیار کریں - پس تسلیم کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ گئے اور انھوں نے اس یہودی کو جو قوموں کو مدینہ پر حملہ کرنے کو جمع کر رہا تھا مار ڈالا - مگر اس واقعہ سے ہمارے اس دعویٰ میں کہ تلوار کے زور سے اسلام قبلوانا ان لڑائیوں سے مقصود نہ تھا کچھ خلل واقع نہیں ہوتا -

غزوہ بنی قریظہ ذیحجہ سن ۵ ھجری

بنی قریظہ - ایک قبیلہ یہود کا تھا جو مدینہ میں رہتا تھا -

وھم یھود بنی قریظة عاھد ھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یمالئوا علیہ فاعانوا المشرکین با لسلاح (یوم بدر) و قالوا انسینا ثم عاھدھم فنکثوا و مالئوھم علیہ یوم الخندق - (بیضاوی و کبیر)

ان سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا معاہدہ تھا - مگر جب بدر کی لڑائی ہوئی تو بنی قریظہ نے معاہدہ توڑا اور دشمنوں کو ہتیار دینے سے مدد کی - جب ان سے مواخذہ ہوا تو کہا ہم بھول گئے اور ہم سے خطا ہوئی معاف کیجیے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان سے معاہدہ کیا - اس کو بھی انھوں نے توڑ دیا اور خندق کی لڑائی میں دشمنوں سے جا ملے - دشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا تھا اور مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی اور بنی قریظہ مدینہ میں رہتے تھے پس خاص شہر کے رہنے والوں کا محاصرہ کی حالت میں ہونا سخت واقعہ تھا کہ ایک مسلمان کو بھی زندہ

بچنے کی توقع نہ رہی ہوگی -

جب دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ آٹھا لیا اور واپس چلے گئے اُس وقت آنحضرت صلعم نے بنی قریظہ کو آن کی بغاوت اور عہد شکنی کی سزا دینی چاہی اور بنی قریظہ جہاں رہتے تھے آن کا محاصرہ کر لیا - پچیس دن تک محاصرہ رہا اسی درمیان میں آنھوں نے کعب ابن اسد سے جو آن کا سردار تھا صلاح کی کہ کیا کرنا چاھئے آس نے صلاح دی کہ تین کاموں میں سے ایک اختیار کرو- یا ہم سب اسلام قبول کر لیں - یا خود اپنی آل اولاد اور عورتوں کو قتل کرکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑ کر مر جاویں - یا آج ھی کہ سبت کا دن ھے آن پر حملہ کر دیں کیوں کہ وہ آج کے دن غافل ہوں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ سبت کے دن یہودی نہیں لڑنے کے مگر وہ ان تینوں باتوں میں سے کسی پر راضی نہ ہوئے -

اب وہ صلح کی طرف متوجہ ہوئے آس کا یہ جواب تھا کہ بلا کسی شرط کے وہ اپنے تئیں سپرد کریں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں گے وہ آن کی نسبت حکم دیں گے - تب آنھوں نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کے لیے ابولبانہ کو جو آس قوم سے تھا جو بنی قریظہ کے حلیف تھے - ہمارے پاس بھیج دیا جاوے وہ گئے اور تمام لوگوں نے آن سے پوچھا کہ ہم پیغمبر کے حکم پر اپنے تئیں سپرد کر دینا قبول کر لیں یا نہیں آنھوں نے جواب دیا کہ ہاں مگر اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا جس سے یہ اشارہ تھا کہ سب قتل کیے جاویں گے - تب آنھوں نے جیسا کہ تفسیر کشاف میں لکھا ہے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کرنے سے کہ

فحاصرهم خمساً و عشرين ليلة حتى جهدهم الحصار فقال لهم رسول الله تنزلون على حكمي فابوا

آنحضرت جو چاهیں گے آن کی نسبت حکم دیں گے انکار کیا ۔

فقال علی حکم سعد بن معاذ فرضوابه ۔

(تفسیر کشاف صفحه ۱۱۲۷)

ابو لبانه خوب جانتے تھے که بنی قریظه دو دفعه اپنا عہد توڑ چکے تھے آن کا کوئی معاهده آئنده کے لیے کریں قابل اعتبار نه هوگا اور اگر وه اسلام قبول کرنے پر راضی هوں تو بھی پر یقین نہیں هوگا اور وه منافق سمجھے جاویں گے جن کی نسبت جب وه علانیه کوئی دشمنی کر چکے هوں وهی حکم هے جو آن لوگوں کی نسبت هے جو علانیه کافر هیں ۔ علاوه اس کے ابولبانه کو معلوم تھا که وه بغاوت کی سزا کے مستحق هیں اگر آن کی جگه کوئی مسلمان قوم هوتی تو وه بھی بغاوت کی سزا سے بچ نہیں سکتی تھی ۔ اسی سبب سے آنھوں نے اشاره کیا تھا که سب قتل کیے جاویں گے ۔

اس پر بنی اوس جو بنی قریظه کے حلیف تھے درمیان میں پڑے اور آنحضرت صلی الله علیه وسلم سے کہا که جس طرح آپ نے یہود بنی قینقاع سے جو بنی خزرج کے حلیف تھے معامله کیا وهی ان کے ساتھ بھی کیجیے آس پر آنحضرت نے کہا که کیا تم اس بات پر راضی نہیں هو که تمھاری قوم میں کا ایک شخص یعنی سعد ابن معاذ جو حکم دے دے وه منظور کیا جائے ۔ بنی اوس اور بنی قریظه دونوں اس پر راضی هو گئے اور بنو قریضه نے اپنے تئیں سپرد کر دیا ۔

بعض کتابوں میں لکھا هے که بنی قریظه نے اول اپنے تئیں اسی بات پر سپرد کر دیا که پیغمبر خدا صلی الله علیه وسلم آن کی نسبت جو چاهیں حکم دیں اور بعد کو سعد ابن معاذ حاکم قرار

قال لما نزلت بنو قریظة علی حکم سعد ابن

معاذ بعث رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم و کان قریبا منہ
فجاء الی حماء فلما دنا
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قوموا الی سید کم فجاء
فجلس الے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقال لہ ان ھولاء
نزلوا علی حکمک قال فاتی
احکم ان تقتل المقاتلۃ و ان
نسبی الذریۃ قال لقد حکمت
فیھم بحکم الملک۔

(بخاری)

نزل اھل قریظۃ علی
حکم سعد بن معاذ فارسل
النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی
سعد فاتی علی حمار فلما دنا
من المسجد قال للانصار
قوموا الی سید کم او قال
خیر کم ھولاء قریظۃ علی
حکمک فقال تقتل منھم
مقاتلتھم و تسبی ذراریھم
قال قصیت بحکم اللہ او قال
بحکم الملک۔

(بخاری)

قال ابن ھشام حدثنی

دیے گئے تھے مگر یہ قول
صحیح نہیں ھے۔ بخاری میں جو
سب سے زیادہ معتبر کتاب ھے
ابن سعد خدری سے دو روایتیں
منقول ھیں اور اُن میں اور
ھشامی میں صاف بیان ھوا ھے
کہ بنی قریظہ نے اس بات پر
اپنے تئیں سپرد کیا تھا کہ سعد
ابن معاذ جو اُن کی نسبت حکم
دیں کیا جاوے۔

غرضیکہ سعد ابن معاذ
بلائے گئے اور اُنھوں نے یہ
حکم دیا کہ لڑنے والوں کو
قتل کر دیا جائے اور اُن کی
عورتیں اور بچے قید کر لیے جاویں
اور اُن کا مال تقسیم کر دیا جائے
مگر بخاری کی حدیث میں عورتوں
اور مال کی تقسیم کا کچھ ذکر
نہیں ھے۔ بہر حال اس حکم کی
تعمیل ھوئی تمام عورتیں اور
بچے اور لڑکے جن کی ڈاڑھی
مونچھ نہیں نکلی تھی قتل سے
محفوظ رھے اور تمام مرد بجز تین

من اثق به من اهل العلم ان علیا بن ابی طالب صاح و هم محاصر و بنی قریظة یا کتیبة الایمان و نقدم هو الزبیر و قال والله لا ذوقن ما ذاق حمزة اولا فتحن حصنہم فقالوا یا محمد ننزل علی حکم سعد - (ہشامی صفحہ ۶۸۹)

شخصوں کے جن کی نسبت ثابت ہوا تھا کہ اس بغاوت میں شریک نہ تھے قتل کیے گئے - ایک عورت جس کا نام بنانہ تھا اور جس نے خلاد بن سوید بن الصامت کو مار ڈالا تھا بطور قصاص ماری گئی[1] جو عورتیں اور بچے قتل سے بچے تھے وہ لونڈی غلام بنا لیے گئے اور تمام جائداد بنی قریظہ کی ضبط ہو کر تقسیم کی گئی مگر یہ یاد رہے کہ اُس وقت تک آیت حریت جس میں اُن لوگوں کے قتل کا جو لڑائی میں قید ہو جاویں اور اُن کے لونڈی اور غلام بنانے کا امتناع ہے نازل نہیں ہوئی تھی - معہذا اُن لوگوں کو بطور قیدیان جنگ سزا نہیں دی گئی تھی بلکہ باغیوں کے لیے جو سزا ہونی چاہیے وہ دی گئی تھی-

مقتولین کی تعداد میں نہایت مبالغہ معلوم ہوتا ہے - بعضوں نے کہا ہے کہ چار سو تھے اور بعضوں نے کہا چھ سو اور بعضوں نے کہا سات سو اور بعضوں نے کہا آٹھ سو اور بعضوں نے کہا نو سو - مگر بہ لحاظ اُس آبادی کے جو اُس زمانہ میں مدینہ میں تھی یقین نہیں ہو سکتا کہ چار سو آدمی بھی لڑنے والے بنی قریظہ کے محلہ میں ہوں -

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ واقعہ نہایت خوف ناک تھا - مگر کون سا زمانہ ہے اور کون سی قوم ہے جس کے ہاتھ

۱- ابن خلدون صفحہ ۳۲- مگر کامل میں ایک اور عورت کا قتل ہونا لکھا ہے جس کا نام ارفہ بنت عارضہ تھا -

سے باغیوں کی نسبت اس سے بھی سخت سزائیں نہ دی گئی ہوں ۔ جن لوگوں نے بغاوت کی تاریخیں پڑھی ہیں یا اپنی آنکھوں سے اس انیسویں صدی عیسوی میں بھی جو سولیزیشن کا زمانہ کہلاتا ہے یا اس سے تھوڑے زمانہ پہلے بغاوت کے واقعات دیکھے ہیں اُن کی آنکھوں میں کئی سو آدمیوں کا بجرم بغاوت قتل ہونا کوئی بڑا واقعہ معلوم نہ ہوگا ۔ رہی یہ بات کہ اس قسم کی لڑائیوں اور ایسی خون ریزی کو حضرت موسیٰ نے اپنے زمانہ میں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں کیوں جائز رکھا ۔ اور مثل حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کیوں نہ اپنی جان دی اُس کی نسبت ہم اخیر کو بحث کریں گے ۔ اس مقام پر ہم کو صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ اس بنا پر نہ تھیں کہ لوگوں کو بجبر اور ہتھیار کے زور سے مسلمان بنایا جاوے سو اس عظیم واقعہ سے بھی جو بنی قریظہ کے قتل کا واقعہ ہے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف بزور شمشیر امن کا قائم رکھنا مقصود تھا نہ کسی کو بجبر مسلمان کرنا ۔

سریہ قریظاء یا محمد بن مسلمہ محرم سن ٦ ھجری

قریظاء ۔ ایک قبیلہ ہے بنی بکر بن کلاب میں کا ۔

یہ لوگ ضربہ کی طرف رہتے تھے جو مدینہ سے سات منزل ہے اور عمرہ کے لیے مکہ جانے کو نکلے تھے جیسا کہ اُن کے سردار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا اُن کا ارادہ عمرہ ادا کرنے کا تھا ۔ غالباً اُن کے نکلنے سے شبہ ہوا ہوگا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو تیس سوار دے کر اُس طرف روانہ کیا مگر وہ لوگ اُن سواروں کو کو دیکھ کر بھاگ گئے ۔ مگر اُن میں سے ثمامہ بن اثال پکڑا گیا ۔

جب محمد بن مسلمہ مدینہ میں میں آئے تو اُس کو بھی لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا ۔ مگر آنحضرت کے حکم سے اُس کو چھوڑ دیا گیا اور بعد کو وہ مسلمان بھی ہو گیا ۔

غزوہ بنی لحیان ربیع الاول سن ۶ ھجری

غزوہ رجیع میں ذکر ہو چکا ہے کہ رجیع کے مقام پر لوگوں نے دغا بازی سے مسلمانوں کو مار ڈالا تھا اُس کا بدلا لینے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا اور مختلف رستہ اختیار کیا ۔ تاکہ بنی لحیان یہ نہ سمجھیں کہ اُن پر چڑھائی ہوتی ہے ۔ مگر جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُن کو خبر پہنچ گئی تھی اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے ۔ دو سو سوار آپ کے ساتھ تھے آپ نے معہ سواروں کے غسفان پر مقام کیا اور پھر واپس تشرف لے آئے ۔

غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ ربیع الآخر سن ۶ ھجری

غابہ ایک گاؤں ہے مدینہ کے پاس شام کی طرف ۔

عیینہ بن حصن الفراری نے بنی غطفان کے سوار لے کر مقام غابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُونٹوں کو لوٹ لیا اور وہاں ایک آدمی بنی غفار میں کا معہ اپنی جورو کے تھا اُس کو مار ڈالا اور اُس کی جورو اور اونٹوں کو لے گئے ۔ سلمہ بن عمرو بن الاکوع نے اُن کا تعاقب کیا اور اُونٹوں کو چھین لیا ۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو لوگ آنحضرت کے پاس جمع ہوگئے تاکہ اُن کو سزا دیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زید کو سردار کرکے اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا ۔ کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی اور چند آدمی مارے گئے ۔ اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے ۔ سعد ابن زید کے روانہ ہونے کے بعد آنحضرت خود بھی روانہ ہوئے اور ذی قرد تک جو ایک چشمہ کا نام ہے پہنچے اور پھر سب لوگ واپس چلے آئے ۔

سریہ عکاشہ ربیع الآخر سن ٦ ھجری

غمر مرزوق - ایک چشمہ پانی کا ہے بنی اسد میں قید سے دو منزل -

عکاشہ ابن محصن الاسدی چالیس آدمیوں کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے - اس طرف اعراب یعنی گنوار و عرب رہتے تھے - غالباً اُنھی کی تنبیہ و تادیب کو گئے ہوں گے وہ لوگ بھاگ گئے اور عکاشہ اُن کے دو سو اونٹ پکڑ لائے -

سریہ ذی القصہ یا سریہ بنی ثعلبہ ربیع الآخر سن ٦ ھجری

ذی القصہ - ایک گاؤں ہے مدینہ سے چوبیس میل -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمی بنی ثعلبہ کے پاس روانہ کیے تھے اور محمد بن مسلمہ اُن کے سردار تھے یہ لوگ ذی القصہ میں رات کو رہے مگر رات کو وہاں کے سو آدمیوں نے اُن کو گھیر کے تیروں سے مار کر مار ڈالا صرف محمد بن مسلمہ بچے مگر زخمی ہوئے صبح کو ایک شخص اُنھیں اُٹھا کر مدینہ میں لے آیا -

سریہ ذی القصہ ربیع الآخر سن ٦ ھجری

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراح کو چالیس آدمی دے کر اُن لوگوں کو سزا دینے کے لیے بھیجا مگر وہ سب پہاڑوں میں بھاگ گئے اُن کا گلا سڑا اسباب جو رہ گیا تھا اُس کو ابو عبیدہ لوٹ لائے -

سریہ جموم ربیع الآخر سال ششم

جموم - ایک مقام ہے بطن نخل میں مدینہ سے چار میل -

زید ابن حارث بطور گشت کے اُس طرف گئے - قوم مذینہ کی ایک عورت نے جس کا نام حلیمہ تھا بنو سلیم کی کچھ مخبری کی

جس پر زید نے اُس محلہ کو گھیر لیا اُن کے اونٹ چھین لیے اور چند کو قید کر لیا جن میں حلیمہ کا شوہر بھی تھا ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے شوہر کو چھوڑ دیا ۔

سریہ عیص جمادی الاول سال ششم

عیص ۔ ایک موضع ہے مدینہ سے چار میل پر ۔

قریش مکہ کا ایک قافلہ جس میں تجارت وغیرہ کا سامان تھا شام سے آتا تھا آنحضرت صلعم نے زید ابن حارثہ کو بھیجا کہ قریش مکہ تک اُس سامان کو نہ جانے دے ۔ زید گئے اور اُنھوں نے قافلہ کا مال و اسباب چھین لیا اور چند آدمی قید کر لئے ۔

سریہ طرف جمادی الآخر سال ششم

طرف ۔ ایک چشمہ کا نام ہے مدینہ سے چھتیس میل ۔

زید بن حارثہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ بطور گشت کے بنو ثعلبہ کی طرف گئے جو اعراب میں سے تھے مگر وہ لوگ بھاگ گئے اور اپنے اونٹ بھی چھوڑ گئے جن کو زید لے کر چلے آئے ۔

سریہ جسمی جمادی الآخر سال ششم

حسمی ۔ وادی القریٰ سے دو منزل و رے ہے اور وادی القریٰ مدینہ سے چھ منزل ہے ۔

وحیہ بن خلیفۃ الکلبی شام سے واپس آتے تھے ۔ جب ارض جذام میں پہنچے تو ھنید بن عوص اور اُس کے بیٹے نے اُن کو لوٹ لیا ۔ دحیہ نے مدینہ میں آ کر یہ حال بیان کیا اس درمیان میں بنو نصیب نے جو رفاعہ کی قوم سے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے ھنید پر حملہ کیا اور مال و اسباب واپس کر لیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ کو اُن کی سزا دھی کو مقرر کیا ۔ وہ گئے اور لڑائی میں ھنید اور اُس کا بیٹا مارا گیا اُن کا اسباب لوٹ لیا گیا اور کچھ لوگ قید ہوئے ۔

معلوم هوتا هے که اس هنگامه میں بنی نصیب کا بھی کچھ اسباب لوٹا گیا اور اُن کے کچھ آدمی بھی قید ہو گئے - جب اُنھوں نے آنحضرت صلی الله علیه وسلم کے پاس آ کر یه حال بیان کیا تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو متعین کیا اُنھوں نے جا کر بنی نصیب کا سب مال و اسباب واپس دلا دیا اور قیدیوں کو چھڑوا دیا -

سریه وادی القریٰ رجب سال ششم

وادی القریٰ - ایک میدان هے مدینه اور شام کے درمیان میں وهاں بہت سی بستیاں هیں -

زید ابن حارثه کچھ آدمی لے کر بطور گشت کے اُس طرف گئے وهاں کے لوگوں سے لڑائی هوئی زید کے ساتھ کے آدمی جو مسلمان تھے مارے گئے اور زید بھی سخت زخمی هوئے -

سریه دومته الجندل شعبان سال ششم

دومته الجندل کے لوگ همیشه حمله کا موقع تکتے تھے چناں چه هجرت کے چوتھے سال میں بھی اُن کے حمله کا احتمال هوا تھا اور خود آنحضرت نے کوچ فرمایا تھا - انھی اسباب سے اس سال عبدالرحمٰن بن عوف کو سردار کر کے اُن لوگوں پر بھیجا اور کہا که کوئی دغا کی بات مت کرو اور خدا کی راہ میں لڑو اور کسی نا بالغ بچے کو مت مارو اور یه بھی فرمایا که اگر وه تیری اطاعت کر لیں تو اُن کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لے (وه لوگ عیسائی تھے اور اُن کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز تھا) -

عرب میں قوموں کو اپنا پورا پورا ساتھی یا حمایتی بنا لینے کے صرف دو طریق سب سے عمده تھے ایک حلیف هو جانا - دوسرا رشته مندی کر لینا - اسی پولٹیکل مصلحت سے آنحضرت نے عبدالرحمٰن کو وهاں کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لینے کی هدایت کی تھی اور یہی ایک بڑا سبب تھا که آنحضرت صلی الله علیه وسلم نے اپنی

اخیر عمر میں متعدد قبیلہ کی عورتوں کو اپنے ازواج مطہرات میں داخل کیا تھا باوجودیکہ عالم شباب میں بجز ایک بیوی کے کوئی اور نہ تھی۔

بہرحال عبدالرحمان بن عوف وہاں گئے تین دن قیام کیا اور اسلام کا وعظ کیا کئے اور مسلمان ہو جانے کی اُن کو ہدایت کی اصبح بن عمرو الکلبی جو وہاں کا سردار اور عیسائی تھا مسلمان ہو گیا اور اُس کے ساتھ اور بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے اُنھوں نے اطاعت اختیار کی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ عبدالرحمان نے وہاں کے سردار اصبح کی بیٹی سے شادی کر لی اور اُسی سے ابوسلمہ پیدا ہوئے۔

سریہ فدک شعبان سال ششم

فدک۔ ایک گاؤں ہے حجاز میں مدینہ سے دو منزل۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر لوگوں کو جمع کر رہے ہیں اور خیبر میں جو یہود جلا وطن کئے گئے تھے اُن کو مدد دینے کا ارادہ کر رہے ہیں آنحضرتؐ نے علی مرتضیٰ کو سو آدمی دیکر اُن پر روانہ کیا۔ علی مرتضےٰ نے اُن پر چھاپہ مارا اور اُن کے سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹ لائے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

سریہ زید ابن حارثہ یا سریہ ابی ام قرفہ رمضان سال ششم

زید ابن حارثہ مسلمانوں کا بہت سا مال لیے ہوئے تجارت کے لیے شام کی طرف جاتے تھے۔ جب وہ وادی القریٰ میں پہنچے تو قوم فرارہ نے جو بنی بدر کی ایک شاخ ہے اور جن کی سردار ام قرفہ تھی اور جس کا نام فاطمہ بنت ربیعہ بن زید الفراریہ تھا سب اسباب لوٹ لیا وہ مدینہ واپس چلے آئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر کی آپ نے زید ہی کو اُن کے سزا دینے کو متعین کیا زید

نے دفعۃً اُن پر چھاپہ مارا اور ام قرفہ اور اُس کی بیٹی کو پکڑ لیا - قیس ابن محسر نے جو زید کے لشکر میں تھے اُس ضعیف عورت ام قرفہ کو نہایت بری طرح سے مار ڈالا - اُس کا ایک پاؤں اونٹ سے اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھ کر اونٹوں کو مختلف سمت میں ھانکا کہ اُس کے دو ٹکڑے ھو گئے -

تاریخوں سے یہ بات قابل اطمینان نہیں معلوم ھوتی کہ ام قرفہ کے مار ڈالنے کے بعد اُس کے پاؤں اونٹوں سے باندھے تھے یا وہ زندہ تھی اور اونٹوں کے پاؤں سے باندھ کر اُس کو مارا تھا -

مورخین نے اس کا ذکر بھی فرو گذاشت کیا ھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بے رحم واقعہ کو اگر درحقیقت وہ ھوا تھا سن کر کیا فرمایا ضرور قیس ابن محسر پر نہایت درجہ پر خفگی فرمائی ھوگی کیوں کہ عموماً آپ کی یہ نصیحت تھی کہ عورتیں اور بچے نہ مارے جاویں -

معہذا اس سریہ کے متعلق ایسی مختلف روایتیں ھیں جن میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں ھو سکتا کامل ابن اثیر میں لکھا ھے کہ اس سریہ کے سردار حضرت ابوبکر تھے اور سلمۃ بن الاکوع لڑے تھے اور اُس میں ایک ضعیف عورت معہ اُس کی بیٹی کے پکڑے جانے کا ذکر ھے مگر اُس کے مارے جانے کا ذکر نہیں - اُس کا نہ مارا جانا زیادہ تر یقین کے قابل ھے کیوں کہ صحیح مسلم میں جو حدیث کی نہایت معتبر کتاب ھے اور بخاری کے برابر سمجھی جاتی ھے اُس عورت کا پکڑا جانا بیان ھوا ھے مگر مارے جانے کا ذکر نہیں ھے -

پھر ایک روایت میں ھے کہ اُس کی بیٹی حزن بن ابی وھب کو دے دی گئی اور اُس سے بن حزن پیدا ھوئے اور ایک روایت میں ھے کہ وہ لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی اور اُس

کو مکہ میں بھیج دیا اور اُس کے بدلے میں چند مسلمانوں کو جو قریش مکہ کے پاس قید تھے چھڑا لیا ۔

غزوہ ابن رواحہ شوال سال ششم

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق یہودی کے مرنے یا مارے جانے کے بعد جس کا ذکر ہم نے بہ تحت غزوہ عبد اللہ ابن عتیک کیا ھے آسیر ابن رزام یہودی یہودیوں کا سردار قرار پایا ۔ اُس نے غطفان کے یہودیوں کو اپنے ساتھ ملایا اور لڑائی کی طیاری کی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے عبداللہ ابن رواحہ کو معہ تین اور آدمیوں کے اس خبر کی تحقیق کرنے کو بھیجا ۔ جب عبداللہ واپس آئے تو آپ نے تیس آدمی اُن کے ساتھ کیے اور آسیر ابن رزام پاس روانہ کیا ۔ ظاہر معلوم ہوتا ھے کہ اُن کا بھیجنا کسی معاهدہ یا صلح یا اور کسی قسم کی گفتگو کے لیے تھا نہ لڑائی کے لیے کیوں کہ لڑائی کے لیے تیس آدمی نہیں بھیجے جا سکتے تھے ۔

عبداللہ ابن رواحہ نے اُس سے گفتگو کی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس آنے پر اس لالچ میں راضی ھوا کہ خیبر کی سرداری اُس کو مل جاوے وہ بھی تیس آدمی اپنے ساتھ لے کر چلا یہ سب اُونٹوں پر سوار ہو کر چلے یہودی آگے اور مسلمان اُن کے پیچھے بیٹھے ۔ جب قرقرہ میں پہنچے تو آسیر کے دل میں کچھ شبہ ھوا جیسا کہ زادالمعاد میں لکھا ھے اور اُس نے عبد اللہ کی تلوار پر ھاتھ ڈالا عبداللہ کو بھی شبہ ھوا اور وہ اُونٹ پر سے کود پڑے اور اُس کے پاؤں پر تلوار ماری ۔ آسیر بھی کود پڑا اور خاردار سونٹا عبداللہ کے منہ پر مارا وہ زخمی ھوئے اس ھنگامہ کو دیکھ کر ھر ایک مسلمان نے اپنے ساتھی پر حملہ کیا اور مار ڈالا ۔

سریہ عرنین شوال سال ششم

عرنہ ۔ مدینہ کے میدانوں میں سے ایک میدان میں ایک باغ تھا جس کا یہ نام ھے ۔

چند کسان عکل اور عرنہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ، نہایت مفلس اور تباہ حال اور بیمار تھے ، شاید استسقاء کی بیماری تھی ، جس کا علاج اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینا اور جہاں اونٹ بندھتے ہوں وہیں پڑے رہنا تھا ۔ انھوں نے جھوٹ بیان کیا کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں ہماری مدد کرو ۔ آنحضرت نے اپنی چند اونٹنیاں اور چرواہے ان کے ساتھ کر دئے ۔ مگر جب وہ حرم کے مقام پر پہنچے ، ان لوگوں نے جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان ہوا ہے ان چرواہوں کی آنکھیں پھوڑ دیں اور ان کو بری طرح پر مار ڈالا اور اونٹنیاں لے کر چل دئے ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی ان کے تعاقب میں لوگ بھیجے گئے ، جن کا سردار کرز بن جابر تھا ، وہ پکڑے گئے ۔ ان کی بھی آنکھیں پھوڑی گئیں اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر ڈال دیے گئے کہ وہ مر گئے ۔ بخاری میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے مثلہ کرنے سے منع کیا[1] ۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے چرواہوں کو مارا تھا اسی طرح وہ کس کے حکم سے مارے گئے ۔ مگر اس بات کی بہت سی دلیلیں ہیں کہ ابتدائی زمانۂ اسلام میں جن امور کی نسبت کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو اکثر یہودی شریعت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا ، اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں ۔ توریت میں لکھا ہے کہ ”واگر اذیت دیگر رسیدہ باشد آن گاہ جان عوض جان باید دادہ شود ، چشم بعوض چشم ، دندان بعوض دندان ، دست بعوض دست ، پا بعوض پا ، سوختن بعوض سوختن ،

---

۱ - بہت سے لوگ قایل ہیں کہ رسول اللہ کا یہ فعل قرآن کی رو سے منسوخ ہوا ۔ مگر امام شافعی ایک دوسری حدیث سے منسوخ ہونا ثابت کرتے ہیں دیکھو تفسیر کبیر اس آیت کے متعلق ”انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ“ ۔

زخم بعوض زخم لطمہ بعوض لطمہ'' (سفر خروج باب ۲۱ آیت ۲۳ و ۲۴ ، ۲۵) غالباً اسی خیال سے اُن لوگوں نے بطور قصاص کے اُن کو اسی طرح مارا جس طرح کہ اُن لوگوں نے چرواھوں کو مارا تھا -

سریہ عمرو بن امیہ شوال سال ششم

ابو سفیان ابن حرب نے مکہ سے ایک آدمی مدینہ میں بھیجا کہ کسی بہانہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے - وہ معہ خنجر جو اُس کے پاس چھپا ہوا تھا پکڑا گیا - مگر آنحضرت نے اس شرط پر کہ سچ حال بتا دے اُس کو امن دیا - چناں چہ اس نے بتا دیا اور اُس کو چھوڑ دیا کہ وہ مکہ چلا گیا - مواھب لدنیہ میں لکھا ھے کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی سفیان کے قتل کے لیے عمرو بن امیہ اور سلمتہ بن اسلم کو متعین کر کے بھیجا - وہ مکہ میں پہنچے لیکن اُن کا وھاں جانا کھل گیا - لوگ اُن پر دوڑے مگر وہ وھاں سے بچ کر نکل آئے -

غزوہ حدیبیہ ذیقعدہ سال ششم

حدیبیہ - ایک گاؤں ھے اور اُس گاؤں میں اس نام کا ایک کنواں ھے اُسی کنوئیں کے نام سے وہ گاؤں مشہور ھو گیا ھے یہاں سے مکہ ایک منزل ھے -

اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جا کر حج و عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور کسی سے لڑنے کا مطلق ارادہ نہ تھا - قربانی کے لیے اُونٹ اپنے ھمراہ لیے تھے اور کل آدمی جو ساتھ تھے اُن کی تعداد ایک ھزار چار سو تھی - سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ کو اندیشہ ھوا اور مکہ میں آنے سے

روکا - دونوں طرف سے پیغام سلام ہوئے اور لوگ آ گئے - مگر قریش نے نہ مانا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو قریش مکہ کے پاس بھیجا - قریش اُن کی فہمائش پر بھی راضی نہ ہوئے بلکہ اُن کو بھی قید کر رکھا -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اس پر آنحضرت نے لڑنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں سے لڑنے پر اور مارنے مرنے پر بیعت لی - یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی اور بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل ہونے کی جو خبر مشہور ہوئی تھی وہ غلط تھی -

اس کے بعد قریش مکہ نے سہیل ابن عمرو کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا اور صلح اس بات پر منحصر تھی کہ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں عمرہ کرنے کو نہ آویں اور واپس چلے جاویں - بعد لمبی گفتگو کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی ہو گئے اور حضرت علی مرتضیٰ کو عہد نامہ لکھنے کو بلایا - جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا کہ لکھ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں جانتے صرف یہ لکھو "باسمک اللھم" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی لکھو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرمایا کہ لکھ "ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ" سہیل نے کہا کہ اگر ہم اس بات کو قبول کرتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ سے لڑتے ہی کیوں آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائے آنحضرت نے فرمایا کہ لکھ "ھذا ما صالح علیہ محمد بن عبداللہ" غرض کہ اس سال واپس چلے آنے کے علاوہ اس بات پر صلح ہوئی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے سب لوگ

امن میں رہیں اور لڑائی نہ ہو اور یہ بھی معاہدہ ہوا کہ اگر کوئی شخص قریش مکہ میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت کے پاس چلا آئے تو آپ اس کو قریش مکہ کے پاس بھیج دیں گے اور اگر آنحضرت کے ساتھی قریشیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں قریشیوں کے پاس چلا جاوے تو اس کو قریش مکہ واپس نہیں دینے کے - بہر حال دونوں طرف سے عہد نامہ کی تصدیق ہو گئی - آنحضرت نے اسی مقام پر قربانی کے اونٹ ذبح کیے اور ارادہ عمرہ کا موقوف کیا اور مدینہ کو واپس تشریف لے آئے -

غزوہ خیبر جمادی الآخر سال ہفتم

خیبر - ایک معروف و مشہور بہت بڑا شہر ہے اور اس میں متعدد قلعے نہایت مستحکم تھے - مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ہے -

اہل خیبر جن میں وہ تمام یہودی بھی جا ملے تھے جو مدینہ سے جلاوطن کیے گئے تھے ہمیشہ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور انھوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا حلیف کرلیا تھا اور اپنے مضبوط قلعوں پر نازاں تھے جب ان لوگوں کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کے مٹانے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے معہ لشکر کے خیبر کی طرف کوچ کیا - بنی اسد جن کا سردار طلیحہ بن خویلد اسدی تھا اور بنی غطفان جن کا سردار عینیہ بن حصن بن بدر فزاری تھا خیبر والوں کی مدد کو پہنچے خیبر والوں کے پاس دس[1] مستحکم قلعے تھے اور ان سب نے اپنے قلعوں کو بند کر لیا اور لڑائی پر مستعد ہو گئے - آنحضرت صلعم بھی معہ لشکر کے وہاں پہنچے اور ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی -

---

۱- حصن نطا ، حصن الصعبہ ، حصن ناعم ، حصن قلعہ البربر ، حصن الثق ، حصن ابی ، حصن البراء ، حصن القموص ، حصن الرطیح ، حصن السلالم یا حصن ابی الحقیق -

سب سے پہلے حصن ناعم فتح ہوا اور پھر بعض اور قلعے بھی فتح ہونے اس درمیان میں بنی اسد اور بنی غطفان خیبر والوں سے علیحدہ ہو گئے اور صرف اہل خیبر برابر لڑتے رہے اور سخت لڑائیاں ہوتی رہیں حصن الوطیح اور حصن السلالم نہایت مضبوط قلعے تھے جن کو حضرت علی مرتضیٰ نے فتح کیا - اُس وقت یہودیوں نے امن چاہا اور تین امر پر صلح ہوئی کہ تمام اہل خیبر کو اور اُن کے اہل و عیال کو جان کی امان دی جاوے دوسرے یہ کہ تمام اہل خیبر اپنا مال و اسباب بطور معاوضہ جنگ کے دے دیں لیکن اگر کوئی شخص اپنا مال چھپا رکھے تو اس سے یہ معاہدہ یعنی جان کے اور اہل و عیال کے امن کا قائم نہ رہے گا - تیسرے یہ کہ تمام زمینیں خیبر کی اُن کی ملکیت نہ رہیں گی مگر وہ لوگ اپنے گھروں میں آباد رہیں گے اور زمینوں پر بھی قابض رہیں گے اور اُن کی پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج کے دیا کریں گے اور کسی بد عہدی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوگا کہ اُن کو جلاوطن فرمائیں - صرف کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے مال کے دینے میں دغابازی کی اور نہایت بیش قیمت مال چھپا رکھا جو کہ بعد تلاش کے دستیاب ہوا وہ مارا گیا اور اُس کے اہل و عیال قید ہو گئے -

غزوہ وادی القریٰ جمادی الآخر سال ہفتم

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے مراجعت کی تو وادی القریٰ میں پہنچے اور وہاں چار دن ٹھیرے اور اہل تیما نے اسلام قبول نہیں کیا اور جزیہ دینے پر صلح کر لی -

سریہ تربہ شعبان سال ہفتم

تربہ - مکہ کے قریب دو منزل پر ایک جگہ ہے - حضرت عمر تیس آدمی لے کر اس طرف کو گئے مگر وہاں

کے لوگ بھاگ گئے کوئی نہیں ملا اور حضرت عمر واپس آ گئے ۔

سریہ حضرت ابو بکر شعبان سال ہفتم

اس سریہ میں حضرت ابوبکر کچھ آدمی لے کر بنی کلاب کی طرف گئے کچھ خفیف سی لڑائی ہوئ کچھ آدمی مرے کچھ قید ہو گئے ۔

سریہ بشیر ابن سعد شعبان سال ہفتم

اس سریہ میں بشیر ابن سعد بنی مرہ پر جو فدک میں رہتے تھے تیس آدمی لیکر گئے اور خفیف سی لڑائی کے بعد واپس آ گئے ۔

سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی رمضان سال ہفتم

یہ سریہ نجد کی طرف منفغہ پر جو مدینہ سے آٹھ منزل ہے بھیجا گیا تھا اور دو سو تیس آدمی لشکر میں تھے مگر وہاں بہت ہی خفیف سی لڑائی ہوئی اور پھر لوگ واپس آ گئے ۔

سریہ اسامہ بن زید رمضان سال ہفتم

یہ سریہ خربہ کی طرف بھیجا گیا تھا جو ضربہ کی طرف ہے ۔ یہاں کسی سے لڑائی نہیں ہوئی مگر ایک شخص اسامہ کو ملا جس پر انھوں نے تلوار کھینچی مگر اس نے کلمہ پڑھا اور کہا لا الہ الا اللہ مگر اسامہ نے اس کو مار ڈالا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اس بات پر نہایت خفگی ظاہر فرمائی ۔

سریہ بشیر بن سعد الانصاری شوال سال ہفتم

یہ سریہ یمن اور حیاب جس کو قزارہ اور عذرہ کہتے ہیں اور بنی غطفان سے علاقہ رکھتے ہیں جو خیبر والوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے تھے بھیجا گیا تھا مگر وہاں کے لوگ بھاگ گئے اور ان کا مال و اسباب ہاتھ آیا اور صرف دو آدمی قید کیے گئے ۔

بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لے

گئے اور عمرہ قضا ادا کیا ۔

سریہ ابن ابی العوجاء السلمی ذالحجہ سال ہفتم

یہ سریہ بنی سلیم کی طرف بھیجا گیا تھا وہاں سخت لڑائی ہوئی اور دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور سب لوگ مارے گئے اور ابن ابی العوجاء بھی زخمی ہوئے اور مردوں میں پڑے رہ گئے اور پھر اُن میں سے اُٹھا لائے گئے ۔

سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی صفر سال ہشتم

یہ سریہ بنی الملوح پر جو کدید میں رہتے تھے کیا گیا تھا ۔ وہاں کچھ لڑائی نہیں ہوئی مگر کچھ اسباب ہاتھ آیا ۔

اسی مہینے میں خالد بن الولید اور عثمان بن ابی طلحہ اور عمرو بن العاص مکہ سے مدینہ میں چلے آئے اور مسلمان ہو گئے ۔

سریہ غالب بن عبداللہ صفر سال ہشتم

یہ سریہ بھی فدک کی جانب بھیجا گیا تھا اُنہیں لوگوں پر جن پر بشیر بن سعد بھیجے گئے تھے اُن سے لڑائی ہوئی کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ اسباب لوٹ لیا گیا ۔

سریہ شجاع بن وہب الاسدی ربیع الاول سال ہشتم

یہ سریہ ذات عرق کی طرف بھیجا گیا تھا جو مدینہ سے پانچ منزل ہے اور جہاں ہوازن نے لوگ جمع کئے تھے ۔ وہاں کچھ لڑائی نہیں ہوئی مگر اُن کے اونٹ لوٹ لائے ۔

سریہ کعب ابن عمیر الغفاری ربیع الاول سال ہشتم

یہ سریہ ذات اطلع کی طرف بھیجا گیا تھا جو ذات القریٰ کے قریب ہے ۔ ذات اطلع میں نہایت کثرت سے لوگ لڑنے کے لئے جمع تھے نہایت سخت لڑائی ہوئی اور جو لوگ بھیجے گئے تھے وہ سب مار ڈالے گئے ۔ جب یہ خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو

پہنچی تو ایک بڑا لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا مگر معلوم ہوا کہ وہ لوگ اور سمت کو چلے گئے -

سریہ موتہ یا سریہ زید ابن حارثہ جمادی الاول سال ہشتم

موتہ - ایک قصبہ ہے شام کے علاقہ میں دمشق سے ورے -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدی کو ہرقل شہنشاہ روم کے نام ایک خط دیکر بصرے کو روانہ کیا تھا جب کہ وہ موتہ میں پہنچے تو شرحبیل بن عمرو الغسانی نے تعرض کیا اور آن کو مار ڈالا - اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار آدمیوں کا لشکر جس کے سردار زید بن حارثہ تھے موتہ پر روانہ کیا وھاں نہایت سخت لڑائی ہوئی اور زید ابن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ جن کے ھاتھ میں فوج کا نشان تھا یکے بعد دیگرے لڑ کر مارے گئے آس پر فوج کا نشان خالد بن ولید نے لیا اور نہایت سخت لڑائی کے بعد خالد نے فتح پائی - اس لڑائی میں تمام عیسائی قومیں جو آس نواح میں رہتی تھیں شامل تھیں اور ہرقل کی فوج بھی جو آس زمانہ میں روم یعنی قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور تمام صوبہ شام پر آس کی حکومت تھی اور آسی زمانہ میں فارس کو بھی فتح کر چکا تھا آن لوگوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھی -

سریہ عمرو بن العاص جمادی الآخر سال ہشتم

یہ سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے - سلسل ایک چشمہ کا نام تھا ذات القریٰ کے نزدیک مدینہ سے دس منزل پر -

بنی قضاعہ نے کچھ لوگ لڑنے کے لیے جمع کیے تھے - جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے عمرو بن العاص کو تین سو آدمی دے کر آس طرف روانہ کیا - جب وہ سلاسل کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے بہت کثرت

سے لوگ جمع کیے ہیں اس کی خبر آنحضرت کو بھیجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو بھی روانہ کیا اور دو سو آدمی اور بھیجے۔ مگر بنی قضاعہ آخر کار بھاگ گئے اور جمعیت متفرق ہو گئی۔

سریہ ابی عبیدہ ابن جراح رجب سال ہشتم

اس سریہ کا نام سریہ خبط بھی ہے۔ کیوں کہ اس میں بہ سبب نہ رہنے رسد کے خبط کو جو غالباً کسی درخت کا پھل ہے پانی میں بھگو کر کھایا تھا۔ اسی سریہ میں لوگوں کو دریا کے کنارہ سے ایک بڑی مچھلی ہاتھ آ گئی تھی جس کو لوگوں نے کئی دن تک کھایا تھا۔ بخاری ۔ اس غزوہ کا نام سیف البحر بیان کیا ہے مگر تمام تاریخوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیف البحر جو سال اول میں ہوا تھا وہ علیحدہ سریہ ہے اور یہ علیحدہ سریہ ہے۔

اس سریہ میں تین سو آدمی تھے اور دریا کے کنارہ پر چند روز ٹھیرے رہے کسی سے کچھ لڑائی نہیں ہوئی اور سب لوگ واپس آ گئے۔

سریہ ابی قتادۃ الانصاری شعبان سال ہشتم

اس سریہ میں صرف پندرہ آدمی تھے اور بمقام خضرہ جو نجد میں ہے بنی غطفان کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا کچھ لڑائی ہوئی اور کچھ لوگ قید کر لیے گئے اور دو سو اونٹ اور ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

سریہ ابی قتادہ رمضان سال ہشتم

اس سریہ میں صرف آٹھ آدمی تھے اور یہ اضم کی طرف بھیجا گیا تھا جو ایک چشمہ ہے درمیان مکہ اور یمامہ کے اور مدینہ سے تین منزل ہے۔

یہ سریہ صرف اس لیے بھیجا گیا تھا کہ قریش مکہ کی کچھ خبر ملے اور نیز مکہ والے خیال کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف تشریف لے جاویں گے حالاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قریش پر حملہ کرنے کا تھا - ان آٹھ آدمیوں میں محلم بن جسامہ بھی تھا اس سے ایک شخص نے آن کر مسلمانوں کی طرح سلام علیک کی اس نے) اس کو مار ڈالا - اس پر خدا تعالیٰ کی خفگی ہوئی اور حکم ہوا جو کوئی مسلمانوں کی طرح سلام علیک کرے اس کو کافر نہ سمجھو - بعض کتابوں میں اس سریہ کو ابن ابی حدور کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے -

غزوہ فتح مکہ رمضان سال ہشتم

حدیبیہ میں جو قریش مکہ سے صلح ہوئی تھی اور یہ بات ٹھہری تھی کہ دس برس تک آپس میں لڑائی نہ ہو اور امن رہے اس وقت یہ بھی معاہدہ ہوا تھا کہ جو قومیں چاہیں اس معاہدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو جائیں اور جو قومیں چاہیں قریش کے معاہدہ میں داخل ہو جائیں - بنو خزاعہ جو مسلمان ہو گئے تھے یا اسلام کی طرف راغب تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوئے اور بنوبکر قریش کے معاہدہ میں داخل ہوئے - اسلام سے پہلے ان دونوں قوموں میں نہایت عداوت اور جنگ و جدل تھی مگر شروع زمانہ اسلام میں وہ جنگ و جدل موقوف ہو چکی تھی -

اس معاہدہ کے بعد بنوبکر نے اور ان کے ساتھ قریش نے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور نوفل بن معاویۃ الدیلمی ایک جماعت لے کر نکلا اور بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور کچھ آدمی مارے گئے اور باہم لڑائیاں ہوتی رہیں - قریش مکہ نے علانیہ بنوبکر کو ہتھیاروں

کے بھیجنے سے مدد کی اور قریش کے لوگ بھی خفیہ جا کر لڑائی میں شریک ہوئے - منجملہ اُن کے صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص بھی تھا بنو خزاعہ نہایت عاجز ہو گئے اور اُنھوں نے حرم کعبہ میں پناہ لی اور نوفل نے وہاں بھی اُن کا تعاقب کرنا چاہا - بنوبکر کے قبیلہ کے لوگوں نے نوفل سے کہا کہ اللہ کے حرم کا پاس کرنا ضرور ہے - نوفل نے کہا کہ آج کے دن خدا کوئی چیز نہیں ہے ہم کو اپنا بدلہ لینا چاہیے بنو خزاعہ نے لاچار بدیل بن ورقاء کی پناہ لی اور ایک شخص عمرو بن سالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عہد کے توڑنے کے حالات بیان کیے اور بنی خزاعہ کی امداد کا خواہاں ہوا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے جمع کرنے کا حکم دیا اور قریش سے لڑنے اور اُن کو اُن کی عہد شکنی کی سزا دینے کو آمادہ ہوئے - یہ خبر سن کر ابوسفیان مدینہ میں آیا اور یہ بات چاہی کہ اُس عہد شکنی سے در گذر کی جائے اور پھر نیا عہد نامہ کیا جائے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش نے بنو خزاعہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا تھا اور اُن پر بے انتہا زیادتی کی تھی پس ممکن نہیں تھا کہ اُس ظلم سے در گذر کی جاتی اور اُس کی سزا نہ دی جاتی اور تمام خون ریزی سے جو بنی خزاعہ نے کی تھی در گذر کر کے نیا عہد نامہ کیا جاتا -

تاریخوں میں لکھا ہے کہ ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ قریش مکہ پر ضرور لشکر کشی ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھ کر وہ حیران ہو گیا تو اُس کو یقین ہوا کہ قریش مارے جاویں گے اور مکہ فتح ہو جاوے گا غالباً اسی خوف سے اُس نے اپنا مسلمان ہو جانا بھی ظاہر کیا اور شاید دل میں

بھی باتیں سننے سے اور حضرت عباس کی نصیحت سے کچھ کچا پکا مسلمان ہو بھی گیا ہو مگر جب وہ مکہ کو واپس جانے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے کہہ دیا کہ لڑائی کے زمانہ میں جو شخص تیرے گھر میں پناہ لے گا اُس کو امن دیا جاوے گا -

غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا اور تمام لشکر روانہ ہوا - جب لشکر قریب مکہ کے پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتہر کر دیا اور مکہ میں بھی لوگوں نے مشتہر کیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اور جو شخص حرم کعبہ مین پناہ لے گا اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اُن سب کو امن دیا جاوے گا مگر نو آدمیوں کے نام بتائے کہ وہ قتل کیے جاویں گے اُن نو آدمیوں کے یہ نام ہیں - (۱) عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح - (۲) عکرمہ بن ابی جہل - (۳) عبد العزیٰ بن خطل - (۴) طارث بن نفیل بن وہب - (۵) مقیس بن صبابہ - (۶) ہبار ابن الاسود (۷ و ۸) دو گانے والی عورتیں ابن خطل کی - (۹) سارہ مولاۃ بنی عبد المطلب -

غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے فتح عظیم عنایت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ فتح و نصرت مکہ میں داخل ہوئے - جو تکلیفیں کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھیں اُن کے سبب لوگوں کو خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ساتھ کیا کریں گے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو امن دیا اور کسی سے بدلہ نہیں لیا اور ایک ایسا فصیح اور بلیغ اور رحم کا بھرا ہوا خطبہ پڑھا جو زمانہ میں یادگار ہے -

جن نو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا اُن میں سے ابن ابی سرح کو حضرت عثمان لے کر آئے اور امن کی درخواست کی اُس کو امن دیا اور وہ مسلمان ہو گیا عکرمہ بن ابی جہل کو جو مفرور ہو گیا تھا امن دینے کے لیے اُس کی جورو نے عرض کیا آپ نے اُس کو بھی امن دیا وہ واپس آیا اور مسلمان ہو گیا - ھبار ابن الاسود بھی بھاگ گیا تھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب کو دھکا دیا تھا اور وہ ایک پتھر پر گر پڑی تھیں اور اسقاطہ حمل ہو گیا تھا اُس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور سارہ اور اُن دو گانے والیوں میں سے ایک کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور وہ دونوں مسلمان ہو گئیں اور اُن میں سے صرف چار شخص مارے گئے - ایک ابن خطل ، ایک الحارث ، ایک مقیس اور ایک دونوں گانے والیوں میں سے - عبداللہ ابن خطل پہلے مسلمان ہو گیا تھا پھر مرتد ہو گیا اُس نے حالت اسلام میں ایک مسلمان غلام کو مار ڈالا تھا اور اُس کا خون اُس پر تھا اور مقیس بن صبابہ بھی پہلے مسلمان ہو گیا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا اور کافروں سے جا ملا تھا اور اُس نے ایک انصاری کو مار ڈالا تھا اور اُس کا خون اُس پر تھا - الحارث اور اُن دونوں گانے والیوں میں سے ایک گانے والی کے مارے جانے کی وجہ ہم کو معلوم نہیں ہوئی - بعض علما سے میں نے سنا کہ اُن دونوں کو بھی بعوض کسی خون کے قصاصاً مار ڈالا گیا تھا الا ہم کو کہیں اس کی تصریح نہیں ملی - مگر یقین ہے کہ ان دونوں پر کوئی ایسا جرم تھا کہ جس کی سزا بجز قتل کے اور کچھ نہ تھی - خصوصاً اُن دونوں گانے والیوں میں سے ایک کے مارے جانے کی ضوور کوئی ایسی وجہ ہو گی جس سے اُس کا قتل کرنا لازمی ہوگا کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہمیشہ ہدایت تھی کہ کوئی عورت بجز قصاص کے اور کسی طرح پر نہ ماری جاوے -

فتح مکہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی "فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا لوثاق فاما منا بعد و اما فداء حتی تضع الحرب او زارھا" جس نے تمام انسانوں کو لونڈی اور غلام ہونے سے آزادی دی ہے اور لڑائی کے تمام قیدیوں کی جانوں کو بچایا ہے کہ اس کے بعد لڑائی کا کوئی قیدی قتل نہیں ہو سکتا اور کوئی قیدی زن و مرد لڑکا اور لڑکی لونڈی اور غلام نہیں بنائے جا سکتے اور لڑائی کے قیدیوں کے ساتھ بجز اس کے کہ اُن پر احسان کر کے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا - اسلام کے لیے یہ ایک ایسا فخر ہے کہ کسی اور مذہب کے لیے نہیں ہے -

سریہ خالد بن الولید رمضان سال ہشتم

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو عزیٰ بت کے توڑنے کے لیے جو بنی کنانہ کا بت تھا بھیجا اور وہ توڑ کر چلے آئے -

سریہ عمرو بن العاص رمضان سال ہشتم

سواع جو ھذیل کی قوم کا ایک بت مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اُس کے توڑنے کو عمرو بن العاص مقرر ہوئے اور وہ توڑ کر چلے آئے -

سریہ سعد بن یذید الاشہلی رمضان سال ہشتم

منات جو ایک نہایت مشہور بت ہے بنی اوس اور خزرج کا مسلل میں تھا اُس کے توڑنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو مقرر کیا اور وہ بیس سوار لے کر وھاں گئے اور اُس کو توڑ کر چلے آئے -

ان بتوں کے توڑنے کے وقت جو قصے کتابوں میں لکھے ھیں وہ محض کہانیاں ھیں اور نہ اُن کی کوئی معتبر سند ھے اور مطلق اعتبار کے لائق نہیں ھیں -

سریہ خالد ابن ولید شوال سال ھشتم

جب کہ خالد بن ولید عزیٰ بت کو توڑ کر مکہ میں واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو پچاس آدمیوں کے ساتھ اُن کو بنی جذیمہ کی طرف اسلام کی ھدایت کرنے کے لیے بھیجا - لڑنے کے لیے نہیں بھیجا تھا - مگر بنی جذیمہ پہلے سے مسلمان ھو گئے تھے اور اُنھوں نے ایک آدھ مسجد بھی اپنے ھاں نماز پڑھنے کے لیے بنا لی تھی مگر وہ ھتھیار بند ھو کر مقابلہ کو آئے جب اُن سے پوچھا کہ تم مسلح ھو کر کیوں آئے ھو تو اُنھوں نے نے کہا کہ عرب کی ایک قوم کو ھم سے دشمنی ھے ھم کو خوف ھوا کہ وھی قوم ھم پر چڑھ کر نہ آئی ھو اُن سے کہا گیا کہ ھتھیار رکھ دو اُنھوں نے ھتھیار رکھ دیے -

جب اُن سے پوچھا گیا کہ تم مسلمان ھو گئے ھو تو اُنھوں نے بجائے اس کے کہ کہتے ”اسلمنا“ اُنھوں نے کہا ”صبانا صبانا“ - اس کہنے سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ھم نے اپنا پہلا مذھب چھوڑ دیا ھے لیکن جب کوئی مسلمان اس لفظ کو کہے تو اُس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ھے کہ ھم کافر ھو گئے ھیں - چناں چہ مسلمانوں نے یہی اس کا مطلب سمجھا اور اُن کو قید کر لیا اور رات کے وقت مسلمانوں کے ھر گروہ نے علیحدہ علیحدہ چند چند قیدی اپنی اپنی حفاظت میں کر لیے صبح کو خالد ابن ولید نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو جو قیدی ھیں اُن کو مار ڈالے - بنو سلیم کے پاس جتنے قیدی تھے اُن کو اُنھوں نے مار ڈالا - مگر مہاجرین اور انصار کے پاس جس قدر قیدی تھے اُنھوں نے قتل

نہیں کیا اُن سب کو چھوڑ دیا جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ خالد بن ولید کے کام سے نہایت ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ اے خدا جو کچھ خالد نے کیا میں اس سے بری ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ کو مقرر فرمایا کہ جو لوگ مارے گئے ہیں اُن کی دیت ادا کریں ۔

غزوہ حنین یا غزوہ اوطاس یا غزوہ ہوازن شوال سال ہشتم

حنین اور اوطاس دو مقاموں کا نام ہے جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہیں اور ہوازن کی قوم سے اس مقام پر لڑائی ہوئی تھی اسی سبب سے اس غزوہ کے یہ نام ہوئے ہیں ۔

فتح مکہ کے بعد مالک ابن عوف نضری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے لوگوں کو جمع کیا اور ہوازن اور بنی ثقیف اور بنی مضر اور بنی جشم اور کچھ لوگ بنی ہلال کے اور اور بہت سے لوگ مختلف قبائل کے اُس کے پاس جمع ہو گئے ۔ یہ خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی کی تیاری کی اور بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر کوچ فرمایا ۔ مالک ابن عوف نضری بھی اپنا لشکر لے کر چل چکا تھا اور اوطاس کے میدان میں پہنچ گیا تھا وہ ایک ایسی تنگ اور پتھریلی اور ریتلی زمین تھی کہ وہاں گھوڑوں کا جانا اور لڑنا نہایت مشکل تھا ۔ اُنھوں نے وہیں اپنا لشکر ڈالا اور اُس کے گڑھوں میں اور اُن تنگ رستوں کے ادھر اُدھر جن میں گزرنا نہایت مشکل تھا چھپ بیٹھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر جب وہاں پہنچا تو بغیر ترتیب لڑائی کے اور بغیر کسی خیال کے اُس دشوارگذار رستہ میں سے گذرنا شروع کیا اور کچھ لوگ اُس سے آگے بڑھ گئے اور ہوازن والوں کی جہاں بھیڑ اور عورتیں اور مال و اسباب تھا اُس طرف جانے کا

ارادہ کیا اُس وقت دشمن اپنے کمین گاھوں میں سے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے نکل پڑے اور دفعۃً سب نے مل کر حملہ کیا اور مارنا اور قتل کرنا شروع کیا ۔ مسلمانوں کے لشکر میں نہایت ابتری پڑی اور لوگ بھاگ نکلے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی بہت تھوڑے آدمی رہ گئے ۔ غالباً لوگوں کو یہ خیال ھوا ھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قتل ھو گئے ۔ جب یہ حال دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف اونچی جگہ پر جا کھڑے ہوئے اور لوگوں کو پکارا کہ میں موجود ھوں اور حضرت عباس نے بھی نہایت بلند آواز سے لوگوں کو ڈانٹا اور کہا کہ کہاں بھاگے جاتے ھو ۔ حضرت عباس نے یہ بھی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ھیں اُن کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ھے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل ھو جانے کا خیال کیا تھا ۔ غرض کہ سب لوگ پھر پڑے اور اکٹھے ھو گئے اور نہایت سخت لڑائی کے بعد دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے ۔

سریہ ابی عامر الاشعری شوال سال ھشتم

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعری کو اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا جو اوطاس کی جانب بھاگے تھے اُن لوگوں سے بھی کچھ لڑائی ہوئی اور ابو عامر ایک تیر کے زخم سے مر گئے اور مالک بن عوف نے ثقیف کے ایک قلعہ میں جا کر پناہ لی اور بہت سے قیدی اور مال اسباب مسلمانوں کے ھاتھ آیا قیدیوں کی تعداد چھ ھزار لکھی ھے اور اونٹوں اور بکریوں کی تعداد بہت زیادہ بیان کی گئی ھے ۔

قیدیان حنین کی مناً رھائی

کئی دن بعد ھوازن کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئے اور چاہا کہ اُن کے تمام قیدی "مناً" یعنی احسان رکھ کر بغیر کسی معاوضہ لینے کے چھوڑ دیے جاویں - یہ بات کسی قدر مشکل تھی کیوں کہ تمام لڑنے والوں کا جیسا حق غنیمت کے مال میں حصہ لینے کا تھا ویسا ھی اُن قیدیوں کے معاوضہ میں فدیہ لینے کا حق تھا اور وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ فدیہ نہ دے سکتے ہوں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کو بغیر فدیہ لیے چھوڑ دینے کی خواھش رکھتے تھے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل نماز کے وقت سب لوگ آؤ - غالباً یہ اس لیے فرمایا کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوں گے اور جب نماز ھو چکے تو تم قیدیوں کے چھوٹنے کی درخواست کرو - اُن لوگوں نے اسی طرح پر کیا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ کہ میرا اور بنی عبد المطلب کا ھے یعنی اُن کا حصہ ھے وہ تمھارے لیے ھے - مہاجرین اور انصار نے کہا کہ جو ھمارا حصہ ھے وہ بھی رسول اللہ کے لیے ھے - بعض لوگوں نے اس طرح پر قیدیوں کے دے دینے سے انکار کیا مگر آخر کو سب لوگ راضی ھو گئے اور تمام قیدی بغیر معاوضہ لیے احساناً چھوڑ دیے گئے -

سریہ طفیل بن عمرو الدوسی شوال سال ھشتم

ذوالکفین نام لکڑی کا ایک بت عمرو بن جمۃ کا تھا اُس کے توڑنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل ابن عمرو کو روانہ کیا وہ وھاں گئے اور اُس بت کو توڑ دیا اور جلا دیا -

غزوہ طائف شوال سال ھشتم

حنین سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف کوچ فرمایا کیوں کہ بنی ثقیف نے طائف کے قلعوں میں جا کر پناہ لی تھی اور لڑائی کا سامان کیا تھا - ایک مہینہ تک یا کچھ زیادہ طائف کا محاصرہ رہا اور لڑائی بھی ھوتی رہی مگر

ابھی فتح نہیں ھوئی تھی کہ ذیقعدہ کے مہینہ کا چاند دکھائی دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ ادا کرنا منظور تھا اس لیے محاصرہ آٹھا لیا اور فرمایا کہ ماہ حرم گذر جانے کے بعد پھر لڑا جاوے گا اور مکہ کو واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے -

کئی مہینوں کے بعد طائف کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ھم کو آنحضرت صلعم سے لڑنے کی طاقت نہیں ھے بہتر ھے کہ ھم اطاعت قبول کریں - پھر آنھوں نے چھ شخصوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں بھیجا اور چار باتوں پر صلح چاھی ایک یہ کہ "لات" جو آن کا بت ھے وہ تین برس تک نہ توڑا جاوے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا تو آنھوں نے چاھا کہ ایک برس تک نہ توڑا جاوے جب اس کو بھی منظور نہ فرمایا تو آنھوں نے چاھا کہ ایک مہینے تک جب سے کہ یہ لوگ واپس جاویں نہ توڑا جاوے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی نا منظور فرمایا - دوسرے یہ کہ آن کے لیے نماز معاف کر دی جاوے - حضرت نے فرمایا کہ جس دین میں نماز نہیں ھے اس میں کچھ بھلائی نہیں - تیسرے یہ کہ وہ اپنے بت اپنے ھاتھوں سے نہ توڑیں - چوتھے یہ کہ جو عامل محصول وصول کرنے کے لیے مقرر ھو اس کے سامنے وہ نہ بلائے جائیں اور نہ آن کی زمینوں کا عشر لیا جاوے اور نہ کوئی جرمانہ - ان پچھلی دو شرطوں کو آپ نے منظور فرمایا اور اسی پر صلح ھوگئی -

بھیجا جانا ابوسفیان ابن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کا واسطے توڑنے لات کے طائف کو

اس صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو طائف میں لات بت کے توڑنے کے لیے بھیجا

اور مغیرہ بن شعبہ نے اپنے ہاتھ سے اُس کو توڑ دیا ۔ جب وہ توڑا جاتا تھا تو بنی ثقیف کی عورتیں اُس کے گرد جمع ہو گئی تھیں اور لات کی موت پر گریہ و زنری کرتی تھیں ۔

سریہ عینیۃ بن حصن انفراری محرم سال نہم

اس سریہ میں پچاس سوار تھے اور بنی تمیم پر جنھوں نے ابھی تک اطاعت نہیں قبول کی تھی بھیجا گیا تھا وہ لوگ جنگل میں اپنے مویشی چرا رہے تھے کہ دفعۃً عینیہ معہ اپنے سواروں کے اُن پر جا پڑے وہ لوگ بھاگ گئے اور گیارہ مرد اور اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے اُن کو مدینہ میں لے آئے ۔

اس کے بعد بنی تمیم کے چند سردار مل کر مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اطاعت قبول کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو "مناً" یعنی بغیر کسی معاوضہ کے اُن کو دے دیا ۔

سریہ قطبہ بن عامر بن حدیدہ صفر سال نہم

یہ سریہ قبیلہ خثعم پر بھیجا گیا تھا مورخین لکھتے ھیں کہ اس سریہ کو حکم تھا کہ بنی خثعم کو لوٹ لیں مگر کسی نے نہیں لکھا کہ ایسا حکم دینے کی کیا وجہ تھی ۔ وہ قبیلہ کچھ مال دار نہ تھا نہ اُن کے پاس بہت سا اسباب یا مویشی تھے کہ کوئی بد ظنی سے کہ سکے کہ مال اور لوٹ کے لالچ سے ایسا حکم دیا تھا ۔ بہرحال اگر درحقیقت ایسا حکم دیا گیا تھا تو ضرور اُس کے لیے کوئی جائز سبب ہوگا ۔ اس سریہ میں کل بیس آدمی بھیجے گئے تھے اور جو واقعہ ھوا اُس کا بیان بھی مختلف ھے ۔ زادالمعاد میں لکھا ھے کہ قبیلہ خثعم کے گاؤں کا ایک آدمی ملا اُس سے کچھ حال پوچھا وہ چلایا غالباً اس غرض سے کہ گاؤں والوں کو خبر ہو جاوے اُس کو لوگوں نے مار ڈالا ۔ مگر مواھب لدنیہ

میں اُس کے قتل ہونے کا کچھ ذکر نہیں - پھر زادالمعاد میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے میں گاؤں پر حملہ کیا مگر مواہب لدنیہ میں رات کو حملہ ہونا بیان نہیں ہوا -

بہرحال یہ لوگ اُس گاؤں پر جا پڑے گاؤں والے خوب لڑے اور طرفین کے آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور کچھ بھیڑ بکریاں جو ھاتھ لگیں اور کچھ عورتیں جو گرفتار ہوئیں تھیں اُن کو مدینہ میں لے آئے - کسی نے نہیں لکھا کہ اُن عورتوں کی نسبت کیا ہوا اور اُس کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چھوڑ دی گئیں کیونکہ اگر وہ بطور لونڈیوں کے تقسیم کی جاتیں تو اس کا ضرور ذکر ہوتا -

سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی ربیع الاول سال نہم

یہ سریہ بنو کلاب پر بھیجا گیا تھا اُنھوں نے بھی اطاعت نہیں کی تھی - وہاں پہنچ کر اول اُن کو مسلمان ہو جانے کو سمجھایا گیا اُنھوں نے نہ مانا اور لڑے اور شکست کھا کر بھاگ گئے -

سریہ عبد اللہ ابن حذافہ یا سریہ علقمہ بن المحرز المدلجی ربیع الاول سال نہم

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس سریہ کے سردار عبد اللہ تھے یا علقمہ سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ علقمہ کے بھائی وقاص بن محرز المدلجی ذوقرد کی لڑائی میں مارے گئے تھے اس لیے علقمہ نے آنحضرت سے اجازت چاہی کہ وہ حبشہ کی قوم سے جنھوں نے اُن کو مارا تھا اُن کے خون کا بدلہ لے اور کچھ عجب نہیں ہے کہ آنحضرت نے پہلے عبد اللہ کو سردار قرار دیا ہو اور پھر علقمہ کو سردار کر دیا - یہ سریہ قوم حبشہ کی طرف بھیجا گیا تھا جن کی بغرض فساد کے جمع ہونے کی خبر پہنچی تھی - تین سو آدمی اس سریہ میں

تھے - یہ لوگ دریا کی طرف جمع تھے اور جب علقمہ دریا کے ایک جزیرے میں جا کر آترے تو وہ لوگ بھاگ گئے اور علقمہ معہ اپنے لوگوں کے بغیر کسی جنگ کے واپس آ گئے -

سریہ حضرت علی بن ابی طالب الٰی بنی طے سال ۹ھ

قبیلہ بنی طے کا سردار عدی بن حاتم تھا اور آس قبیلہ میں بطور بادشاہ کے سمجھا جاتا تھا اور سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نا پسند کرتا تھا اور کسی قسم کی اطاعت بھی نہیں کی تھی - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی کو متعین کیا کہ آس قبیلہ میں جاویں اور آن کے پوجنے کا بت جس کا نام فلس تھا توڑ دیں یہ بت حاتم کے محلہ میں تھا - یہ لوگ دفعۃً وھاں پہنچے عدی ابن حاتم بھاگ گیا اور آن لوگوں نے آس محلہ کو گھیر لیا اور لوٹ لیا اور بت کو توڑ ڈالا اور کچھ قیدی پکڑ لیے اور مدینہ میں واپس چلے آئے - آنھیں قیدیوں میں حاتم کی بیٹی بھی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آس طرف گذرے تو حاتم کی بیٹی نے اپنا حال عرض کیا آپ نے کہا کہ عدی تیرا بھائی ھے جو بھاگ گیا ھے اور کچھ جواب نہیں دیا - دوسرے دن پھر آس نے کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس بات کا منتظر ھوں کہ کوئی شخص تیری قوم کا ملے تو میں آس کو تیرے ساتھ کر کے آرام سے تیرے گھر تجھ کو بھیج دوں - عدی اس کا بھائی عیسائی تھا اور شام کی طرف بھاگ گیا تھا - آنھیں دنوں میں ایک قافلہ شام کو جاتا تھا حاتم کی بیٹی نے درخواست کی کہ آس کو اس قافلہ کے ساتھ شام میں آس کے بھائی کے پاس بھیج دیا جاوے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کیا اور آس کو زاد راہ اور کپڑے عطا کیے اور روانہ کر دیا وہ اپنے بھائی پاس پہنچ گئی - آس کے چند روز بعد

عدی ابن حاتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قبیلہ طے کے جس قدر قیدی تھے وہ سب چھوڑ دیے گئے -

غزوہ تبوک رجب سال نہم

تبوک - ایک قصبہ ہے شام اور وادی القرے کے درمیان -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تھی کہ اہل روم نے شام میں بہت کثرت سے لوگ جمع کیے ہیں اور ہرقل نے ایک برس کے خرچ کے لائق رسد کے اُن کو دے دی ہے اور بنی لخم اور بنی جذام اور بنی عاملہ اور بنی غسان سب اُن کے ساتھ شریک ہوگئے ہیں اہل روم سے مراد ہرقل کے لشکر سے ہے جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور شام اُسی کے تحت حکومت میں تھا اور اُسی زمانہ کے قریب اُس نے ایران کو بھی فتح کر لیا تھا - اس خبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کے جمع ہونے اور لڑائی کا سامان مہیا کرنے کا حکم دیا اور مدینہ سے معہ لشکر کے روانہ ہوئے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں پہنچے تو جس قدر مجمع کی خبر سنی تھی اُس قدر کا مجمع ہونا صحیح نہیں تھا - بہر حال آپ نے تبوک میں قیام فرمایا - یوحنا بن روبہ جو ایلہ کا سردار اور عیسائی تھا اور اذرح اور جربا اور مقنا کے لوگ وقتاً فوقتاً آئے اور جزیہ دینے پر راضی ہوئے اور اُن کو عہد نامہ لکھ دیا گیا - یوحنا کے نام ایلہ والوں کے لیے جو فرمان لکھا گیا تھا اُس کا یہ مطلب تھا کہ " ایلہ والوں کو خدا اور رسول نے پناہ دی ہے اُن کی کشتیوں کو اُن کے مسافروں کو خشکی و تری میں اُن کے لیے اللہ و رسول کی ذمہ داری ہے اور جو لوگ اہل شام و اہل یمن اور اہل بحرین اُن کے ساتھ ہوں وہ بھی اُن کے ساتھ امن میں ہیں اور اگر اُن سے کوئی نئی بات پیدا ہوگی (یعنی دشمنی و عداوت کی) تو اُن کا مال

(یعنی جزیہ دینا) اُن کو بچا نہیں سکنے کا اور ہر ایک شخص کو اُن کا پکڑ لینا جائز ہوگا اور (اس حالت کے سوا) کسی کو جائز نہیں ہے کہ جہاں وہ جانا چاہیں اور جس رستہ سے جانا چاہیں تری کے یا خشکی کے اُن کو منع کرے'' غالباً اسی قسم کا یا اُس کی مانند باقی لوگوں سے بھی جنھوں نے جزیہ قبول کیا تھا معاہدہ ہوا ہوگا۔

دومۃ الجندل کا سردار جس کا نام اکیدر بن عبدالملک تھا اور اُس نواح کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا اور کندی قوم کا تھا جو عرب کی ایک قوم ہے حاضر نہیں ہوا اُس کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو روانہ کیا ۔ وہ اپنے محل سے معہ اپنے بھائی حسان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلا اور اُس کے ساتھ اُس کے سوار بھی تھے ۔ خالد کے سواروں سے مقابلہ ہوا حسان اُس کا بھائی مارا گیا اور اکیدر گرفتار ہو گیا جب اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس لائے تو اُس نے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی اور اُس کو چھوڑ دیا اور غزوہ تبوک ختم ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کو واپس تشریف لے آئے ۔

تبوک ہی کے مقام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شہنشاہ روم کے نام خط روانہ کیا اور اپنا ایلچی بھیجا جس کی نسبت مسٹر گبن نے اپنی معروف و مشہور تاریخ میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ ''جب ہرقل جنگ فارس سے توزک اور شان کے ساتھ لوٹا تو اُس نے مقام حمص میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایلچیوں میں سے ایک کی ضیافت کی جو روئے زمین کے شاہزادوں اور اقوام کو دین اسلام کی دعوت کرتے پھرتے تھے ۔ اسی بناء پر عرب والوں نے تعصب سے یہ خیال کیا کہ اس عیسائی بادشاہ نے خفیہ اسلام قبول کر لیا ۔ اُدھر یونانی یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہرقل

سے خود بادشاہ مدینہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے آ کر ملاقات کی اور روم کے بادشاہ یعنی ھرقل نے فیاضی سے صوبہ شام میں ایک عمدہ مقام آپ کو عطا کیا"۔ مسٹر گبن نے بھی یہ مضمون رومیوں کی نسبت بطور طعن کے لکھا ھے اور ھر مورخ سمجھ سکتا ھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ھرقل کے پاس تشریف لے جانا اور اُس کا کسی زمین کا دینا محض غلط ھے مگر ایشیا کے مورخوں اور رومی مورخوں کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کا ھرقل سے ملنا اور اُس کا ایلچی کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا ثابت ھوتا ھے۔

بحث نسبت جزیہ کے

جو لوگ مسلمان نہیں ھوتے تھے اور اپنے قدیم مذھب پر قائم رھتے تھے اُن پر جو جزیہ مقرر ھوتا تھا اُس کا مقصد سمجھنے میں لوگوں نے بڑی غلطی کی ھے اور جو لوگ مخالف اسلام کے ھیں اُنھوں نے جزیہ مقرر کرنے پر بہت سا طعن کیا ھے۔ مسٹر لین نے اپنی کتاب مدالقاموس میں لکھا ھے کہ جزیہ قتل سے محفوظ رھنے کا معاوضہ تھا اور یہ اُن کی نہایت غلطی ھے کیوں کہ امن کا ھو جانا یعنی لڑائی کا موقوف ھونا یا صلح کا ھو جانا یا کسی قسم کا معاھدہ ھونا گو کہ اُس میں جزیہ کا دینا نہ قرار پایا ھو قتل سے محفوظی کا سبب ھوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔ جزیہ اُن لوگوں سے لیا جاتا تھا جو مسلمانوں کی زیر حکومت بطور رعیت کے رھنا قبول کرتے تھے جو لوگ رعیت ھو کر رھتے تھے وہ ذمی کہلاتے تھے یعنی مسلمانوں کی حکومت میں اُن کے امن سے رھنے کے ذمہ دار ھیں۔ جیسے کہ اھل ایلہ کے نام فرمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا کہ "لھم ذمۃ اللہ و محمد النبی" پس جزیہ قتل سے محفوظ رھنے کا معاوضہ نہیں ھے۔

جزیہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مخالفوں سے لڑائی کو جانے سے بالکل بری تھے ۔ لڑائی کی ضرورت سے جو خاص جہاز یعنی نقد و جنس مسلمانوں سے مانگا جاتا تھا اور لیا جاتا تھا اُس سے وہ بری تھے ۔ مسلمانوں سے نہایت سخت سالانہ ٹیکس یعنی چالیسواں حصہ مال کا لے لیا جاتا تھا اُس سے وہ لوگ بری تھے ان سب امور کے عوض ایک نہایت خفیف سالانہ ٹیکس جو فی کس تین روپیہ کئی آنے سال ہوتا ہے اُن سے لیا جاتا تھا ۔ پس اُس تخفیف و رعایت کی جو ذمیوں کے ساتھ کی گئی تھی حد نہیں ۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُس کو اور قسم کی آمدنیاں تجارت وغیرہ سے بھی ہیں اور ایک مسلمان پاس بھی چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُس کے پاس اور کوئی آمدنی تجارت وغیرہ سے نہیں ہے سال بھر کے بعد اُس ذمی کو تو صرف تین روپے کئی آنے اور اگر اُس کی جورو یا اور کنبہ ہے جس کی پرورش اُس کے ذمہ ہے تو ہر ایک کی طرف سے بھی اُسی قدر دینا ہوگا جس کی مقدار ایک عام طریقہ پر تیس چالیس روپیہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی ۔ مگر مسلمان کو بلا عذر اپنے صندوق خزانہ میں سے ایک ہزار روپیہ نقد نکال کر دینا ہوگا ۔ جزیہ مسلمان ہونے پر کسی طرح رغبت دلا نہیں سکتا ۔ بلکہ جس کسی کو ایمان سے زیادہ مال کی محبت ہو تو اُس کو مسلمان ہونے سے باز رہنے پر رغبت دلا سکتا ہے ۔ با اینہمہ جو ذمی غریب و مسکین تھے وہ جزیہ سے بھی معاف کر دیے جاتے تھے ۔

جو خیال کہ مخالفین اسلام نے جزیہ کی نسبت کیا ہے اُس کے غلط ہونے کی شہادت ایک اور حال کے زمانہ کے بڑے عیسائی عالم کی کتاب سے ثابت ہوتی ہے وہ عالم عیسائی ”معلم بطرس البستانی“ ہے اور اُس کی کتاب کا نام محیط المحیط ہے جو عربی زبان

کی لغت میں اُس نے لکھی ہے وہ کہتا ہے کہ ”الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من اهل الذمۃ قیل لانها تجزی عنهم ای تکفیهم معاملۃ الحربیین و قیل لانها تکفیهم مؤنۃ الجهاد کالمسلمین“۔

بحث نسبت محاربات کے

ان تمام واقعات سے جو بیان ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ چار طرح پر ہوئیں تھیں۔

(۱) یا تو دشمنوں کے حملہ کے روکنے اور اُن کے حملوں کے دفعہ کرنے کے لیے تھیں۔

(۲) یا دشمنوں کا ارادہ لڑنے اور حملہ کرنے اور لڑائی کے لیے لوگوں کے جمع کرنے کی خبر پا کر اُس فساد کے مٹانے اور اُن لوگوں کے منتشر کرنے کے لیے ہوئی تھیں۔

(۳) یا اُن لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا جنہوں نے عہد شکنی یا دغا بازی یا بغاوت کی تھی۔

(۴) یا خبر رسانی اور ملک کی اور قوموں کے حالات دریافت کرنے کو جو لوگ بھیجے جاتے تھے اُن سے لڑائی ہو گئی تھی۔

پس یہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو معمولاً ملکی انتظام میں اور امن و امان کے قائم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس نے ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اُس کو اس قسم کی لڑائیاں نہ پیش آئی ہوں ان لڑائیوں کی نسبت یہ کہنا کہ زبردستی سے ہتیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لیے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جس کو کوئی ذی عقل بجز

اُس کے جس کے دل میں تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کر سکتا ۔

یہ سچ ہے کہ جس قوم کی کسی ملک میں سلطنت اور حکومت ہو جاتی ہے قدرتی طور پر اُس قوم کے مذہب کو اور نہ صرف مذہب کو بلکہ رسم و رواج و عادات و اطوار کو ترقی ہوتی ہے اور لوگ اُس طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور یہ مقولہ کہ ''الملک والدین توامان'' ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب پر صادق آتا ہے اسی طرح اسلامی حکومت کے سبب اُسی قدرتی قاعدہ سے اسلام کی ترقی کو بھی مدد پہنچی ۔ مگر اُن لڑائیوں کو جو ملکی ضرورت اور امن قائم کرنے کے لیے ہوئیں یہ کہنا کہ وہ اسلام پھیلانے کے لیے اور بجبر ہتھیاروں کے زور سے اسلام قبلوانے کے لیے تھیں محض غلط ہے بلکہ صرف اسلام ہی کی تاریخ میں ایک نہایت عجیب واقعہ پایا جاتا ہے جو اور کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں ہے کہ فاتح قوم نے فتح کامل حاصل کرنے اور استقلال کامل پانے کے بعد اپنی مفتوح قوم کا دفعۃً مذہب اختیار کر لیا ہو ۔ مذہب اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مفتوح ملک کے باشندوں کو مذہبی آزادی کی مانع ہو ۔ جزیہ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے اُس کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ مسلمان سے بہ نسبت اُس کے بہت زیادہ ٹیکس لیا جاتا تھا جو زکواۃ کے نام سے موسوم ہے اور اس لیے مسلمانی سلطنت میں غیر مذہب والے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ آسودہ حال اور دولت مند رہتے تھے اور لڑائی میں شریک ہونے کی مصیبتوں سے بالکل محفوظ تھے ۔ تسلیم کیا جاوے کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب والوں پر ظلم کیا اور اُن کی مذہبی آزادی کو برباد کر دیا مگر ایسا کرنا اُن کا ذاتی فعل تھا جس کے وہ خود ملزم ہیں نہ مذہب اسلام ۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قوم

عرب کے بتوں کو توڑ دیا مگر اُس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی کی یا عالمگیر کی اور کسی بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہو سکتی۔ کعبہ ایک مسجد تھی حضرت ابراہیم کی بنائی ہوئی خدائے واحد کی عبادت کے لیے اُس کے بعد جب عرب بت پرست ہو گئے تو اُس مسجد میں اُنھوں نے بت رکھ دیے تھے جن کا برباد کرنا اور دین ابراہیم کا اُس میں جاری کرنا ابراہیم کے پہلوٹے بیٹے کے بیٹے کو لازم تھا قوم عرب جس کا غالب حصہ ابراہیم کی نسل سے تھا اور جس قوم و نسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے اُس قوم کو بتوں کی پرستش سے چھڑانا اور ابراہیم کے خدا کی پرستش سکھانا ضرور تھا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی قوم کے بت توڑے تھے اُس سے دیگر اقوام کے مذہب کی آزادی کو ضائع کرنا لازم نہیں آتا[1]۔

مسلمانوں کی تاریخ میں جہاں بت شکنی اور غیر مذہب کے معبدوں کے برباد کرنے کی مثالیں ملتی ہیں اُسی طرح ہزاروں مثالیں اُس کے بر خلاف بھی موجود ہیں۔ مسلمانوں کی سلطنت دنیا کے ایک بہت بڑے وسیع حصے میں پھیلی ہوئی تھی اُس کی حکومت میں مختلف مذہب کی قومیں رہتی تھیں تمام سنیگاگ (یہودیوں کے گرجا) اور تمام گرجے جو زیادہ تر رومن کیتھلک مذہب کے تھے

۱۔ صاف اور سیدھی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث تھے اور کعبہ حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔ جب اس مکان کا اصل وارث اور مالک پیدا ہوا تو اُس نے اپنے باپ کے مکان میں سے بتوں کو نکال کر پھینک دیا۔ جو ناجائز طور پر اس میں رکھے گئے تھے۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ کون شخص اپنے مکان میں غیر کا دخل برداشت کر سکتا ہے جو آنحضور کرتے۔ جس مقصد کے لیے حضرت ابراہیم نے یہ گھر بنایا تھا۔ اُن کے فرزند محمد نے اس غرض کے لیے اُس کو خاص کر دیا۔ یعنی محض خدا کی عبادت کے لیے۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

بدستور قرنائے اور گھنٹے بجاتے تھے تمام ملک میں ناقوس کی آواز گونجتی تھی مندروں میں بت موجود تھے ہر ایک قوم اپنے مذہب میں آزاد تھی پس ان تمام حالات کو جو نہایت کثرت سے تھے بھول جانا اور چند واقعات کو جو اُس کے برخلاف شخصی طبیعت سے واقع ہوئے تھے نظیر پیش کر کے یہ کہنا کہ اسلام نے مذہبی آزادی کو مٹایا تھا محض نا انصافی ہے اور اصول مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے -

رہی یہ بات کہ انبیاء کو اس قسم کی لڑائیاں کرنی زیبا ہیں یا نہیں - اس سے انکار کرنا اور اُس کو نا زیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے - تمام انبیاء جب کہ قوم کی اصلاح اور اُن کے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً اُن کے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں اگر وہ اپنی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نہ کرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ اور کسی مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح کے اُس کے لیے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اُس کے پیروؤں کے مخالفوں سے حفاظت کی گئی اور بزور حکومت اُس کو ترقی دی گئی -

قرآن مجید میں نہایت عمدہ اور بالکل سچ بات خدا نے فرمائی

ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بيع و صلواة و مساجد يذكر فيها اسم اللہ كثيرا -
(سورہ حج ۲۲ - آیت ۴۰) -

ہے کہ ” اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک دوسرے سے تو ضرور ڈھا دی جاتیں عیسائیوں اور درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے معبد اور تمام نماز گاہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بہت زیادہ خدا کا ذکر کیا جاتا ہے

پس یہ کہنا کہ انبیاء کو ایسی لڑائیاں نا زیبا ہیں ایک ایسا قول ہے جس کو قانون قدرت مردود کرتا ہے ۔

لوگ حضرت موسیٰ کے کاموں کو تو بھول جاتے ہیں اور غریبی اور مسکینی اور مظلومی کی مثال میں حضرت مسیح کو پیش کرتے ہیں ۔ مگر حضرت مسیح نے جب اپنے تئیں خلقت کے سامنے پیش کیا اُس وقت سے اور حضرت مسیح کی وفات تک نہایت قلیل زمانہ قریب تین برس کے گذرا تھا اور صرف ستر آدمیوں کے قریب اُن پر ایمان لائے تھے اُن کو مطلق ایسی قوت جس سے وہ اپنے دشمنوں کو دفع کر سکیں حاصل نہیں ہوئی تھی اور اسی سبب سے کاڈوری کی پہاڑی پر وہ افسوس ناک واقع ہوا۔ اُس کے بعد اگر اُس کے ایسے حامی نہ پیدا ہو جاتے جو دشمنوں کو دفع کر سکے تو آج دنیا میں ایک بھی گرجا اور ایک بھی خانقاہ نہ دکھائی دیتی ۔

علاوہ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی بادشاہی کے سوا سلیمان جیسی سلطنت کے انتظام میں داخل ہو جانے میں ایک بہت بڑی مجبوری تھی ۔ عرب میں بادشاہت کا وجود نہ تھا ہر ایک قبیلہ کا سردار اُن کا حاکم ہوتا تھا اور جس کو سب لوگ بڑا سمجھتے تھے ۔ اُس کو بہ مجبوری افسر بننا اور تمام ملکی انتظام کرنا لازم تھا ۔ جب کہ تمام قبائل رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے تو امکان سے خارج تھا کہ وہ لوگ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو اپنا سردار تسلیم کرتے اور تمام حالات ملکی بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے اور کسی کے حکم سے تعمیل پاتے ۔ پس ہر بات پر انصاف سے غور کرنا چاہیے نہ تعصب سے ۔

مجلس ترقی ادب لاہور